دنیا بھر سے منتخب معیاری ادب
اگست 2020
عمران ڈائجسٹ
Pakistanipoint

قاتل بھروپیا

وقت کا فیصلہ

اعتبار ناتمام

گرداب

آذر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام اشاعت: 37-اردو بازار، کراچی

[illegible]

اپنی خداداد صلاحیتوں اور ذہانت ہی کی وجہ سے زاہد انسپکٹر سے
کرنل کے عہدے تک پہنچا تھا، اس کی چھٹی حس
ہمیشہ سے بڑے سے بڑے خطروں سے بچاتی رہی
مگر اس دفعہ ایک خطرناک سزا یافتہ
مجرم اس کے تعاقب میں ہے،

آپکے پسندیدہ مصنف کی ایک اور کہانی

تیرہ سال بظاہر ایک چھوٹا سا عرصہ ہے۔ لیکن کسی کی جوانی کے تیرہ سال اگر ضائع ہو جائیں تو اس کے دل سے پوچھیے کہ تیرہ سال کی کیا قیمت ہے۔ چوبیس سال کا نوجوان جس کے دل میں نہ جانے کیسے کیسے ارمان ہوں گے۔ اگر تیرہ سال جیل میں رہ کر سینتیس سال کی عمر میں جیل سے نکلے تو اس سے پوچھیے کہ اس نے زندگی میں کیا کچھ کھو دیا۔

روپ چند عرف روپی عرف بہروپیا جیلر کے سامنے بیٹھا اپنی زندگی کا حساب لگا رہا تھا وہ سوچ رہا تھا۔ پچاس سال کے بعد زندگی میں کچھ نہیں رہتا۔ سچ تو یہ ہے کہ تیس سال کے بعد انسان ادھیڑ عمر میں پہنچ جاتا ہے۔ پھر بھی اب اس کے پاس صرف تیرہ سال ہی اور باقی ہیں۔ ان آنے والے تیرہ سالوں میں اسے بہت کچھ کرنا ہے اور اگر ہو سکے تو شادی کر کے گھر بسانا ہے۔

لیکن ان سب باتوں سے زیادہ اہم ایک اور بات تھی۔ ایک اور کام تھا جس کو پورا کئے بغیر وہ سکھ کا سانس نہیں لے سکتا تھا۔ اس کام کو مکمل کئے بنا اسے کبھی سکون نہیں مل سکتا تھا۔

اور وہ کام تھا۔۔۔ قتل۔۔۔ انتقام۔۔۔ کیپٹن زاہد کا قتل۔

کیپٹن زاہد کا قتل جس کے بارے میں اس نے سنا تھا کہ اب وہ کرنل ہو چکا ہے۔ زندگی کے بہترین تیرہ سال جیل میں گزار ہوئے ایک دن بھی وہ زاہد کو نہیں بھولا تھا۔ روز رات کو دن بھر کی مشقت کے بعد جب وہ اپنی کوٹھڑی میں لیٹتا تو کہتا:

"کیپٹن زاہد۔۔۔ کوئی بات نہیں۔ یہ تیرہ سال گزر ہی جائیں گے۔ لیکن اگر میں کسی وجہ سے جیل میں مر گیا تو یقین رکھو۔ باہر نکلتے ہی میرا پہلا کام تمہیں قتل کرنا ہوگا۔ یہ بات یقینی ہے کہ میرے آزاد ہونے کے بعد اس آسمان کے نیچے ہم دونوں میں سے ایک ہی زندہ رہ سکے گا، تم یا میں۔"

اور آج وہ تیرہ سال پورے کر چکا تھا۔ تیرہ سال تک ہر دن اپنے آپ سے کئے جانے والا وعدہ پورا کرنے کا وقت آ گیا تھا۔

روپی یہ سوچ رہا تھا اور جیلر کہہ رہا تھا:

"مسٹر روپ چند، تیرہ سال تم نے جیل میں بڑی شرافت سے گزارے ہیں اس سے مجھے امید ہے کہ اب تم دوبارہ یہاں آنے کی کوشش نہیں کرو گے۔ تم چوبیس سال کی عمر میں آئے تھے سینتیس سال کی عمر میں جا رہے ہو۔ زندگی کا بہترین حصہ تم نے جیل کی چار دیواری میں گزار دیا۔ اب بہت کم زندگی باقی رہ گئی ہے اس لئے میرے مشورے کو غور سے سننا۔ اب باقی دنوں سے زیادہ سے زیادہ سکھ حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ تم نے اگر پھر کوئی جرم کیا اور پھر یہاں آ گئے تو شاید اس بار یہاں سے تمہاری لاش ہی باہر جا سکے گی۔"

روپی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے اٹھتے ہوئے کہا:

"کیا اب میں جا سکتا ہوں۔۔؟"

"ہاں اب تم آزاد ہو۔ یہ تمہارے کپڑے اور سامان ہیں۔ اور یہ پانچ سو روپے ہیں تاکہ تم باہر جا کر چند روز آرام سے گزار سکو اور اپنے لئے کوئی کام تلاش کر سکو۔"

روپی نے اپنے تیرہ سال پرانے کپڑے اٹھائے۔ روپے کر جیب میں رکھا۔ جیلر کا شکریہ ادا کیا اور سنتری کے ساتھ چل دیا۔ باہر آ کر اس نے اپنے پرانے کپڑے پہنے جیل کا لباس وہیں چھوڑا۔ سنتری نے جیل کا دروازہ کھول دیا اور روپی باہر آ گیا۔

جیل کی اونچی اونچی دیواروں سے باہر آ کر اس نے آزادی کے دو تین گہرے گہرے سانس لئے اور محسوس کیا کہ جیل کی ہوا میں اور باہر کی ہوا میں کچھ بھی فرق نہیں تھا۔ اس کے استقبال کیلئے باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ اور ہوتا بھی کون۔ اس دنیا میں اس کا تھا بھی کون۔۔۔ شاید اگر ہوتا تو اس کو اپنی زندگی کے تیرہ قیمتی سال جیل میں نہ گزارنے پڑتے۔۔۔ شاید وہ ڈاکو نہ بنتا۔ قتل کے جرم میں سزا نہ پاتا۔ شاید وہ فلم میں بہترین اداکار ہوتا۔

اداکار اس لئے کہ روپ چند عرف روپی کی اداکاری کی تعریف خود زاہد بھی کرتا تھا۔ بلکہ ایک طرح سے روپی جرائم پیشہ حلقے میں بہروپئے کے نام سے مشہور تھا۔ اس میں یہ خداداد صلاحیت تھی، بغیر کسی استاد کے سیکھے وہ اپنے ایسے ایسے روپ بدل سکتا تھا کہ قریبی دوست بھی نہ پہچان سکیں۔ آواز بدل سکتا تھا۔ چال ڈھال بدل سکتا تھا، غرضیکہ وہ قدرتی اداکار تھا۔ اگر اتفاق سے اسے فلم یا اسٹیج پر اپنی صلاحیتیں ابھارنے کا موقع مل جاتا تو شاید وہ ملک کا سب سے عظیم اداکار ہوتا۔ لیکن چونکہ ماں باپ بچپن میں ہی مر گئے تھے، کچھ دن ایک یتیم خانے میں پرورش پائی۔ میٹرک تک پڑھائی بھی کی۔ اس کے بعد ایک دن یتیم خانے کی قید سے بھاگ نکلا۔ اور غلط صحبت میں پڑ گیا۔

بیس سال کی عمر میں اس نے پہلا ڈاکہ پٹرول پمپ پر ڈالا۔ چوبیس سال کی عمر تک آٹھ بنک لوٹے اور کبھی نہیں پکڑا گیا۔ ہر بار نیا بھیس بدل کر بنک لوٹتا تھا اور ایسی اسکیم بناتا تھا کہ سارے ملک میں بہروپئے کے نام سے مشہور ہو گیا۔ ایک طرح سے وہ شہر کے جرائم پیشہ لوگوں کا ہیرو بن گیا۔ نویں بار اس نے گورنمنٹ کے ایک خزانے کو لوٹنے کی کوشش کی۔ اس بار مقابلہ سخت رہا۔ اور روپی کو اپنی جان بچانے کے لئے ایک گارڈ کو قتل کرنا پڑا۔

اس موقع پر پولیس کی درخواست پر کیپٹن زاہد کو لایا گیا۔

کیپٹن زاہد نے دو مہینے کی انتھک کوشش کے بعد آخر روپی کو گرفتار کر لیا۔ اس کے خلاف سارے ثبوت فراہم کر لئے اور لوٹا ہوا سارا روپیہ برآمد کر لیا۔ مقدمہ چلا۔۔۔ نتیجے میں روپی کو تیس سال کی سزا ہو گئی۔ چار سال دنیا کے عیش کر کے اسے زنداں کی چار دیواری میں قید ہو جانا پڑا۔ روپی کو یہ یقین تھا کہ اگر کیپٹن زاہد اس کے پیچھے نہ پڑتا تو وہ گرفتار نہیں ہو سکتا تھا۔ روپی کا پلان یہ تھا کہ ایک ڈیڑھ کروڑ روپیہ اکٹھا ہو جائے گا تو وہ اپنا حلیہ بدل کر کسی چھوٹے قصبے یا شہر میں جا کر آباد ہو جائے گا اور پھر بسا کر باقی زندگی آرام سے گزارے گا یا روپیہ کا تبادلہ کر کے

کسی دوسرے ملک میں نکل جائے گا۔ اگر وہ سرکاری خزانہ لوٹنے میں
کامیاب ہو جاتا تو اس کا پلان مکمل ہو چکا تھا۔ لیکن قسمت نے اس
کا ساتھ نہ دیا۔ اس آخری کوشش میں نہ صرف یہ کہ اس سے قتل ہو گیا بلکہ وہ
پکڑا بھی گیا۔ لوٹ کا سارا مال بھی نکل گیا۔

اور اب وہ زندگی کے تیرہ بہترین سال جیل کی نذر کر کے باہر
نکلا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے مستقبل کو تباہ کرنے کا ذمہ دار کیپٹن زاہد
ہے۔ اس لئے زاہد کے لئے اس کے دل میں نفرت کی آگ ایک
ایسی دوزخ بن چکی تھی جو اسے اندر ہی اندر جلا رہی تھی۔ اس آگ
کو اب زاہد کا خون ہی بجھا سکتا تھا اور اس نے قسم کھائی تھی کہ باہر
نکل کر وہ سب سے پہلا کام زاہد کو قتل کرنے کا کرے گا۔

زمانہ کی یادداشت بہت کمزور ہوتی ہے تیرہ سال میں روپی
عرف ہیرو پیٹے کو سب بھول چکے تھے اس کے اپنے ساتھیوں میں سے
بہت سے مر چکے تھے۔ بہت سے ملک کی مختلف جیلوں میں تھے۔
اس لئے جیل سے نکل کر اس نے خود کو بالکل اکیلا محسوس کیا۔

اس کی جیب میں صرف پانچ سو روپے تھے۔ زاہد کو قتل
کرنے کا پلان بنانے کے لئے اس کو پیسے کی ضرورت تھی اس لئے
پہلے کہیں سے کچھ روپیہ حاصل کرنا ضروری تھا، سوال یہ تھا کہ وہ روپیہ
کہاں سے حاصل کرے۔ اسے دوسرا ڈر یہ تھا کہ اخبارات اس کی رہائی کی
خبر نہ چھاپ دیں۔ اس صورت میں اسے یقین تھا کہ زاہد بھی ہوشیار
ہو جائے گا۔ اور پورے ملک کی پولیس بھی چوکنی ہو جائے گی۔

اپنے پرانے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے گھٹیا سگریٹ
لگائے وہ سوچتا ہوا ایک سمت کو چلا جا رہا تھا۔ اسے اس بات کی
فکر نہیں تھی کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ ہر سڑک شہر کے
کسی حصہ میں لے جائے گی۔ اسے آزادی کی اتنی خوشی نہیں تھی،
جتنی یہ فکر تھی کہ وہ چند روز میں اتنا روپیہ کیسے حاصل کرے کہ کیپٹن
زاہد کو قتل کرنے کا پلان بنا سکے۔ وہ جانتا تھا کہ زاہد کو قتل کرنا
آسان کام نہیں۔ اس کے لئے دماغ لڑانا پڑے گا۔ اپنی اداکاری
کی تمام صلاحیتیں صرف کرنی پڑیں گی اور روپیہ بھی صرف کرنا ہو گا۔

وہ اپنے خیالات میں گم چلا جا رہا تھا کہ ایک کار اس کے بالکل
پاس آ کر رک گئی۔ اس نے چونک کر کار کی جانب دیکھا۔

چھوٹی سی فیئٹ کار میں ڈرائیور کی جگہ ایک عورت بیٹھی تھی
عورت خوبصورت تھی اور لباس سے پتہ چلتا تھا کہ اچھے کھاتے
پیتے گھرانے کی ہے۔

وہ ایک نظر عورت پر ڈال کر آگے بڑھنے لگا تھا کہ عورت
کی آواز نے اس کے قدم روک لئے۔

"روپ چند۔ روپی۔"

روپی کے دل نے ایک دھچکا کھایا۔ اسے حیرت ہوئی کہ
وہ عورت اسے جانتی تھی۔ اس نے رک کر دوبارہ عورت کو دیکھا۔

اس بار اسے عورت کے نقوش کچھ مانوس محسوس ہوئے۔
عورت کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ ہو گی مگر وہ خود کو سنبھال کر
رکھنا جانتی تھی۔ اس لئے پچیس سے زیادہ کی نہیں لگ رہی تھی۔ جبکہ
اس کی کنپٹیوں کے بال سفید ہونے لگے تھے۔

وہ حیرت سے عورت کو دیکھ ہی رہا تھا کہ عورت نے اپنے
برابر والی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"اندر آ جاؤ۔ روپی۔ مجھے حیرت نہیں کہ تم مجھے بھول گئے
مگر میں تمہیں نہیں بھولی ہوں۔"

روپی نے عورت کو پہچاننے کی کوشش کی اور یاد کرنا چاہا کہ
وہ کہاں اور کب مل چکے ہیں لیکن کچھ یاد نہ آیا۔ عورت دروازہ کھولے
جھکی ہوئی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ آخر روپی نے ایک گہرا سانس
لیا اور کار میں بیٹھ گیا۔

٭ ٭ ٭

کار چل پڑی تو عورت نے مسکرا کر کہا۔

"اگر تم مجھے پہچان کر میرا نام بتا دو تو تمہیں انعام ملے گا۔
روپی ڈیئر۔"

"روپی ڈیئر!" روپی نے سوچا۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ مجھے اچھی طرح جانتی ہے، ہم کبھی
بے تکلف رہ چکے ہیں۔"

اس نے عورت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ اتفاق ہے کہ تم نے مجھے یہاں دیکھ لیا۔"

عورت نے مسکرا کر جواب دیا۔

"یہ اتفاق کیسے ہو سکتا ہے ڈارلنگ! یہاں دہلی میں میرا
کیا کام اور خاص طور پر جیل کے سامنے مجھے پتہ تھا کہ آج تم رہا
ہونے والے ہو، اس لئے میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔"

چہرہ مانوس تھا، آواز جانی پہچانی لگتی تھی۔ اور اس کا یہ جملہ
"یہاں دہلی میں میرا کیا کام" بتا رہا تھا کہ وہ یہاں کی رہنے
والی نہیں۔ پھر وہ کون تھی۔ کہاں کی رہنے والی تھی۔ کب ملی تھی۔ کیسے
ملی تھی۔ سینکڑوں سوال اس کے ذہن میں کلبلانے لگے۔

ایک بار پھر اس کی یادداشت میں دھماکہ ہوا اور ایک نام
اس کے ذہن میں ابھرا۔

"کم۔ کمو۔ کندنی۔"

کندنی نام کی ایک لڑکی سے وہ سترہ سال پہلے ملا تھا۔ جسے
اس کی سہیلیاں کمو کہہ کر بلاتی تھیں اور روپی نے اس کا نام "کم"
رکھا تھا۔

کمو کی عمر اس وقت مشکل سے سترہ اٹھارہ سال ہو گی۔ وہ

خوبصورت تھی اور مستقبل کے سنہرے خواب دیکھنے کی عادی تھی۔ وہ فلمی ہیروئن بننے کے شوق میں لکھنؤ سے بھاگ کر بمبئی آئی تھی۔ ان دنوں روپی اپنے دوسرے ڈاکے کے پلان بنا رہا تھا۔ جس میں اسے ایک خوبصورت لڑکی کی ضرورت تھی۔ کمو کو بمبئی آئے ایک سال ہو چکا تھا اور فلمی ہیروئن بننے کے شوق میں فلم انڈسٹری کے بہت سے ہاتھوں اور بہت سے مرحلوں سے گزر کر ایکسٹرا گرلز کی منزل تک پہنچ چکی تھی۔ ایک طرح سے اس کو زندگی گزارنے کے لئے اپنے جسم کی تجارت کرنی پڑتی تھی۔

انہیں دنوں اس کی ملاقات روپی سے ہو گئی۔ وہ صرف دس دن ساتھ رہے تھے۔ میاں بیوی کی حیثیت سے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرے تھے اور وہیں رہ کر روپی نے اپنا پلان مکمل کر کے بنک لوٹا تھا۔ اس لوٹ میں توقع کے خلاف صرف تین لاکھ روپیہ ملا تھا۔ معاہدے کے مطابق روپی پچاس ہزار روپیہ کمو کو دے کر کلکتہ چلا گیا تھا اس کے بعد وہ پھر کبھی نہ ملے تھے۔

لیکن وہ دس دن جس طرح گزرے تھے ان کی یاد روپی کو برسوں ستاتی رہی تھی۔ کمو خوبصورت لڑکی تھی اور جذبات سے بھرپور تھی۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس وقت کمو نے سنجیدگی سے یہ چاہا تھا کہ روپی اس سے شادی کر لے۔ وہ اس کے ساتھ رہ کر ہر جرم کرنے کو تیار تھی۔ لیکن ان دنوں روپی کے پاس روپے پیسے کی کمی نہیں تھی اور لڑکیوں کی بھی کمی نہیں تھی۔ اس کی زندگی میں بہت سی لڑکیاں آئی تھیں لیکن جس خاص انداز سے کمو اس کو پیار کرتی تھی کسی لڑکی نے اسے اس طرح پیار نہیں کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس وقت کمو کے پیار کرتے ہی اس کو پندرہ سولہ سال پہلے کی کمو یاد آ گئی۔

روپی نے دونوں ہاتھوں میں تھاما ہوا کمو کا چہرہ ایک جھٹکے سے اپنے چہرے سے دور ہٹایا۔ اس وقت روپی کی آنکھوں میں تیز چمک تھی۔ اس نے کمو کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"میں نے پہچان لیا، تم کمو ہو۔ کمو۔"

"گڈ بوائے" کمو نے کہا۔

روپی نے رومال سے ہونٹ صاف کر کے سر گھما کر دیکھا۔ پچھلی سیٹ پر ایک اٹیچی رکھی ہوئی تھی۔ وہ اتر کر پیچھے بیٹھ گیا۔ کمو نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ روپی نے اٹیچی کھول کر دیکھی۔ سب سے اوپر وہسکی کی ایک بوتل رکھی تھی۔ تیرہ برس سے اس نے شراب منہ کو نہیں لگائی تھی بوتل دیکھ کر اس کا جی خوش ہو گیا۔ پھر اس کے ساتھ ہی ایک لفافہ رکھا تھا اور اس نے لفافہ کھول کر دیکھا تو اندر پلاسٹک کے لفافے میں سینڈوچز اور ہیمبرگر وغیرہ تھے۔ لفافے کے نیچے دو مردانہ قمیضیں، دو سوٹ، ٹائیاں، موزے اور بنیان تھے۔

روپی نے اپنی حیرت کو دباتے ہوئے کہا:

"کیا یہ سب میرے لئے ہیں۔؟"

کمو نے شیشے میں اس سے نظریں ملاتے ہوئے کہا،

"اور کس کے لئے ہو سکتے ہیں۔ میں بمبئی سے چل کر یہاں تک صرف تمہارے لئے آئی ہوں۔ میں جانتی تھی کہ جیل سے نکلتے ہی تمہیں کپڑوں کی ضرورت ہوگی اور تم نے جیل میں وہسکی بھی نہ پی ہوگی۔"

"لیکن کمو ہم تقریباً سولہ سال بعد مل رہے ہیں، صرف ایک بار ملنے کے بعد ہم کبھی نہیں ملے پھر تمہیں یہ کیسے پتہ چلا کہ میں کب چھوٹنے والا ہوں۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ تم نے میرے لئے یہ سب کچھ کیوں کیا۔؟"

"ابھی اتنے سارے سوالات پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ ہر بات کا ایک مقصد ہوتا ہے، ہر آدمی دوسرے آدمی کے لئے اگر کچھ کرتا ہے تو اس کی کچھ غرض ہوتی ہے۔ اس لئے ڈیئر ابھی ان باتوں کے بارے میں نہ سوچو۔ کچھ عرصہ کے لئے سولہ سال پہلے کے زمانے میں چلے جاؤ۔ جب ہم میاں بیوی کی حیثیت سے ہوٹل الکا میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ تمہارے یہ کپڑے اچھے نہیں ہیں۔ اندازے سے ریڈی میڈ کپڑے لائی ہوں، تم کپڑے بدل لو تاکہ شریف آدمی لگو۔ پھر ہم تمہارے آزاد ہونے کی خوشی میں جشن منائیں گے۔ آج کی رات جشن کی رات ہے، بزنس کی بات کل کریں گے۔"

بات معقول تھی۔ روپی سب کچھ بھول کر کمو کی ہدایت کے مطابق کپڑے بدلنے لگا۔ کپڑے تقریباً فٹ تھے۔ نئے کپڑے پہن کر اس نے خود کو بدلا ہوا پایا۔ شیشہ میں خود کو دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا

"اب ہم کہاں چل رہے ہیں۔؟"

"ہمارے سامنے دو راستے ہیں۔ میرے پاس دو گلاس ہیں، تھرموس میں برف کا ٹھنڈا پانی ہے۔ یا تو ہم بوتل کھولتے ہیں اور اسی طرح گاڑی میں گھومتے ہیں یا پھر ہوٹل میں چلتے ہیں۔ پاس ہی ایک اچھا سا ہوٹل ہے، جس میں میں نے مسٹر اور مسز روپ چند کے نام سے ایک ڈبل بیڈ بک کرا رکھا ہے کمرے میں بیٹھ کر آرام سے پئیں گے اور عیش کریں گے۔ اب جیسا تم چاہو۔"

روپی نے سوچ کر کہا،

"اگرچہ تیرہ سال بعد جیل میں بند رہ کر میں گھومنا پسند کرتا مگر اب تم مل گئی ہو تو میں کسی کمرے میں بیٹھ کر تمہارے ساتھ وقت گزارنا پسند کروں گا۔"

"بس تو ہم ہوٹل چلتے ہیں۔"

"تم دہلی کب آئیں۔؟"

"کل شام۔"

"کم از کم یہ تو بتا دو کہ تمہیں میری رہائی کی تاریخ کا کیسے پتہ چلا؟"

"یہ کچھ مشکل نہیں تھا۔ جب تمہیں سزا ہوئی تھی تو ملک کے

تمام اخباروں نے تمہارے بارے میں خبریں چھاپی تھیں۔ اتفاق سے
ابھی دو مہینے پہلے اچانک مجھے تمہارا خیال آیا۔ میں نے حساب لگایا
تو تمہیں جیل میں تیرہ سال ہو چکے تھے۔ میں نے سوچا اگر جیل میں تم
نے کوئی جرم نہیں کیا ہوگا تو نیک چلنی میں تمہاری کچھ سزا کچھ کم ہو گئی
ہوگی۔ یہ سوچ کر میں نے دہلی کے جیلر سے فون پر بات کی۔ اس سے
پتہ چلا کہ دو مہینے بعد تم چھوٹنے والے ہو۔ اسی نے مجھے تمہاری رہائی
کی تاریخ بھی بتا دی۔"

روپی بے وقوف نہیں تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ کوئی بہت اہم
بات ہے۔ جو کمو اس کو لینے یہاں تک آئی ہے۔ اسے یہ قطعی امید
نہیں تھی کہ جیل سے نکلتے ہی اس کا اس طرح استقبال کیا جائے گا
وقتی طور پر اس نے بھی سب باتوں کو ذہن سے نکال دیا اور بولا۔
"او کے ڈارلنگ ہوٹل چلو۔ تم ٹھیک کہتی ہو آج جشن منانے
کا دن ہے۔ بزنس کی بات کل ہوگی۔"

دس منٹ بعد کمو نے ایک خوبصورت ہوٹل کے سامنے جا کر
گاڑی روک دی۔

***

وہ رات واقعی جشن کی رات تھی۔ رات بھر دونوں پیتے رہے
صبح کو بارہ بجے تک سوتے رہے۔ ساڑھے بارہ
بجے پہلے کمو کی آنکھ کھلی۔ اٹھ کر اس نے غسل وغیرہ کیا۔ پھر روپی کو
اٹھا کر ناشتہ کا آرڈر دیا۔ کچھ دیر بعد جب دونوں ناشتہ کر رہے
تھے تو روپی نے کہا:

"آل رائٹ کمو، اب مجھے بتاؤ تم کیوں میرا انتظار کر رہی تھیں؟"

کمو نے مسکرا کر کہا:

"روپی ڈارلنگ تم سے ملاقات کے بعد بہت سے مرد میری
زندگی میں آئے، لیکن تم جیسا شخص مجھے نہیں ملا..."

روپی نے اس کی بات کاٹ کر کہا:

"یہ تمہید چھوڑو۔ اگر تم یہ ثابت کرنا چاہتی ہو کہ تمہیں مجھ سے
عشق ہو گیا ہے اس لئے میرا جیل کے باہر انتظار کر رہی تھیں۔ تو
میں اتنا بیوقوف نہیں۔"

"نہیں۔" کمو نے کہا،

"میں عشق کا دعویٰ نہیں کرنا چاہتی ہوں لیکن مرد اور
عورت کے تعلقات میں پسند کا بھی ایک مقام ہوتا ہے اور پسند
سے جذبات کا۔ اس کا تجربہ رات تمہیں ہو چکا ہوگا۔ یہ سچ ہے کہ
مجھے تم سے عشق نہیں، لیکن تم میں کچھ صلاحیتیں ایسی ہیں کہ ہم دونوں
مل کر بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ زمانے نے مجھے بھی بہت کچھ سکھا دیا ہے
اور میں بھی اب سولہ سال پہلے والی نادان لڑکی نہیں ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے تمہارے پاس کوئی بزنس اسکیم ہے۔
جس کے لئے تم مجھے اپنا پارٹنر بنانا چاہتی ہو۔"

"ہاں بزنس اسکیم ہے جس سے کم از کم دس لاکھ روپیہ ملنے کی امید
ہے۔"

"دس لاکھ!" روپی نے حیرت سے کہا۔

"ہاں کم سے کم دس لاکھ۔ اس سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے اور
خطرہ بہت کم ہے۔"

روپی نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا،

"مجھے تفصیل سے بتاؤ۔"

کمو نے اپنے لئے چائے کا دوسرا کپ بناتے ہوئے کہا:

"بمبئی میں ایک شخص ہے ساٹھے۔ وہ نریمان پوائنٹ پر
"نروانا" نام کی ایک بلڈنگ میں رہتا ہے۔ بلڈنگ بائیس منزلہ ہے۔
بارہویں منزل پر ساٹھے کا دفتر یا کلب ہے۔ کلب میں چھ کمرے ہیں
چھ کمروں میں سے دو کمروں میں ایمانداری کا بزنس ہوتا ہے باقی
چار کمروں میں جوا ہوتا ہے۔ معمولی سے اندازے کے مطابق ہر رات
وہاں تین چار لاکھ کی ہار جیت ہوتی ہے۔ ساٹھے خود جوا نہیں کھیلتا
لیکن جیت کے ہر داؤ میں سے اپنا کمیشن لیتا ہے جسے جواریوں کی
زبان میں نال نکالنا کہا جاتا ہے، یعنی ہر رات وہ کم از کم تیس چالیس
ہزار صرف نال میں بنا لیتا ہے۔ یہ روپیہ وہ بینک میں جمع نہیں کرتا۔
وہیں اس کے دفتر میں سیف ہے جس میں روپیہ رہتا ہے۔ ایک
بار میں اس کمرے میں تھی جب اس نے سیف کھولی۔ سیف نوٹوں سے
بھری ہوئی تھی، کم از کم دس بارہ لاکھ روپیہ ضرور ہوگا۔"

روپی نے سوچتے ہوئے کہا:

"اگر ساٹھے اتنا روپیہ سیف میں رکھتا ہے تو وہ اتنا بے وقوف
نہیں ہوگا کہ اس کی حفاظت کا بندوبست نہ رکھتا ہوگا۔"

"کلب میں بیروں اور دوسرے نوکروں کے علاوہ جوا کھلانے
والے ہر کمرے میں ایک بدمعاش رہتا ہے جو چھٹے ہوئے بدمعاشوں
کو سنبھال سکتا ہے۔ ایک بات ضرور ہے ساٹھے جوئے میں بے ایمانی
نہیں کرتا، اس کے آدمی خاص طور پر نظر رکھتے ہیں۔ اگر یہ شک ہو
جاتا ہے کہ کوئی کھلاڑی شارپر یعنی دھوکے باز ہے تو اس کے آدمی
اس کو اٹھا کر باہر پھینک دیتے ہیں اور وہ پھر کبھی ساٹھے کے کلب
میں داخل نہیں ہو سکتا۔"

"کیا پولیس کو معلوم نہیں کہ وہاں جوا ہوتا ہے؟"

"پولیس کو معلوم ہے لیکن علاقہ کے تمام افسروں کو حصہ پہنچتا ہے
کوئی نیا اور ایماندار پولیس افسر آ جاتا ہے تو کچھ دنوں کے لئے کاروبار
بند کر دیا جاتا ہے، پھر کسی نہ کسی طرح یا تو اس کا تبادلہ کرا دیا جاتا ہے یا
پھر وہ کسی ایکسیڈنٹ میں مر جاتا ہے۔"

"اگر وہ اتنا ہی چالاک ہے اور اس کے پاس وفادار آدمی ہیں
تو تمہارے خیال میں بغیر کسی خطرے کے یہ روپیہ کیسے حاصل کیا جا

سکتا ہے۔"

"خطرہ کچھ زیادہ نہیں۔ تم دو تین دن وہاں جاکر جوا کھیل سکتے ہو، صورت حال کو سمجھ سکتے ہو۔ پھر کسی دن بھی کسی بہانے سے ساٹھے سے اس کے دفتر کے کمرے میں مل سکتے ہو۔ کمرے میں تم دونوں اکیلے ہوگے اور تمہارے پاس ریوالور ہوگا تو تم آسانی سے وہ روپیہ سیف سے نکال سکتے ہو۔ میں باہر دروازے پر ہوں گی اور کسی کو اندر نہیں آنے دوں گی۔ ایک بار روپیہ قبضہ میں آگیا تو وہاں سے بھاگ نکلنا زیادہ مشکل نہ ہوگا۔ نیچے ہماری کار تیار کھڑی ہوگی ہوائی جہاز میں دو ٹکٹیں ریزرو ہوں گی۔ کار میں اٹاچی ہوگی۔ راستے میں تم روپیہ اٹاچی میں بھر لینا۔ اس کے بعد ہم دونوں یہ شہر چھوڑ کر دوسرے کسی شہر میں چلے جائیں گے۔ وہاں ہم نوٹ آپس میں تقسیم کر لیں گے اس کے بعد تم چاہو تو ہم دونوں الگ ہو جائیں گے اور تم چاہو تو ہم دونوں ساتھ رہ سکتے ہیں مجھے تم سچ مچ پسند ہو روبی۔"

"ساٹھے تمہیں جانتا ہے۔" روبی نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"تو وہ پولیس میں اطلاع کر سکتا ہے۔"

"پولیس میں وہ کیا کہے گا۔ کیا وہ یہ تسلیم کرے گا کہ اس کے سیف میں دس لاکھ روپیہ تھا جو اس نے جوا کھلا کر کمایا تھا۔ جس کا انکم ٹیکس بھی نہیں دیا۔"

"پھر بھی یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں کمو جتنا تم سمجھ رہی ہو۔"

کمو نے ہنس کر کہا:

"اگر آسان ہوتا تو مجھے تمہاری تلاش نہ ہوتی۔ میں جانتی ہوں تم ذہین ہو اپنے زمانے میں تم ہیرو رہ چکے ہو۔ اکیرڈ کا لقب پا چکے ہو۔ اس لیے تم ذرا سی کوشش کرو گے تو کچھ مشکل نہ ہوگا۔ میں جانتی ہوں تم کیا کر سکتے ہو۔؟"

"او کے تم مجھے سوچنے کا وقت دو۔ کیا وہسکی باقی ہے؟"

"نہیں۔"

"تو لے کر آؤ۔"

"میں ابھی منگاتی ہوں۔ بیرا ابھی لا دے گا۔"

یہ کہہ کر اس نے بیرے کو بلانے کے لئے گھنٹی بجائی۔

"ایک بات اور اگر میں کوئی اسکیم سوچ بھی لوں تو میں تیاریوں کے لئے کچھ روپے کی ضرورت ہوگی۔"

"کم از کم کتنے روپے کی۔؟"

"ہو سکتا ہے کہ پچیس تیس ہزار کی ضرورت پڑے۔"

"میرے پاس تیس ہزار روپے ہے جو میں لگانے کو تیار ہوں لیکن میں آدھے کی حصہ دار ہوں گی خرچ نکال کر۔"

روبی نے نچلا ہونٹ چباتے ہوئے کہا:

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمیں کسی تیسرے آدمی کو شامل کرنا پڑے۔"

"تین حصہ دار ہوں گے تو ہمیں کیا ملے گا؟"

"اس کو ہم کم کا حصہ دار بنا سکتے ہیں۔ یعنی بیس فیصد کا۔"

"تم سوچ لو۔ اگر واقعی تیسرے آدمی کا ہونا ضروری ہے تو مجبوری ہوگی۔ لیکن بھروسے کا آدمی کہاں سے لاؤ گے۔؟"

"اس کی تم فکر نہ کرو۔ جیل میں ایک لڑکا میرے ساتھ رہ چکا ہے اس کو تلاش کرنا پڑے گا۔ وہ کام کا لڑکا تھا۔ میں اس پر بھروسہ کر سکتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے جیسے تم چاہو کرو۔"

اسی وقت بیرا اندر آیا۔ کمو نے پرس سے کچھ نوٹ نکال کر اس کو دیتے ہوئے کہا:

"وہسکی کی دو بوتلیں لا دو۔ باقی تم رکھ لینا۔"

بیرا روپے لے کر چلا گیا۔ کمو اٹھ کر باتھ روم کی طرف چلی گئی۔

⁂

بیتج یہ ہے کہ روبی کو کمو کی اسکیم بالکل پسند نہیں آئی تھی۔ اس میں خطرہ زیادہ تھا۔ پھر دوسرے اس کے سامنے پہلا کام زاہد کو قتل کرنا تھا۔ اس نے اپنے آپ سے وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ جیل سے چھوٹتے ہی پہلے زاہد کو قتل کرے گا اس کے بعد کوئی دوسرا کام کرے گا۔ لیکن اس کے پاس صرف پانچ سو روپے تھے۔ زاہد کو قتل کرنے کی

پر دس پندرہ ہزار بھی خرچ ہو سکتا تھا۔

جب کمو اُسے اپنی اسکیم بتا رہی تھی تو وہ آدھے ذہن سے اس کی باتیں سن رہا تھا اس کا آدھا ذہن زاہد کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ پھر جب کمو نے کہا کہ اس کے پاس تیس ہزار روپیہ ہے تو فوراً روپی کے ذہن میں آیا۔

کمو کا دس پندرہ ہزار روپیہ میں اپنی اسکیم پر لگا سکتا ہوں۔ ایک بار زاہد ختم ہو جائے تو پھر کمو کی اسکیم کے بارے میں بھی سوچ سکتا ہوں ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسی صورت نکل آئے کہ وہ روپیہ حاصل ہو جائے۔

یہ سوچ کر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ کمو کو تسلی دیتا رہے گا۔ پہلے زاہد کو قتل کرنے کی اسکیم بنائے گا۔ پھر ساٹھے کے کلب میں ڈاکہ ڈالنے کا پروگرام بنائے گا۔

کمو باتھ روم سے باہر آئی تو روپی نے اُٹھتے ہوئے کہا:

"میں ابھی آتا ہوں۔"

"کہاں جا رہے ہو۔۔؟"

"جیل سے نکل کر ہم اس کمرے میں قید ہو گئے ہیں۔ آدھے گھنٹے کے لئے میں سڑکوں پر گھومنا چاہتا ہوں۔ فکر مت کرو میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ ابھی آ جاؤں گا۔"

"او کے، مگر جلدی آنا۔ وسکی آنے والی ہے۔"

روپی نے سر ہلایا اور باہر نکل گیا۔

* * *

ایک ریسٹوران میں جا کر روپی نے کافی منگائی اور ساتھ ہی بیرے کو ٹیلیفون ڈائریکٹری لانے کو کہا۔ بیرا دونوں چیزیں لے آیا۔ کافی پیتے ہوئے اس نے زاہد کا فون نمبر دیکھا۔ یہ اسے پہلے سے پتہ تھا کہ تیرہ سال پہلے کا کیپٹن زاہد اب کرنل بن چکا تھا۔ ایک کاغذ پر اُس نے زاہد کی کوٹھی اور دفتر کے نمبر نوٹ کئے۔ کافی ختم کر کے بل ادا کیا۔ اور اُٹھ کر چل دیا۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد اسے ایک پبلک فون مل گیا۔ وہاں سے اس نے پہلے زاہد کی کوٹھی پر فون کیا۔ گھنٹی بجتی رہی مگر کوئی جواب نہ ملا۔ دو چار منٹ انتظار کے بعد اس نے دفتر فون کیا تو جواب ملا تو اس نے کہا:

"میں کرنل زاہد سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ تو یہاں نہیں ہیں۔ کون صاحب بول رہے ہیں۔۔؟"

زاہد کے دفتر کی فون آپریٹر نے پوچھا۔

"میرا نام ریاض احمد ہے۔ میں حیدر آباد سے آیا ہوں۔ ان کا رشتے کا بھائی ہوں۔ میں نے سوچا کہ آیا ہوں تو ان سے بھی ملتا چلوں۔ کوٹھی پر فون کیا تھا وہاں سے بھی جواب نہیں مل رہا ہے۔"

"وجہ اس کی یہ ہے کہ کرنل زاہد آجکل دہلی میں نہیں ہیں۔"

"دہلی میں نہیں ہیں۔" اس نے حیرت سے کہا۔

"جی نہیں، ایک ہفتہ ہوا وہ بمبئی گئے ہیں۔"

"کتنے دن کے لئے؟ کب آئیں گے۔۔؟"

"ان کی ایک مہینے کی چھٹیاں تھیں۔ چھٹیاں گزارنے گئے ہیں۔"

روپی نے سوچ کر کہا:

"اتفاق کی بات ہے کہ میں بھی یہاں سے بمبئی جانے والا ہوں کیا آپ مجھے ان کا پتہ بتا سکتی ہیں۔۔؟"

"بمبئی میں وہ ہوٹل ہاک بانا میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

"او کے تھینکیو۔" یہ کہہ کر روپی نے فون بند کر دیا۔ اور ٹہلتا ہوا واپس چل دیا۔

روپی کو یہ جان کر خوشی ہوئی تھی کہ زاہد بمبئی میں ہے۔ خوشی کی دو وجہیں تھیں۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ زاہد اپنے شہر میں نہیں تھا۔ اس لئے دہلی کے مقابلہ میں وہ بمبئی میں زاہد پر حملہ کا پروگرام آسانی سے بنا سکتا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ جانتا تھا کہ آج کل میں ہی کمو اس کو بمبئی لے چلنے کی ضد کرے گی۔ اگر زاہد دہلی میں ہوتا تو وہ اس کو قتل کئے بغیر نہیں جا سکتا تھا۔ اب وہ کمو کے دل میں کوئی شک پیدا کئے بغیر بمبئی جا سکتا تھا۔

یہی سوچتا ہوا وہ واپس آیا۔ شراب کی بوتلیں آ چکی تھیں۔ اس نے بوتل کھولی اور دو گلاسوں میں شراب اُنڈیلتا ہوا بولا۔

"اس کا مطلب ہے ہمیں فوراً بمبئی کے لئے روانہ ہو جانا چاہیئے۔"

کمو نے خوش ہو کر کہا:

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تم ساٹھے کے کلب میں ڈاکہ ڈالو گے۔"

"ہاں۔ میں اس بارے میں سوچ رہا ہوں۔ میرا خیال ہے ہمیں تیسرے آدمی کو ساتھ لانا ہی ہو گا۔"

"اگر تم مناسب سمجھتے ہو تو مجھے اعتراض نہیں۔ وہ آدمی کہاں ہے جو تمہیں جیل میں ملا تھا۔"

"وہ دہلی میں ہی کسی جگہ ہے۔ میں آج اسے تلاش کر لوں گا۔ اگر وہ مجھے مل گیا تو کل ہی ہم بمبئی کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔"

"وری گڈ۔ مجھے خوشی ہے روپی ڈارلنگ کہ میری اسکیم تمہیں پسند آ گئی ہے۔"

روپی نے فکر مندی کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن بمبئی پہنچتے ہی مجھے کچھ روپے کی ضرورت ہو گی۔۔ میں

دو چار دن کلب جاکر جوا کھیلنا چاہوں گا تاکہ وہاں کا ماحول اور راستوں کو دیکھ کر کوئی اسکیم بنا سکوں۔"

"تمہیں فوری طور پر کتنے روپے کی ضرورت پڑے گی؟"

"کم از کم دس بارہ ہزار کی۔ سوری ڈارلنگ تم جانتی ہو میں ابھی جیل سے نکلا ہوں میرے پاس صرف پانچ سو روپے ہیں۔"

"روپے کی تم فکر نہ کرو۔" کمو نے کہا:

"بمبئی پہنچتے ہی میں تمہیں پندرہ ہزار دے دوں گی۔"

"بس تو ٹھیک ہے۔ کل کا جشن میرے رہا ہونے کے سلسلے میں تھا۔ آج کا جشن ہماری دوستی اور اگلے پروگرام کی خوشی میں ہوگا۔"

ایک بار پھر دونوں جشن منانے میں مصروف ہوگئے۔

* * *

جب سے بمبئی آیا تھا، زاہد پُرسکون زندگی گزار رہا تھا۔ اپنی ذمہ داریوں کو اس نے ذہن سے بالکل جھٹک دیا تھا۔ سیما اس کے ساتھ تھی۔ لیکن دونوں الگ الگ ہوٹلوں میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ جاوید کے ایک چچا کے ماموں کے تایا کے پوتے کی شادی نکل آئی تھی اور اسے مجبوراً جے پور جانا پڑ گیا تھا جاوید رشتوں کا بہت خیال رکھتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ جتنا دور کا رشتہ ہوتا ہے اتنا ہی نازک ہوتا ہے۔

بمبئی میں سیما اور زاہد روز کہیں نہ کہیں پکنک پہ جاتے تھے شام کسی نائٹ کلب میں گذارتے تھے۔ ایک طرح دونوں کھلنڈرے نوجوانوں کی طرح زندگی گزار رہے تھے۔ یا ایسا لگتا تھا جیسے دونوں میں تازہ تازہ عشق ہوا ہو۔ غرض یہ کہ دونوں خوش تھے۔ ذہن پہ کوئی بوجھ نہیں تھا۔

اسی خاص دن شام کو پانچ بجے وہ دونوں "ایلی فنٹا کیوز" میں پکنک منا کر آتے تھے۔ زاہد کے ایک دوست نے بیوک کار اس کو دے دی تھی۔ کار سے اس نے سیما کو اس کے ہوٹل چھوڑا جس کا نام ہوٹل "کاسا بلانکا" تھا۔ گاڑی روک کر زاہد نے پوچھا۔

"آج شام کہاں چلنا پسند کرو گی؟"

"جہاں چاہے لے چلیے۔ ہم تو حکم کے غلام ہیں۔" سیما نے مسکرا کر کہا۔

"غلط۔ تم حکم کی غلام نہیں ہو سکتیں حکم کی بیگم ہو سکتی ہو۔ کوئین آف اسپیڈ۔"

"میرا خیال ہے نیلوفر کلب ہی ٹھیک رہے گا۔ مجھے وہ جگہ بہت پسند ہے۔"

"بس تو ٹھیک ہے۔ اب جا کر کچھ دیر آرام کر لو۔ ٹھیک آٹھ بجے میں آجاؤں گا۔"

"اچھی بات ہے میں آٹھ بجے تیار رہوں گی۔ بلکہ یہیں گیٹ پہ انتظار کروں گی۔"

"ویٹ از مائی گرل۔" زاہد نے خالص امریکی لہجہ میں کہا۔ اس پر دونوں ہنس پڑے۔

* * *

ٹھیک آٹھ بجے زاہد نے کار ہوٹل کاسا بلانکا کے پورٹیکو میں روکی۔ تو دیکھا سیما کار میں اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

آدھے گھنٹے بعد زاہد نے کار نیلوفر کلب کے سامنے روک کر کہا۔

"تم اترو۔ میں کار پارک میں کھڑی کر کے آتا ہوں۔"

سیما اتر گئی۔ زاہد کار پارک میں لے گیا۔ پارک کے نگہبان نے اس کو ایک ٹکٹ دیا۔ دوسرا ٹکٹ کار کے وائپر میں پھنسا دیا۔ زاہد واپس آیا اور سیما کو لے کر کلب میں چلا گیا۔

اندر کلب میں زندگی اپنے شباب پر تھی۔ آرکسٹرا بج رہا تھا، اور نوجوان جوڑے ڈانس کر رہے تھے۔ سیما اور زاہد نے بھی تین چار ڈانس کیے۔ اس کے بعد کھانا منگوایا۔ کھانا وغیرہ کھا کر وہ کافی پی رہے تھے کہ اچانک جگہ سے دھماکے کی سی آواز آئی پھر اس نے دیکھا کہ کچھ آدمی اٹھ کر باہر بھاگے۔ کلب کا منیجر بھی گیا۔ وہ ایک بار دروازہ کھلا تو زاہد نے دیکھا کار پارک کے سامنے لوگ جمع ہو رہے تھے۔

"پتہ نہیں کیا ہوا؟" سیما بولی۔

"میں دیکھ کر آتا ہوں۔" زاہد نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں بھی چلتی ہوں۔" سیما بھی اٹھ کر اس کے ساتھ چل دی۔

دونوں باہر آئے تو دیکھا کافی لوگ اکٹھے ہو چکے تھے۔ اور پولیس کی ایک جیپ بھی پہنچ چکی تھی۔

"کیا ہوا؟" اس نے ایک آدمی سے پوچھا۔

"ایک کار میں بم پھٹا ہے۔"

زاہد نے ذرا سا آگے بڑھ کر دیکھا۔ اور اس کا سانس رک کر رہ گیا۔ بم خود اس کی کار میں پھٹا تھا۔ بیوک کا اگلا حصہ بم سے ادھڑ کر ادھر ادھر بکھرا پڑا تھا۔

* * *

سیما نے زاہد کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر خوفزدہ آواز میں کہا۔

"زاہد صاحب یہ تو ہماری کار ہے۔"

"ہاں میں دیکھتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا۔ پارک میں داخل ہونے والے دروازہ پہ

ایک سپاہی کھڑا ہو گیا تھا۔ گاڑی کے پاس ایک پولیس انسپکٹر، کار پارک کا نگہبان اور دو آدمی کھڑے تھے۔ زاہد اندر داخل ہونے لگا۔ تو سپاہی نے اس کو روکا۔

"آپ اندر نہیں جا سکتے۔"

"وہ میری کار ہے۔" زاہد نے بلند آواز میں کہا۔

اس کی آواز سن کر انسپکٹر نے پلٹ کر پوچھا۔

"کیا یہ آپ کی کار ہے۔؟"

"جی ہاں۔"

زاہد نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ اس کی کار دو کاروں کے درمیان کھڑی تھی، لیکن بم نے ان کاروں کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ صرف ایک نظر دیکھنا کافی تھا۔ زاہد نے سمجھ لیا تھا کہ بم کار پر پھینکا نہیں گیا بلکہ انجن میں پھٹا ہے۔ اس کا مطلب تھا کسی نے کار کے انجن میں بم رکھا تھا۔ انسپکٹر نے ابھی تک کار کے پاس جا کر نہیں دیکھا تھا۔ زاہد کار کے پاس پہنچا اور قریب سے دیکھا۔ اس طرف کار پارک میں ذرا اندھیرا تھا۔ قریب پہنچ کر زاہد نے جھانک کر گاڑی کے اندر دیکھا تو ایک بار پھر اس کے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

کار میں ڈرائیور کی سیٹ پر کوئی پڑا تھا۔ اس نے جلدی سے پلٹ کر انسپکٹر سے کہا۔

"کیا آپ کے پاس ٹارچ ہو گی، کار کے اندر کوئی ہے۔"

انسپکٹر کے پاس ٹارچ نہیں تھی، لیکن کلب میں تھی۔ فوراً اندر سے ٹارچ منگوائی گئی۔ انسپکٹر نے ٹارچ کی روشنی اندر ڈالی۔

کار کے انجن کے ساتھ ساتھ اگلی دونوں سیٹیں تک پھٹ گئی تھیں۔ ڈیش بورڈ کے سارے پرزے اندر کی طرف نکلے پڑے تھے اور اسٹیرنگ وہیل کے پیچھے ایک نوجوان شخص پڑا تھا۔ ایک طرح سے وہ اٹھارہ انیس سال کا لڑکا تھا۔

اس کا چہرہ خون میں لت پت تھا اور اس کی کھلی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ مر چکا ہے۔ انسپکٹر نے کچھ دیر ٹارچ کی روشنی میں یہ منظر دیکھنے کے بعد زاہد کی جانب پلٹ کر کہا۔

"یہ کار آپ کی ہے۔؟"

"جی ہاں۔"

"اور یہ لڑکا آپ کا ڈرائیور تھا۔؟"

"جی نہیں، کار میں خود ڈرائیو کر کے لایا تھا۔"

"پھر یہ کون ہے۔؟"

"مجھے کیا معلوم۔؟"

"آپ یہاں کب آئے تھے۔؟"

"آٹھ بج کر چالیس منٹ پر۔"

اس بار انسپکٹر نے کار پارک کے نگہبان سے پوچھا۔

"کیا تم اس لڑکے کو پہچانتے ہو۔؟"

"جی نہیں۔" نگہبان نے جواب دیا۔

"جب بم پھٹا تو تم کہاں تھے۔؟"

"میں پارک کے گیٹ کے باہر کھڑا تھا۔"

"کیا تم نے کسی کو اندر آتے دیکھا تھا۔؟"

"جی نہیں۔"

"تم کچھ دیر کے لئے کہیں گئے تھے۔؟"

"جی ہاں، میں ذرا سی دیر کے لئے اندر باتھ روم گیا تھا۔"

"یہ کب کی بات ہے۔؟"

"کوئی ایک گھنٹہ پہلے کی۔"

"اس کے بعد کہیں نہیں گئے۔؟"

"جی نہیں۔"

انسپکٹر نے زاہد کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ان صاحب کو پہچانتے ہو۔؟"

"جی ہاں، یہ انہی کی کار ہے۔ کوئی ڈیڑھ گھنٹہ پہلے یہ آئے تھے اور میں نے کار کا ٹکٹ ان کو دیا تھا۔"

انسپکٹر نے پھر زاہد کو مخاطب کر کے کہا۔

"جب آپ آئے تھے تو کار بالکل خالی تھی۔؟"

"جی ہاں۔"

"کیا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ کی کار کو کیا حادثہ پیش آیا ہے۔؟"

"بات صاف ہے۔ کار کے انجن میں کسی نے بم رکھا ہے۔ وہ پھٹ گیا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ لڑکا ہی رکھ رہا ہو اور اتفاق سے بم پہلے ہی پھٹ گیا ہو۔"

"اس کا مطلب ہے کوئی شخص آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔"

"بظاہر تو یہی لگتا ہے۔"

"کیا آپ اس لڑکے کو پہچانتے ہیں۔؟"

"جی نہیں۔"

"کیا آپ کا کوئی دشمن ہے۔؟"

زاہد نے مسکرا کر کہا "انسپکٹر صاحب اس دنیا میں کون ایسا شخص ہے جس کے دوست اور دشمن نہ ہوں۔"

"لیکن سب دشمن اپنے دشمنوں کو اس طرح کار میں بم رکھ کر قتل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔"

"تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔"

انسپکٹر نے حیرت سے کہا۔ "مسٹر آپ کی زندگی پر حملہ ہوا ہے اور آپ کو ذرا بھی فکر نہیں۔"

زاہد نے کاندھے اُچکا کر کہا۔ "میں مرا تو نہیں۔ اور اگر مر بھی جاتا تو بھی فکر نہیں کر سکتا تھا۔"

"آپ کو پولیس اسٹیشن چل کر اپنا تحریری بیان دینا ہوگا۔ آپ کا نام کیا ہے۔؟"

"زاہد۔"

زاہد نے جان بوجھ کر اپنا عہدہ پولیس انسپکٹر کو نہیں بتایا۔

اسی وقت ایک سپاہی ایک شخص کو بازو سے تھامے پارک میں لایا۔ اس شخص کے چہرے پر گھنی مونچھیں تھیں۔ مجموعی طور پر وہ آدمی سے زیادہ بلڈاگ لگ رہا تھا۔ مگر لباس قیمتی تھا۔ سپاہی نے کہا۔

"انسپکٹر صاحب۔ ان صاحب نے کسی کو پارک میں جاتے دیکھا تھا۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" اس آدمی نے احتجاج کیا: "میں نے ایسا کبھی نہیں کہا۔"

"اب یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔" سپاہی بولا۔

"میں نے خود ان کو ایک عورت سے کہتے سنا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو پارک میں جاتے دیکھا تھا جو مکینک لوگوں جیسی وردی پہنے ہوئے تھا اور جس کے کاندھے پر اوزاروں کا تھیلا بھی لٹکا ہوا تھا۔"

انسپکٹر نے اس شخص سے کہا:

"آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ نے دیکھا تھا تو بتا دیجئے۔"

"میں نے کچھ نہیں دیکھا۔"

"آپ ان کی بیوی سے پوچھئے۔" سپاہی غصہ سے بولا: "میں نے خود ان کو کہتے سنا ہے۔ اب یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔"

"آپ کی بیوی کہاں ہیں۔؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"وہ میری بیوی نہیں ہے۔" مونچھوں والے نے کہا۔

"پھر کون ہیں۔؟"

"میں بھی انہیں نہیں جانتا۔ میں کلب میں آیا تو ساری سیٹیں رُکی ہوئی تھیں۔ وہ اکیلی بیٹھی تھیں۔ میں نے ان سے کہا اگر وہ مجھے اجازت دیں تو میں ان کی ٹیبل پر بیٹھ جاؤں۔ انہوں نے اجازت دے دی۔ پندرہ بیس منٹ بعد ہی یہ ہنگامہ ہو گیا۔"

انسپکٹر نے اپنے دو ماتحت سپاہیوں سے کہا:

"تم ہیڈ کوارٹر فون کر کے فوٹو گرافر کو بلاؤ، ایک ایمبولنس منگاؤ اور ایک "پک اپ" گاڑی منگاؤ جو اس گاڑی کو لے جا سکے۔" پھر اس نے پلٹ کر زاہد اور اس مونچھوں والے شخص سے کہا۔

"آپ دونوں میرے ساتھ آیئے۔"

"کہاں۔" مونچھوں والے نے کہا۔

"ہم اندر بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

بے بس سا ہو کر وہ شخص انسپکٹر کے ساتھ چل دیا۔ زاہد ان کے ساتھ کلب میں آ گیا۔ سپاہ وہیں باہر کھڑی رہ گئی۔ دراصل وہ ایک لڑکی کو دیکھنے لگی تھی جو الگ تھلگ کھڑی رو رہی تھی۔

* * *

اندر آدھی سے زیادہ میزیں خالی ہو چکی تھیں۔ زیادہ تر لوگ باہر کھڑے تھے۔ ایک ادھیڑ عمر عورت اکیلی ٹیبل پر بیٹھی تھی۔ انسپکٹر نے مونچھوں والے سے پوچھا۔

"کیا وہی خاتون ہیں جن کے ساتھ تم بیٹھے تھے۔؟"

"جی ہاں۔" مونچھوں والے نے سر ہلایا۔

انسپکٹر نے کلب کے مینیجر سے کہا۔

"ہمیں کچھ دیر کے لئے آپ کا دفتر چاہیے۔"

"دفتر خالی ہے آجایئے۔"

انسپکٹر نے اپنے ساتھ کے سپاہی سے کہا "اس خاتون کو ذرا دفتر میں بلا لو۔"

مونچھوں والے نے احتجاج کیا "مگر ان کو بلانے کی ضرورت کیا ہے، میں کہہ چکا ہوں وہ میرے ساتھ نہیں۔"

"آپ میرے ساتھ آیئے۔" انسپکٹر نے خشک لہجہ میں کہا "اور آپ بھی مسٹر زاہد۔"

وہ مینیجر کے دفتر میں آ کر بیٹھ گئے۔ دو منٹ بعد ہی وہ عورت بھی آ گئی۔ عورت خوبصورت نہیں تھی۔ صورت سے عمر وہ نظر آتی تھی جب سب بیٹھ گئے تو انسپکٹر نے عورت سے کہا۔

"کیا آپ ان صاحب کو جانتی ہیں۔؟" اس نے مونچھوں والے کی طرف اشارہ کیا۔

"جی نہیں۔" عورت نے جواب دیا۔

"میں تو اکیلی بیٹھی تھی کہ یہ صاحب آئے کوئی میز خالی نہیں تھی۔ انہوں نے مجھ سے بیٹھنے کی اجازت مانگی۔ میں نے کہا بیٹھ جایئے۔ میرا بیٹا ابھی ایک مہینہ ہوا ایکسیڈنٹ میں مر گیا۔ میں اداس تھی۔ اس لئے کلب میں چلی آئی۔"

"مجھے افسوس ہے۔" انسپکٹر نے کہا۔ "کیا ان صاحب نے آپ سے کہا تھا کہ انہوں نے مکینک کو پارک میں جاتے دیکھا تھا؟"

عورت نے ایک نظر مونچھوں والے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جی ہاں۔"

مونچھوں والے نے ایک گہرا سانس لے کر کہا:

"آل رائٹ انسپکٹر آپ ان خاتون کو جانے دیجئے۔ بے چاری پہلے ہی دکھی ہیں۔ میں آپ کو بتا دوں گا کہ میں نے کیا دیکھا تھا۔"

* * *

انسپکٹر نے عورت سے کہا:

"آپ چاہیں تو جاسکتی ہیں۔"

عورت نے شکریہ ادا کیا اور چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد انسپکٹر نے مونچھوں والے سے کہا۔

"مسٹر اب آپ پہلے اپنا نام اور پتہ بتایئے۔"

"میرا نام یوگراج ہے دوست مجھے صرف راج کہہ کر پکارتے ہیں میں کلکتہ کا رہنے والا ہوں۔ کل ہی یہاں آیا ہوں اور ہوٹل پیکارڈ میں ٹھہرا ہوں، مجھے یہ کلب بہت پسند ہے۔ جب بھی میں بمبئی آتا ہوں تو ایک بار یہاں ضرور آتا ہوں۔"

"تو اب بتایئے آپ نے کیا دیکھا تھا۔؟"

"کچھ بھی نہیں، میں دراصل ٹیکسی سے اتر کر دروازے پر کھڑا تھا، میں نے دربان سے پوچھا 'کیا اندر کوئی ٹیبل خالی ہے' دربان دیکھنے کے لئے اندر آیا۔ اسی وقت میں نے دیکھا کہ ایک کار سڑک پر آکر رکی۔ مکینک جیسا لباس پہنے ایک شخص اترا۔ اس کی نیلی وردی تھی چہرے پر گریس وغیرہ لگی ہوئی تھی۔ کاندھے پر اوزار کا تھیلا پڑا تھا ۔۔۔ وہ پارک کی طرف چلا گیا۔"

انسپکٹر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"یہ کتنی دیر کی بات ہے۔؟"

"کوئی ایک گھنٹہ پہلے کی۔"

"اس وقت کار پارک کا نگہبان کہاں گیا تھا۔"

"وہ پارک کے گیٹ پر نہیں تھا۔ شاید اندر گیا ہوگا۔"

"پھر کیا ہوا۔؟"

اس وقت میں سمجھا تھا شاید کسی کی کار خراب ہوگئی ہوگی۔ اور اس نے کسی گیراج کو فون کرکے مکینک کو بلایا ہوگا۔ اسی وقت دربان نے آکر مجھے بتایا کہ اندر کوئی ٹیبل خالی نہیں۔ میں وقت گزارنے کے لئے سمندر کی طرف چلا گیا۔ آدھے گھنٹے بعد واپس آیا۔ اندر آکر دیکھا تو پھر بھی کوئی میز خالی نہیں تھی البتہ وہ خاتون اکیلی تھی۔ اس لئے میں ان کے پاس بیٹھ گیا۔"

"اگر صرف یہی بات تھی تو آپ بتانے سے کیوں انکار کر رہے تھے۔"

دراصل میں یہاں صرف دو دن کے لئے آیا ہوں۔ میں کوئی بیان دے کر خواہ مخواہ گواہی کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ سچ بات یہ ہے کہ میں تو اس مکینک کو بھول بھی چکا تھا۔ جب مجھے پتہ چلا کہ کسی شخص کی کار کے انجن میں بم پھٹا ہے۔ تو اچانک میرے ذہن میں دو خیال آئے۔

پہلا خیال تو یہ آیا کہ وہ مکینک ایک بہت اچھی کار میں آیا تھا۔ جب کہ ایسے موقعوں پر مکینک گاڑی کھینچنے والا ٹرک ساتھ لاتے ہیں تاکہ انجن زیادہ خراب ہو تو اس کو کھینچ کر گیراج میں لے جائیں۔ اس خیال کے ساتھ ہی میرے ذہن میں سوال ابھرا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ بم مکینک نے ہی کار میں رکھا ہو۔" یہ کہہ کر اس نے زاہد کی طرف دیکھ کر کہا۔

"وہ آپ کی کار تھی۔؟"

"ہاں" زاہد نے سر ہلا کر کہا۔

"تو آپ کے کسی دشمن نے آپ کو قتل کرنے کے لئے وہ بم کار میں رکھا تھا۔ میں نے بھی سوچا کہ بم رکھنے کے لئے مکینک کے لباس میں آنا بہت محفوظ طریقہ تھا، کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ کار ٹھیک کرنے کے بجائے بم رکھنے آیا ہے۔"

"ابھی یہ بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی۔" زاہد بولا:

"ہوسکتا ہے یہ بم اسی لڑکے نے رکھا ہو جو کار میں مرا ہے۔"

"بہرحال" یوگراج بولا،

"میں نے جو دیکھا تھا وہ بتا دیا۔ انسپکٹر صاحب میری درخواست ہے کہ آپ مجھے گواہی کے چکر میں نہ پھنسائیں نہ ہی اخبار والوں کو میرا نام بتائیں، ہوسکتا ہے واقعی وہ مکینک بے گناہ ہو۔"

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔" انسپکٹر نے کہا۔

"اب آپ جاسکتے ہیں۔ لیکن ہاں ایک اور بات بتا دیجئے۔ اس مکینک کا حلیہ کیا تھا۔؟"

"سوری سر وہ کافی دور تھا۔ میں اس کے نقوش اچھی طرح نہیں دیکھ سکتا تھا۔"

"اگر آپ اسے دوبارہ دیکھیں تو کیا پہچان سکتے ہیں۔؟"

"میرا خیال ہے نہیں۔ کیونکہ اس کے چہرے پر گریس کے دھبے لگے ہوئے تھے۔"

اسی وقت ایک سپاہی نے اندر داخل ہو کر کہا۔

"سر ذرا باہر چلیے۔ ایک لڑکی اس لڑکے کو جانتی ہے جو مرا ہے۔"

انسپکٹر فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ساتھ زاہد اور یوگراج بھی باہر آگئے۔ باہر آکر زاہد نے دیکھا کہ ایک سترہ اٹھارہ سال کی لڑکی رو رہی تھی۔ اور سیما اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھے تسلی دے رہی تھی۔ قریب پہنچ کر زاہد نے سیما سے پوچھا۔

"کیا بات ہے سیما۔"

"وہ لڑکا اس بے چاری کا دوست تھا۔"

انسپکٹر نے سیما کی جانب اشارہ کرکے سوال کیا۔

"کیا یہ آپ کے ساتھ ہیں۔؟"

"جی ہاں میری سیکریٹری ہیں۔"

اس بار انسپکٹر نے اس لڑکی سے پوچھا "اے لڑکی تمہارا نام

کیا ہے۔ ؟"

"ڈولی۔" لڑکی نے روتے ہوئے کہا۔

"کیا تو اس لڑکے کو جانتی ہے جو کار میں مرا ہے۔"

ڈولی نے روتے ہوئے کہا۔ "وہ ڈلیوڈ تھا۔"

لڑکی نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

"غلطی میری تھی۔ وہ مجھے سینما لے جانا چاہتا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ اگر ہمارے پاس کار ہوتی تو کتنا مزہ آتا۔ ڈلیوڈ نے کہا۔ بس اتنی سی بات ہے، لے کار میں لاتا ہوں۔ تو یہیں کھڑی رہنا۔"

یہ کہہ کر اس نے جیب سے ایک تار نکال کر اس کے دونوں سرے چاقو سے چھیلے۔ پھر کار پارک کے پچھلی طرف چلا گیا۔ وہ موٹر کا کام سیکھتا ہے، اس نے ایک بار مجھے بتایا تھا کہ کار کے انجن کی چابی نہ بھی ہو تو ایک تار سے انجن چالو کیا جاسکتا ہے۔ میں ڈر گئی کہ وہ کسی کی کار چرانا چاہتا ہے۔ میں نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہیں مانا اور مجھے یہیں کھڑے رہنے کا کہہ کر کار پارک کے پچھلی طرف چلا گیا۔ وہاں سے میں نے اسے جھاڑیوں پر سے کودتے ہوئے دیکھا۔ پھر وہ اس کار کی طرف بڑھا۔ کار پارک میں اندھیرا تھا اس لئے چوکیدار اس کو نہ دیکھ سکا۔ وہ کاروں کے بیچ میں جاکر غائب ہو گیا۔

چند منٹ بعد ہی زبردست دھماکہ ہوا۔ میں ڈر گئی۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو کسی نے کہا کار میں کوئی مر گیا ہے، میں سمجھ گئی وہ ڈلیوڈ ہی ہو سکتا ہے۔

یہ کہہ کر لڑکی پھر سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔ سیما نے اس کے کاندھوں پہ ہاتھ رکھ کر اس کا سر اپنے کاندھے سے لگا لیا۔ اور اس کو تسلی دینے لگی۔

⁂ ⁂ ⁂

ڈولی ذرا پرسکون ہوئی تو انسپکٹر نے سوال کیا۔

"یہ لڑکا ڈلیوڈ کہاں رہتا تھا۔ پتہ بتاؤ تاکہ اس کے گھر اطلاع دی جاسکے۔ ڈولی نے پتہ بتا دیا۔ لیکن ڈولی کو واقعی بے حد صدمہ تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے گی۔"

"سیما تم ڈولی کو اس کے گھر چھوڑتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی جاؤ۔"

"اور آپ میرے ساتھ آیئے مسٹر زاہد۔" انسپکٹر نے کہا۔

زاہد جانتا تھا کہ پولیس اسٹیشن جاکر تحریری بیان دینا ضروری ہے اس لئے وہ انسپکٹر کے ساتھ چل دیا۔ انسپکٹر نے ایک سپاہی کو ڈلیوڈ کے گھر اطلاع دینے کے لئے بھیج دیا۔ اس وقت تک ایمبولنس، فوٹوگرافر اور پولیس کے دوسرے افسر بھی آچکے تھے۔ اور وہ اپنے کام میں لگ گئے تھے۔

زاہد انسپکٹر کے ساتھ پولیس کی جیپ میں بیٹھ کر چلا گیا تو سیما نے ڈولی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"آؤ ڈولی میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ دوں گی۔ ہمت سے کام لو۔ ڈلیوڈ کی موت میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ یہ اس کی اپنی غلطی تھی۔"

"یوگراج نے آگے بڑھ کر سیما سے کہا:

"کیا میں آپ کی کوئی مدد کرسکتا ہوں۔"

"ذرا ایک ٹیکسی منگا دیجئے۔ میں ان کو گھر چھوڑتی جاؤں گی۔"

"میں ابھی لایا۔"

یہ کہہ کر یوگراج چلا گیا۔ اور چند منٹ بعد ٹیکسی لے کر آگیا۔ سیما نے سہارا دے کر ڈولی کو پچھلی سیٹ پر بٹھایا۔ یوگراج نے کہا۔

"اگر آپ کو اعتراض نہ ہو مس سیما تو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں، میں ذرا آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ آپ جانتی ہیں اس طرح کے حادثے روز روز نہیں ہوتے اور آدمی میں تجسس بھرا ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے مسٹر زاہد کوئی بہت ہی اہم آدمی ہیں جو ان کی گاڑی میں بم رکھ کر کسی نے ان کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ آپ تو ان کی سیکریٹری ہیں، آپ ان کے بارے میں سب کچھ جانتی ہوں گی۔"

"سیکریٹری ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ میں ان کے بارے میں سب کچھ جانتی ہوں۔ بہرحال آپ چاہیں تو میرے ساتھ چل سکتے ہیں۔"

شکریہ کہہ کر یوگراج اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ سیما نے ڈولی سے اس کے مکان کا پتہ پوچھ کر ڈرائیور کو بتا دیا۔ ٹیکسی چل پڑی۔

⁂ ⁂ ⁂

پولیس اسٹیشن پہنچ کر ایک کمرے میں اطمینان سے بیٹھنے کے بعد انسپکٹر نے کہا۔ "اب مجھے بتایئے مسٹر زاہد کیا قصہ ہے۔؟"

"قصہ جو کچھ ہوا ہے آپ کے سامنے ہے۔ صاف ظاہر ہے کسی نے میری کار کے انجن میں بم رکھا تھا تاکہ میں جب گاڑی کا انجن چلاؤں تو بم پھٹ جائے۔ لیکن میں خوش قسمت تھا، بچ گیا۔ وہ لڑکا بدنصیب تھا۔ وہ اپنی محبوبہ کو گاڑی میں سیر کرانے کے لئے گاڑی چرانا چاہتا تھا، اس نے میری کار کو چوری کے لئے منتخب کیا۔

آپ پولیس افسر ہیں، اس لئے ضرور جانتے ہوں گے کہ تار کے ایک ٹکڑے سے بغیر چابی کے کار کا انجن چلایا جا سکتا ہے، میرے لئے جو جال بچھایا گیا تھا وہ بے چارہ اس میں پھنس گیا، اور بے موت مارا گیا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آپ مانتے ہیں کہ آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔"

"یہ بھی ضروری نہیں۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ آپ کی کار میں بم رکھا گیا ہے۔؟"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے قاتل نے مغالطہ میں میری کار میں بم رکھ دیا ہو۔ اندھیرے میں وہ گاڑی کا نمبر نہ پڑھ سکا ہو یا کوئی اور مغالطہ ہو گیا ہو۔ مجھے ممبئی آئے صرف ایک ہفتہ ہوا ہے، اس لئے میرا کون دشمن ہو سکتا ہے۔"

"آپ کے پاس یہ گاڑی کب سے ہے۔؟"

"جب سے میں ممبئی آیا ہوں، میرے ایک دوست کی گاڑی ہے۔"

"کیا آپ اس نائٹ کلب میں روز آتے ہیں۔؟"

"جی ہاں۔"

"پھر تو میں کہوں گا یہ مغالطہ کی بات نہیں، قاتل نے آپ ہی کی گاڑی میں بم رکھا تھا۔"

"دونوں باتیں ممکن ہیں۔"

"آپ دہلی میں کیا کرتے ہیں۔؟" انسپکٹر نے سوال کیا۔

زاہد دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ اسے اپنی شخصیت ظاہر کر دینی چاہیئے یا نہیں۔ ایک بات یقینی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ قاتلانہ حملہ اسی پر کیا گیا تھا، لیکن حملہ کرنے والا کون ہو سکتا تھا اس کے بارے میں اسے گمان تک نہیں تھا۔ اپنی زندگی میں اس نے سینکڑوں مجرموں کو جیل بھجوایا تھا۔ ان میں سے بہت سے مجرموں نے جیل سے آنے کے بعد اس کو قتل کر دینے کی دھمکیاں بھی دی تھیں۔ اور اس سے پہلے کئی بار اس پر قاتلانہ حملے بھی ہوئے تھے۔ لیکن زاہد کو اپنی چھٹی حس پر ہمیشہ بھروسہ رہا تھا، ہمیشہ وہ اپنی چھٹی حس کی وجہ سے بچ جاتا تھا یا یہ کہیئے کہ اس کی زندگی تھی اس لئے بچ جاتا تھا۔ وہ جانتا تھا قاتل جو کوئی بھی ہے، وہ اس کی شخصیت سے واقف ہے۔ اسے حیرت صرف یہ تھی کہ قاتل نے اس پر ممبئی میں کیوں حملہ کیا، قاتل کو یہ کیسے پتہ چلا کہ وہ ان دنوں ممبئی میں ٹھہرا ہوا ہے، اس بارے میں دو ہی باتیں ممکن تھیں۔ یا تو قاتل نے اچانک اس کو ممبئی میں دیکھ کر پہچان لیا تھا۔ یا وہ پہلے اس کو دہلی میں تلاش کرتا رہا ہو گا اور اسے پتہ چل گیا تھا کہ وہ آج کل ممبئی میں ہے۔ یہ تمام باتیں سوچتے ہوئے اس نے فیصلہ کیا کہ ابھی اس کو اپنی شخصیت کے بارے میں پولیس کو نہیں بتانا چاہیئے۔ قاتل کو پہچاننے کے لئے اور گرفتار کرنے کے لئے اسے دوسرا موقع دینا ضروری تھا چنانچہ یہ سوچ کر اس نے انسپکٹر کے جواب میں کہا۔

"میں رائٹر ہوں، آجکل تفریح کی غرض سے ممبئی آیا ہوں۔"

"کیا آپ کوئی اندازہ نہیں لگا سکتے کہ قاتل کون ہو سکتا ہے۔؟"

"جی نہیں۔"

"آدمی کم از کم اپنے دوستوں اور دشمنوں کے بارے میں ضرور جانتا ہے۔"

"لیکن مجھے کچھ معلوم نہیں۔"

"تو آپ اپنا تحریری بیان دے دیجئے، ممبئی میں آپ کب تک رہیں گے۔؟"

"میرا یہاں ایک مہینہ رہنے کا پروگرام تھا۔ سولہ دن ہو چکے ہیں۔"

"مجھے ایسا لگتا ہے کہ آپ اس حملے سے بالکل خوفزدہ نہیں۔"

"جی نہیں۔ مجھے موت سے کبھی خوف معلوم نہیں ہوا۔" زاہد نے مسکرا کر کہا۔

"پلیز، اپنے اسٹینو گرافر کو بلا لیجئے۔ میں اپنا بیان اس کو ڈکٹیٹ کرا دیتا ہوں، وہ ٹائپ کر دے گا تو میں دستخط کر دوں گا۔"

"اسٹینو گرافر میں بلا دیتا ہوں۔ لیکن چونکہ آپ کی زندگی خطرے میں ہے اور ہمارا فرض شہریوں کی جان و مال کی حفاظت کرنا ہے۔ اس لئے میں دو آدمی آپ کی حفاظت کے لئے لگا رہا ہوں۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔؟"

زاہد نے مسکرا کر کہا "اگر آپ واقعی قاتل کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں تو یہ طریقہ بالکل غلط ہے۔"

"پھر آپ کے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیئے۔"

"اگر آپ سمجھتے ہیں واقعی کسی نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی تو اس بار کی ناکامی کے بعد وہ دوبارہ مجھے قتل کرنے کی کوشش کرے گا، اس لئے بہتر ہے کہ آپ دور رہ کر میری نگرانی کریں۔ یعنی قاتل کو یہ پتہ نہیں چلنا چاہیئے کہ پولیس میری حفاظت کر رہی ہے۔"

"اور اگر وہ آپ کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو میں اخبار والوں کو کیا جواب دوں گا۔ نو سر، میں کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہیں، اب آپ جب تک ممبئی میں ہیں پولیس والے آپ کی حفاظت کے لئے ساتھ رہیں گے۔"

زاہد سمجھتا تھا بیچارہ انسپکٹر ایسا کرنے پر مجبور ہے۔ اس لئے اس نے کہا۔

"بہت اچھا، جیسے آپ چاہیں کیجئے۔"

انسپکٹر نے گھنٹی بجا کر ایک سپاہی سے کہا۔

"ذرا اسٹینو گرافر کو بھیجدو، اور رام سنگھ کو بھی بھیجدو۔"

وہ سپاہی چلا گیا۔ پہلے رام سنگھ آیا تو انسپکٹر نے کہا۔

"تم بلونت کو اپنے ساتھ لے لو۔ اس وقت سے تمہاری ڈیوٹی ان صاحب کے ساتھ ہے یہ جہاں جائیں ان کے ساتھ رہنا۔ ایک طرح سے ان کی حفاظت تمہارا فرض ہے۔"

"بہت اچھا۔" رام سنگھ نے کہا۔

"صبح تک تم ڈیوٹی دینا۔ صبح کو فون کر دینا کہ تم لوگ کہاں ہو۔ دوسرے دو آدمی تمہاری جگہ دے دیے جائیں گے۔"

"بہت اچھا جناب۔" رام سنگھ نے پھر کہا اور سیلوٹ مار کر چلا گیا۔

اسی وقت اسٹینو گرافر آ گیا۔ اور زاہد اس کو تحریری بیان لکھوانے لگا۔

* * *

ایک گھنٹے بعد وہ پولیس اسٹیشن سے باہر نکلا تو رام سنگھ اور اور نونت سنگھ دونوں فرشتوں کی طرح اس کے ساتھ ہو لئے۔ باہر آ کر زاہد نے کہا۔

"اب آپ لوگ میرے ساتھ چل رہے ہیں تو مجھے بھی اپنی گاڑی میں لے چلئے۔"

"ہاں آیئے۔" رام سنگھ بولا۔

زاہد پولیس کی جیپ میں بیٹھ گیا۔ رام سنگھ نے پوچھا۔

"کہاں چلوں۔۔؟"

"ہوٹل کاسابلانکا۔"

"کیا آپ اسی ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔؟"

"نہیں، میں ہوٹل "کوپاکبانا" میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ وہاں میری سیکریٹری ٹھہری ہوئی ہے۔"

رام سنگھ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پندرہ بیس منٹ بعد کار ہوٹل کاسابلانکا کے پاس جا کر رک دی۔ زاہد اتر کر ہوٹل میں داخل ہوا تو رام سنگھ بھی ساتھ ساتھ چلا۔ وہ دوسری منزل پر پہنچا تو بھی رام سنگھ ساتھ رہا۔ سیما کے کمرے کے دروازہ پہ رک کر زاہد نے کہا۔

"کیا یہ بہتر ہو گا کہ آپ گاڑی میں آرام سے بیٹھ کر انتظار کریں۔"

"جی نہیں، میں کاریڈور میں پہرہ دوں گا۔ اب آپ کی حفاظت کی ذمہ داری مجھ پر ہے، پہلے میں آپ کے ساتھ کمرے میں جاؤں گا۔ اور اپنا اطمینان کروں گا کہ قاتل اندر تو چھپا ہوا نہیں ہے۔"

"آل رائٹ۔" زاہد نے مسکرا کر کہا۔

"جیسے آپ بہتر سمجھیں۔ میں نے سنا تھا بمبئی کی پولیس بہت مستعد ہے۔ آج تجربہ بھی ہو گیا۔"

یہ کہہ کر اس نے دروازہ پر پہلے دو بار پھر ذرا رک کر ایک بار اور پھر رک کر دو بار دستک دی۔ یہ شناختی دستک تھی۔ فوراً ہی سیما نے دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلنے پر زاہد نے دیکھا کہ مونچھوں والا لوگراج سامنے ہی صوفہ پہ بیٹھا کافی پی رہا تھا اور سیما نے دیکھا کہ زاہد کے ساتھ ایک پولیس والا ہے۔ پہلے زاہد ہی بولا۔

"سیما انسپکٹر نے میری حفاظت کے لئے دو آدمی مقرر کر دیئے ہیں یہ صاحب کمرے کی تلاشی لے کر اپنا اطمینان کرنا چاہتے ہیں کہ یہاں کوئی قاتل تو چھپا ہوا نہیں ہے۔"

سیما سمجھ گئی کہ زاہد نے پولیس افسر کو اپنی شخصیت نہیں بتائی ہے اس لئے اس نے بھی مسکرا کر رام سنگھ سے کہا۔

"آیئے تشریف لایئے۔ اور دیکھ لیجئے۔"

رام سنگھ اندر داخل ہو کر کمرے کو غور سے دیکھا۔ بستر کے نیچے جھانک کر دیکھا۔ غسل خانے میں دیکھا۔ پھر لوگراج کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"یہ کون صاحب ہیں۔؟"

"یہ مسٹر لوگراج ہیں۔ جب وہ بم پھٹا ہے تو مسٹر لوگراج کلب میں ہی تھے اور انہوں نے اس شخص کو بھی دیکھا تھا جس نے میری گاڑی میں بم رکھا تھا۔"

"کیا انسپکٹر صاحب کو یہ بات معلوم ہے۔؟" رام سنگھ نے پوچھا۔

"جی ہاں، انسپکٹر صاحب ان کا بیان لے چکے ہیں۔"

"بس تو ٹھیک ہے، میں کاریڈور میں بیٹھتا ہوں۔"

یہ کہہ کر رام سنگھ باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد سیما نے کہا۔

"زاہد صاحب، مسٹر لوگراج نے میری مدد کی ہے۔ ہم دونوں ڈولی کو اس کے گھر چھوڑ آئے ہیں۔ مسٹر لوگراج میں تجسس ہے ان کا خیال ہے کہ آپ ضرور کوئی بہت اہم آدمی ہیں جو آپ پر اس طرح قاتلانہ حملہ کیا گیا ہے، یہ آپ سے ملنے کے لئے میرے ساتھ آ گئے ہیں۔"

"میں آپ کا شکر گزار ہوں مسٹر لوگراج۔" زاہد بولا۔

"آپ نے سیما کی مدد کی۔"

لوگراج نے مسکرا کر کہا۔ "میرا خیال ہے آپ پر دوبارہ پھر قاتلانہ حملہ ہونے والا ہے مسٹر زاہد۔ میں مس سیما کو بتا چکا ہوں۔ جب ہم یہاں آ رہے تھے تو ایک کار ہمارا تعاقب کر رہی تھی۔ اور اگر میں غلطی نہیں کرتا تو یہ وہی کار تھی جس میں وہ مکینک آیا تھا۔"

زاہد نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ نے اس کار کو پہچان لیا تھا۔"

"میرا اندازہ ہے یقین سے نہیں کہہ سکتا۔"

"کیا آپ نے کار کا نمبر دیکھا تھا۔؟"

"جی نہیں، کار ہماری ٹیکسی سے کافی فاصلہ پر رہی تھی، البتہ ایک چیز میں نے پہچان لی تھی۔"

"وہ کیا۔؟"

"اس کار کا ڈرائیور۔"

زاہد نے حیرت سے کہا "کیا واقعی آپ نے اس کار کے ڈرائیور کو پہچان لیا تھا؟"

"پوری طرح نہیں۔ ابھی جب وہ ہمارا تعاقب کر رہا تھا تو اس نے دو ایک بار اپنا سر کھڑکی سے باہر نکالا تھا۔ سڑک کی روشنی میں میں نے دیکھا کہ اس کے سر کے بال سنہرے تھے۔ وہ بال دیکھ کر ہی مجھے یاد آیا کہ جس کار سے مکینک اترا تھا اس کے ڈرائیور کے بال بھی سنہرے تھے۔"

"کیا آپ اس ڈرائیور کو دیکھ کر پہچان سکتے ہیں۔" زاہد نے پوچھا۔

"میں نے پاس سے اس کے نقوش نہیں دیکھے تھے۔ البتہ سر کے سنہرے بالوں سے پہچان سکتا ہوں بشرطیکہ قاتل نے دھوکہ دینے کے لئے بالوں کو ڈرائی نہ کرا رکھا ہو۔"

"چلئے کم از کم کچھ نشان تو ملا۔" زاہد بولا۔

"کیا آپ کافی پئیں گے۔؟" سیما نے زاہد سے پوچھا۔

"ہاں منگالو۔"

سیما فون پر کافی کا آرڈر دینے لگی۔ لوگراج نے زاہد سے سوال کیا۔

"پلیز کیا آپ مجھے بتا سکیں گے کہ آپ کون ہیں۔ یہ تو یقینی بات ہے کہ آپ کوئی بہت بڑے آدمی ہیں۔"

لوگراج سے یہاں مل کر اور یہ جان کر کہ اس نے کار کے ڈرائیور کو دیکھا ہے۔ زاہد کے ذہن میں ایک اسکیم آگئی تھی۔ اس لئے اس نے جواب میں کہا۔

"مسٹر لوگراج میں اپنے بارے میں آپ کو سب کچھ بتانے کو تیار ہوں لیکن اس کے لئے دو شرطیں ہیں۔"

"وہ کیا۔؟"

"ایک تو آپ کو وعدہ کرنا پڑے گا، جب تک میں اجازت نہ دوں آپ کسی سے میری شخصیت کے بارے میں نہیں بتائیں گے۔"

"یہ میں وعدہ کرتا ہوں۔" لوگراج نے خوش ہو کر کہا:

"دوسری بات کیا ہے۔؟"

"دوسری بات یہ ہے کہ کیا آپ میری مدد کر سکیں گے۔؟"

"میں!" لوگراج نے حیرت سے کہا:

"میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔ اور اگر واقعی میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں تو سمجھ لیجئے کہ مجھے بے حد خوشی ہوگی۔"

"یہ بات ہے تو سنئے میرا اصل نام کرنل زاہد ہے۔"

"کرنل زاہد۔" لوگراج بولا پھر چٹکی بجاتے ہوئے بولا:

"ذرا ٹھہرئیے میں نے یہ نام کہیں سنا ہے یا پڑھا ہے۔ ہاں یاد آگیا۔ آپ وہ انٹیلی جنس والے کرنل زاہد تو نہیں۔ جس نے ابھی چھ مہینے پہلے غیر ملکی جاسوسوں کا پورا گروہ پکڑا تھا۔"

"وہی۔" زاہد نے جواب دیا۔

"اوہ۔" لوگراج حیرت اور خوشی سے بولا:

"اب بات سمجھ میں آئی ہے آپ واقعی بہت اہم شخص ہیں سر۔ آپ نے اپنی زندگی میں نہ جانے کتنے خطرناک مجرموں کو جیل بھیجا ہوگا کتنے ہی جاسوسوں کو آپ نے ختم کیا ہے اس لئے آپ پر قاتلانہ حملہ ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس ملک کے دشمن بدمعاش آپ کو قتل کر کے خوشی محسوس کریں گے۔ خاص طور پر وہ غنڈے جو آپ کے ہاتھوں جیل جا چکے ہیں۔"

"آپ نے بالکل ٹھیک سمجھا لوگراج۔" زاہد نے کہا:

"میں اس طرح کے قاتلانہ حملوں کا عادی ہو چکا ہوں۔ میری زندگی میں سینکڑوں بار مجھے قتل کرنے کی کوشش کی جا چکی ہے، مگر آپ نے وہ محاورہ سنا ہی ہوگا کہ جسے رب رکھے اسے کون چکھے۔"

"بالکل درست فرمایا آپ نے۔ اچھا یہ بتائیے کیا آپ کو کوئی اندازہ ہے کہ قاتلانہ حملہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔"

"جی نہیں۔ میرے ہزاروں دشمن ہیں اور ہر دشمن مجھے مردہ دیکھنا چاہتا ہے اس لئے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"ایک بات صاف ہے۔" لوگراج بولا:

"قاتل نے بڑا خطرناک بم کار میں رکھا تھا اور اس کا کنکشن انجن چالو کرنے والے تاروں سے کر دیا تھا۔ وہ بے چارہ لڑکا ایک طرح سے آپ کی موت مرا ہے۔"

"مجھے اس کی موت کا بے حد افسوس ہے۔"

"زاہد صاحب! افسوس تو مجھے بھی ہے۔ لیکن اب آپ کی شخصیت کے بارے میں جان کر میں کہہ سکتا ہوں کہ مجھے خوشی بھی ہے اگر وہ بیچ میں نہ آجاتا تو شاید اس وقت تک آپ مردہ ہوتے۔"

"یہ تو سچ ہے۔"

"اچھا اب دوسری بات بتائیے۔ آپ مجھ سے کس طرح کا کام لینا چاہتے ہیں۔"

اسی وقت بیرا کافی لے آیا۔ زاہد نے کہا۔

"پہلے میں ذرا ایک کپ کافی پی لوں، اس کے بعد بتاؤں گا۔"

یہ کہہ کر وہ کافی بنانے لگا۔

٭ ٭ ٭

زاہد نے ایک کپ کافی بنا کر لوگراج کو اور دی۔ پھر اپنے کپ سے

ایک گھونٹ لیتے ہوئے بولا۔

"مسٹر لوگراج پہلے مجھے بتائیے آپ بہادر ہیں یا ڈرپوک؟"

"یہ میں کیسے بتا سکتا ہوں۔" لوگراج بولا۔

"میں تو سیدھا سادا شہری ہوں، کسی سے لڑتا جھگڑتا نہیں اور ظاہر ہے کہ وقت سے پہلے مرنا بھی نہیں چاہتا۔"

"میرا مطلب ہے اگر میں آپ کو یہ بتا دوں کہ اس وقت میرے ساتھ آپ کی زندگی بھی خطرے میں پڑ چکی ہے تو آپ پر کیا اثر ہوگا؟"

"میری زندگی!" لوگراج نے کافی کا کپ رکھ کر حیرت سے کہا۔ "کیوں میری زندگی خطرے میں کیسے پڑ سکتی ہے؟"

"اس طرح کہ آپ نے پولیس کو بیان دیا ہے آپ نے قاتل کو مکینک کے لباس میں دیکھا تھا۔ اس وقت کلب کے اندر بیٹھے ہوئے سبھی لوگوں نے یہ بات سنی تھی۔ فرض کیجئے ان آدمیوں میں قاتل کا کوئی ساتھی ہو تو وہ قاتل سے جا کر کہے گا کہ آپ نے اس کو دیکھا ہے۔ اس طرح قاتل سمجھ لے گا کہ آپ اس کے لئے خطرہ بن گئے ہیں کیونکہ آپ اسے پہچان سکتے ہیں وہ ایک قتل کر چکا ہے۔ اب اگر وہ دس قتل اور بھی کر دے تو اسے سزا وہی ملے گی۔ اس لئے وہ شناخت ہو جانے کے خطرے سے بچنے کے لئے آپ کو قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"اوہ۔" لوگراج نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اگر یہ بات ہے تو میں آج ہی کلکتہ واپس چلا جاؤں گا۔"

"اس سے بھی آپ کا خطرہ کم نہیں ہوگا۔ جو قاتل بم حاصل کر کے میری کار میں لگا سکتا ہے وہ کوئی معمولی مجرم نہیں۔ وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا جب تک آپ کو قتل نہ کر دے۔ کیا آپ یہاں کسی ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں؟"

"جی ہاں۔" لوگراج نے بمشکل تھوک نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"بس تو آپ کا کلکتہ کا پتہ حاصل کرنا بھی قاتل کے لئے کچھ مشکل نہ ہوگا، وہ ہوٹل سے آپ کا پتہ معلوم کرے گا اور کلکتہ جا کر آپ کو قتل کر دے گا۔"

"باپ رے۔" لوگراج نے مری ہوئی آواز میں کہا، "پھر اب میں کیا کروں، لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ قاتل کا کوئی آدمی کلب میں ہو اور اس نے میری بات سن لی ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ کی بات قاتل نے ضرور سن لی ہے۔ اسی لئے وہ ٹیکسی کا تعاقب کر رہا تھا۔ یہ بات تو آپ بھی مانیں گے وہ میرے بارے میں میری سیکریٹری کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے، اسے معلوم ہے کہ ہم کہاں کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں اور روزانہ کہاں کہاں جاتے ہیں۔ وہ میرا دشمن ہے مس سیما کا نہیں۔ اس لئے اسے ٹیکسی کا تعاقب کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن چونکہ ابھی اسے یہ پتہ نہیں آپ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں اور آپ اس ٹیکسی میں بیٹھے جس میں سیما تھی تو اس نے ٹیکسی کا تعاقب شروع کیا۔ اس نے سوچا ہوگا کہ آپ جہاں رہتے ہیں وہاں ضرور جائیں گے۔"

لوگراج نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "آپ نے میری جان نکال دی ہے کرنل صاحب۔"

"میں سچائی بیان کر رہا ہوں اور آپ کو خطرے سے آگاہ کر رہا ہوں۔"

"تو اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔"

"اب آپ اور میں اس وقت تک سکون کا سانس نہیں لے سکتے۔ جب تک قاتل گرفتار نہ ہو جائے۔"

"لیکن جب ہم اس کے بارے میں جانتے ہی نہیں تو اسے گرفتار کیسے کرا سکتے ہیں۔"

"اگر ہم دونوں ذرا سی ہمت اور عقل سے کام لیں تو قاتل کو گرفتار کرا سکتے ہیں۔"

"وہ کیسے۔ کیا آپ کے ذہن میں کوئی تجویز ہے۔؟"

"ہاں ایک تجویز ہے۔"

"تو بتایئے وہ کیا تجویز ہے۔؟"

"تجویز یہ ہے کہ یہاں میرا ایک دوست اخبار کا رپورٹر ہے۔ میں اس کے ذریعہ یہ خبر چھپوائے دیتا ہوں کہ آپ نے قاتل اور ڈرائیور کو دیکھا تھا آپ دونوں کو پہچان سکتے ہیں، اس کے ساتھ ہی رپورٹر یہ لکھ دے گا کہ آپ کو بمبئی میں نیلوفر کلب سب سے زیادہ پسند ہے۔ آپ روزانہ رات کو ۸ بجے اسی کلب میں جاتے ہیں وہیں کھانا کھاتے ہیں۔"

لوگراج نے خوف سے آنکھیں پھیلا کر کہا۔ "زاہد صاحب! اس طرح تو آپ سچ مچ مجھے قتل کرانا چاہتے ہیں۔"

"نہیں، ایسا نہیں ہوگا۔ وہ کلب کے ڈائننگ ہال کو بم سے نہیں اڑا سکتا۔ آپ یہ خبر چھپنے کے بعد کل سات بجے ہی کلب میں چلے جائیں گے۔ میں بھی وہیں ہوں گا۔ آپ جانتے ہیں میں تجربہ کار جاسوس ہوں، میں آپ سے الگ رہ کر ہر آدمی پر نظر رکھوں گا۔ اور جو شخص بھی آپ کے قریب آنے کی کوشش کرے گا۔ میں اس کو گرفتار کر لوں گا۔"

"لیکن اگر وہ اندر نہ آیا۔ باہر چھپ کر میرا انتظار کرتا رہا تاکہ جب میں نکلوں تو مجھے گولی مار دے۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔ میں جانتا ہوں، کلب کا ایک پچھلا دروازہ بھی

ہے، جب تک جانا ہو گا ہم اس پچھلے دروازے سے نکل جائیں گے۔"

"نا بابا"۔ یوگراج نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میں اتنا بڑا خطرہ مول لینے کو تیار نہیں، میں آپ کی طرح بہادر نہیں ہوں بزدل ہوں اور بزدل ہی ٹھیک ہوں۔"

"مسٹر یوگراج"۔ زاہد نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

"میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ اب آپ بہادری دکھائیں یا بزدلی۔ قاتل آپ کو قتل کئے بغیر چین سے نہیں بیٹھے گا۔ اس لئے بہتر ہے کہ تھوڑی سی ہمت کر کے میری مدد کیجئے۔ مجھے یقین ہے اس طرح ہم قاتل کو پکڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

"اور اگر کامیاب نہ ہوئے؟"

"تو قاتل کامیاب ہو جائے گا"۔ زاہد نے کاندھے اچکا کر کہا۔

"اور آپ جانتے ہیں قاتل کے کامیاب ہونے کے کیا معنی ہیں۔؟"

"یعنی وہ ہم کو قتل کر دے گا۔"

"وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا جب تک ہم دونوں کو قتل نہ کر دے یا ہم اس کو گرفتار نہ کرا دیں۔"

"یہ میں کس مصیبت میں پھنس گیا۔"

"آئی ایم سوری یوگراج۔ مگر آپ جانتے ہیں آپ کو اس مشکل میں پھنسانے میں میرا کوئی ہاتھ نہیں، اسی کو قسمت کہتے ہیں۔"

یوگراج کچھ سوچتا رہا۔ پھر بولا:

"آپ کی بات سمجھ میں تو آتی ہے۔ واقعی اگر اسے یہ شک ہو گیا ہے کہ میں اسے شناخت کر سکتا ہوں تو وہ مجھے بھی قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"شکر ہے آپ سمجھے تو سہی۔"

"اچھا آپ یہ وعدہ کرتے ہیں کہ مجھے قتل نہیں ہونے دیں گے۔"

زاہد نے مسکرا کر کہا۔ "مسٹر یوگراج میں بھی آپ کی طرح انسان ہوں۔ اس لئے یہ وعدہ نہیں کر سکتا کہ آپ کو ہر حال میں بچا لوں گا۔ البتہ یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے تجربہ کو کام میں لاتے ہوئے اپنے آپ کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا بلکہ اگر آپ کو بچانے میں میری زندگی بھی چلی جاتی ہے تو مجھے پرواہ نہ ہو گی۔ یہ میرا پکا وعدہ ہے۔"

"اچھا مجھے سوچنے دیجئے۔ مس سیما پلیز کافی اور منگا دیجئے۔ کرنل صاحب نے تو یہ باتیں سنا کر میری جان نکال دی ہے۔"

سیما فون اٹھا کر کافی کا آرڈر دینے لگی۔ یوگراج جیب سے سگریٹ نکال کر سلگانے لگا۔ کافی آنے تک یوگراج چپ بیٹھا رہا۔ پھر جب کافی آ گئی تو وہ بولا:

"میں نے سوچ لیا ہے کرنل صاحب۔ میں آپ کی اسکیم کے مطابق اپنے آپ کو قربانی کا بکرا بنانے کو تیار ہوں۔"

"یہ آپ نے بالکل صحیح فیصلہ کیا۔ میں اپنے رپورٹر دوست کو فون کرتا ہوں اور اسے بتا دیتا ہوں کہ صبح اسے کیا چھاپنا ہے۔"

"لیکن ایک بات آپ بھول رہے ہیں۔"

"کیا۔؟"

"وہ رات کو ہی مجھ پر حملہ کر کے مجھے قتل کر سکتے ہیں۔"

"یہ میں نے سوچ لیا ہے رات کو آپ اس ہوٹل میں نہیں رہیں گے جس میں ٹھہرے ہوتے ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ یہاں سے اٹھ کر پہلے سیدھے اپنے ہوٹل جائیں وہاں ایک کاغذ کے لفافے میں سلیپنگ سوٹ اور دوسری ضروری چیزیں رکھیں اور ہو سکے تو ہوٹل کے پچھلے دروازہ سے نکل کر ہوٹل پلازہ میں چلے جائیے اور وہاں ایک کمرہ لے کر رات وہاں گزاریئے، اس طرح رات کو محفوظ رہیں گے۔ سارا دن آپ وہیں رہیئے اور شام کو سات بجے ٹیکسی لے کر نیلوفر کلب پہنچ جائیے۔ وہاں میں پہلے سے موجود ہوں گا اور آپ کا انتظار کر رہا ہوں گا۔"

"یہ ٹھیک ہے"۔ یوگراج بولا:

"میں ایسا ہی کروں گا۔"

"بس تو میں رپورٹر کو فون کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر زاہد ایک نمبر ملانے لگا۔

☆☆☆

روپی کو اس کا جیل کا ساتھی مل گیا تھا۔ اس کا نام ملا تھا۔ اصل نام بیربل تھا لیکن ملا کے نام سے مشہور تھا۔ اسے قتل کرنے میں مہارت تھی اگرچہ اس کی عمر چوبیس کے لگ بھگ ہو گی۔ مگر بالکل لڑکا سا لگتا تھا اور انسانوں کو قتل کر کے اس کو خوشی ملتی تھی ایک طرح سے وہ نفسیاتی مریض تھا۔

بمبئی آتے ہی کمو نے روپی کو پندرہ ہزار روپے دے دیئے تھے اور باقی پندرہ ہزار روپی نے دو دن پہلے ہی لے لئے تھے۔ دو تین دن سے روپی ساٹھے کے کلب بھی جا رہا تھا۔ لیکن آج صبح سے ہی روپی اور ملا دونوں غائب تھے۔ دوپہر کو بھی نہیں آئے تھے۔ اگرچہ وہ دونوں کہہ گئے تھے کہ وہ شام تک آ جائیں گے لیکن کمو فکر مند تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ساٹھے کے کلب میں ڈاکا ڈالنے کا پورا پروگرام مکمل ہو چکا تھا۔ کل رات کو سب کچھ ہو جانا تھا۔ کمو نے دو سیٹیں کولمبو کے لئے ہوائی جہاز میں ریزرو کروا رکھی تھیں۔ اس کا تیس ہزار روپیہ ان تیاریوں پر لگ چکا تھا یہی اس کی زندگی بھر کی کمائی تھی۔ اس لئے کمو زیادہ فکر مند تھی۔ وہ جانتی تھی اگر اس کی یہ اسکیم ناکام رہی تو وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی۔ اور شاید اس بار اسے باقاعدہ بازار کی زینت بننا پڑے۔

وہ جانتی تھی روپی اگرچہ ذہین ہے لیکن وہ محسوس کر رہی تھی کہ روپی کے ذہن پر کچھ اور بھی بوجھ ہے اُسے یہ بھی احساس تھا کہ اس نے روپی اور بلے سے کہہ دیا تھا کہ جب تک ان کا ڈاکے والا پراجیکٹ نہ ختم ہو جائے۔ اس وقت تک وہ کوئی اور کام نہیں کریں گے۔ لیکن وہ ان دونوں پر بھی مکمل بھروسہ نہیں کر سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی وہ صبح سے پریشان تھی۔ کل رات اس کی زندگی کا سب سے اہم دن تھا۔ اور آج وہ دونوں غائب تھے۔

سات بجے تک وہ نہ آئے تو کمو کی فکر اور بڑھ گئی۔ اور اس نے دونوں کو تلاش کرنے کا فیصلہ کیا۔ بمبئی میں کمو نے ایک فلیٹ لے رکھا تھا۔ روپی اسی کے ساتھ رہتا تھا۔ بلا ایک ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ فلیٹ کی ایک چابی اس نے روپی کو دے دی تھی۔ دروازہ کو تالا لگا کر وہ روپی کی تلاش میں نکل گئی۔ تلاش بھی کہاں کر سکتی تھی۔ اس نے سوچا دونوں کسی بار میں بیٹھے شراب پی رہے ہوں گے اس لیے اس نے باروں میں ان کو تلاش کرنا شروع کیا۔

دس بجے تک وہ اس کو نظر نہ آئے۔ دس بجے اسے بھی بھوک لگنے لگی۔ اس لئے وہ ایک ہوٹل میں کھانا منگا کر کھانے لگی۔ ہوٹل میں ریڈیو بج رہا تھا۔ ایک گانا ختم ہوا تو ریڈیو اناؤنسر نے کہا۔

اب آپ خبریں سنیئے۔ ابھی ابھی معلوم ہوا ہے کہ نیشنل فر کلب کے باہر ایک کار کے انجن میں بم پھٹا ہے جس سے ایک نوجوان لڑکا مر گیا ہے۔ پتہ چلا ہے کہ کار کسی صاحب مسٹر زاہد خان کی تھی۔ جو حادثہ کے وقت کلب میں بیٹھے تھے اور جو لڑکا مرا ہے وہ کار چرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ پولیس افسر نے پریس کو بتایا کہ کار کے انجن میں بم رکھ کر اس کا کنکشن انجن چلانے والے تاروں سے کر دیا گیا۔ کوئی شخص مسٹر زاہد کو قتل کرنا چاہتا تھا یعنی جب وہ کلب سے واپس جاتے اور اپنی کار میں بیٹھ کر انجن چلاتے تو بم پھٹ جاتا اور وہ مر جاتے۔ لیکن ان کی خوش قسمتی سے ایک نوجوان لڑکے نے ان کی کار چرانے کی کوشش کی۔ ایک تار کے ذریعے کنکشن ملا کر اس نے جیسے ہی انجن چلایا بم پھٹ گیا اور وہ مر گیا...

یہ خبر سن کر کمو کا ہاتھ جہاں تھا وہیں رک گیا تھا۔ اس کے ذہن میں تیرہ سال پہلے کے واقعات گھوم گئے تھے۔ تیرہ سال پہلے ایک شخص کیپٹن زاہد نے ہی روپی کو گرفتار کرا کے بیس سال کی سزا کرائی تھی۔

کیا یہ شخص زاہد خان وہی کیپٹن زاہد ہے۔ کمو نے سوچا۔ روپی کو کیپٹن زاہد پر غصہ ضرور ہو گا اور جیل سے نکل کر وہ اپنا بدلہ لینے کے بارے میں ضرور سوچتا ہو گا۔

"تو کیا روپی جو کبھی کبھی اپنے خیالوں میں کھو جاتا ہے، یہی سوچتا ہے کہ وہ کیپٹن زاہد کو کس طرح قتل کرے۔ اور اگر جس پر حملہ ہوا ہے، وہی کیپٹن زاہد ہے تو کیا حملہ کرنے والا روپی ہی تھا۔ کیا اسی لئے وہ دونوں صبح سے غائب ہیں۔"

سینکڑوں سوال کمو کے ذہن میں چکرانے لگے تھے۔ وہ سوچنے لگی۔

اگر اس حملے میں روپی کا ہاتھ ہے تو یہ بہت برا ہو گا۔ ایک دن میں بہت کچھ ہو سکتا ہے کیا وہ ایک دن اور صبر نہیں کر سکتا تھا۔ کل کا دن گزرنے کے بعد روپی جہنم میں چلا جائے تو مجھے پرواہ نہیں۔

کمو کی بھوک بھاگ چکی تھی۔ اس نے بل منگوایا اور واپس چل دی۔

پونے بارہ بجے وہ اپنے فلیٹ پر پہنچی۔ فلیٹ میں روشنی تھی، اس کا مطلب ہے روپی آ چکا تھا۔ اندر سے روپی اور بلے کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ فلیٹ کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ وہ آہستہ سے اندر داخل ہوئی۔ وہ دونوں پرلے والے کمرے میں تھے۔ دبے قدموں سے چلتی وہ دروازہ تک پہنچی وہ جاننا چاہتی تھی کہ دونوں کیا باتیں کر رہے ہیں۔

اس نے چابی کے سوراخ سے جھانک کر دیکھا۔ دونوں کے درمیان شراب کی بوتل رکھی تھی اور روپی کہہ رہا تھا۔

"پتہ نہیں وہ کم بخت لڑکا کہاں سے آ مرا۔ اس نے میرے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ ورنہ میری اسکیم ایسی تھی کہ آج وہ نہیں بچ سکتا تھا۔"

"تمہیں اس سے بہت نفرت ہے۔" بلے نے پوچھا۔

"نفرت نہیں۔ بس میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اس کھلے آسمان کے نیچے ہم دونوں میں ایک ہی رہ سکتا ہے کسی ایک کو مرنا ہو گا۔"

"تمہیں کسی نے دیکھا تو نہیں تھا۔"

"دیکھا بھی ہو گا تو کیا ہے۔ اس وقت میں موٹر مکینک کی وردی میں تھا۔ چھجے دار ٹوپی میں نے ماتھے پر جھکا رکھی تھی اور چہرے پر گریس کے دھبے لگائے تھے۔"

"یہ بم کتنے کا ملا تھا؟" بلے نے سوال کیا۔

"پانچ ہزار کا۔"

"کہاں سے...؟"

"تمہیں اس سے کیا غرض۔ میں اپنا راز تو تمہیں نہیں بتا سکتا۔"

"او۔ کے۔ او۔ کے۔" بلے نے وہسکی کا گھونٹ لے کر کہا۔

"مجھے تمہارے راز جاننے کی ضرورت بھی نہیں۔ تم مجھے بس

دو گے۔ بس اتنا کافی ہے۔"

"تم دس ہزار لے چکے ہو۔"

"ہاں۔ اور اگر کلب والا معاملہ کامیاب رہا تو بیس فیصد وہاں سے دو گے۔"

"ہاں۔"

"بس تو میرے لئے اتنا کافی ہے۔ اب صبح کا پروگرام بتاؤ۔"

"صبح وہ نہیں بچ سکتا۔" روپی بولا۔

"وہ ہوٹل پاکیزہ میں ٹھہرا ہوا ہے اور ٹھیک نو بجے اپنے ہوٹل سے نکل کر اپنی سیکریٹری سیما کے ہوٹل جاتا ہے۔"

"تمہیں یہ باتیں کیسے معلوم ہوئیں۔"

"میں انشورنس ایجنٹ بن کر ہوٹل کے منیجر سے ملا تھا۔ اس سے باتوں باتوں میں معلوم کر لیا۔ میں نے منیجر سے کہا مسٹر زاہد بہت بڑے آدمی ہیں۔ ان کا بیمہ مجھے مل جائے تو بہت فائدہ ہو گا منیجر کو میں نے کچھ کمیشن دینے کا لالچ بھی دیا تھا تب اس نے بتایا کہ مسٹر زاہد روز صبح کو ٹھیک نو بجے ہوٹل سے جاتے ہیں۔"

"تو ہمیں آٹھ بجے پوزیشن لے لینی ہو گی۔"

"ہاں۔"

"لیکن ہو سکتا ہے آج کے واقعہ کے بعد پولیس اس کی حفاظت کرے۔"

"وہ تو کرے گی۔"

"پھر ہم کیا کریں گے۔"

"کچھ نہیں۔ اس بار میں کار ڈرائیو کروں گا۔ تم ٹامی گن لے کر پچھلی سیٹ پر بیٹھنا۔ گاڑی چوری کی ہو گی۔ تمہارے سنہرے بال نقلی ہیں۔ ٹھیک نو بجے جب وہ اپنے ہوٹل سے باہر نکلے تو تم اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دینا۔ اسے زندہ نہیں رہنا چاہئے۔ کار حرکت میں رہے گی۔ ہم پولیس کی کار کو پہلے سے پہچان کر نظر میں رکھیں گے۔ زاہد پر گولیاں چلانے کے بعد تم ٹامی گن کا رخ پولیس گاڑی کے پہیوں کی طرف کر دینا۔ اس طرح وہ ہمارا پیچھا نہیں کر سکیں گے۔ کچھ دور جا کر ہم چوری کی گاڑی کہیں چھوڑ دیں گے۔ اور یہاں واپس آ جائیں گے۔"

ان کی یہ باتیں سن کر کمو سناٹے میں رہ گئی تھی۔ وہ سوچنے لگی۔

"تو روپی مجھے ڈبل کراس کر رہا ہے، میرا روپیہ اس نے زاہد کو قتل کرنے کی اسکیم پر لگا دیا ہے وہ میرے ساتھ ڈبل گیم کھیل رہا ہے۔"

یہ سوچتے ہوئے کمو نے دروازہ کھولا اور کمرے میں داخل ہو گئی۔

کمو کو دیکھتے ہی روپی نے بلّے کو آنکھ ماری اور زور سے نعرہ مارا۔

"اوہ ہیلو ڈارلنگ۔ تم کہاں تھیں۔ ہم آج جشن منا رہے ہیں۔" کمو نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جشن کس بات کا منا رہے ہو۔ اپنی ناکامی کا یا میرا روپیہ ضائع کرنے کا یا مجھ سے جھوٹ بولنے کا۔"

چند لمحوں کے لئے کمرے میں سناٹا چھایا رہا۔ پھر روپی بولا۔

"کیسی ناکامی اور میں نے جھوٹ کیا بولا ہے۔"

"اب اور زیادہ مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو۔ روپی مجھے معلوم ہے آج شام نیلوفر کلب میں کرنل زاہد پر جو ناکام قاتلانہ حملہ ہوا ہے وہ تم نے کیا تھا۔ تم نے میری اسکیم پر کام کرنے کی بجائے میرا روپیہ کرنل زاہد کو قتل کرنے کی اسکیم پر لگایا ہے۔ میرے روپے سے تم نے ٹامی گن خریدا ہے۔ میرا روپیہ دے کر تم نے بلّے کو صرف اس لئے بلایا ہے کہ تم کرنل زاہد کو قتل کر کے اپنے انتقام کی آگ بجھا سکو۔ تمہیں اپنے اور میرے مستقبل سے کوئی غرض نہیں۔ تمہیں اس دس لاکھ روپیہ کی قطعی پرواہ نہیں جس پر میری زندگی کا دارومدار ہے اور جسے حاصل کرنے کی میں کئی مہینوں سے اسکیمیں بنا رہی ہوں۔"

روپی نے اچانک گھمبیر ہوتے ہوئے کہا۔

"اوکے کمو! میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے زاہد کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ بچ گیا۔ لیکن قسمت ہمیشہ کسی کا ساتھ نہیں دیتی۔ آج وہ بچ گیا تو کل وہ نہیں بچ سکتا۔"

"کل تم اس کو ٹامی گن سے قتل کرنے کا پروگرام بنا چکے ہو۔"

"ہاں۔"

"کیا تم اس پروگرام کو پرسوں پر نہیں ٹال سکتے۔ پہلے تمہیں اپنی ساری توجہ کل کے ہمارے پروگرام پر دینی چاہئے۔ ہم ایک ہفتہ پہلے پروگرام بنا چکے ہیں کہ کل رات ہم ساٹھے کے کلب میں ڈاکہ ڈالیں گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ ہمارا رات کا پروگرام اسی طرح رہے گا جس طرح ہم طے کر چکے ہیں تم نے کبھی ایک تیر سے دو شکار مارنے کا محاورہ سنا ہے، ہم بھی کل دو شکار کھیلیں گے۔ ایک زاہد کا اور دوسرے ساٹھے کا۔"

"تم احمق ہو۔" کمو ایک دم چلا پڑی۔

"مجھے اس وقت تم پر اتنا غصہ ہے روپی کہ اگر میرے پاس

ریوالور ہوتا تو میں تمہیں قتل کر دیتی۔"

بلّے نے آنکھ دبا کر کہا "تمہیں گولیاں چلانے کی ضرورت کیا ہے کمو بس آنکھ مار دو بے چارہ روپی مر جائے گا۔"

"بکواس مت کرو۔ تم دونوں بے وقوف ہو۔ تمہیں پتہ نہیں پولیس اب زاہد کی حفاظت کر رہی ہوگی۔"

"ہمیں پتہ ہے۔" روپی بولا "لیکن پولیس ہمیں پکڑ نہیں سکے گی ہم نے اسکیم کے ہر کمزور پہلو پر سوچ لیا ہے۔"

"گویا تم زاہد کو قتل کرنے کی اسکیم کو ایک دن کے لئے آگے نہیں بڑھا سکتے۔"

"نہیں کمو، میں فیصلہ کر چکا ہوں ہم کل ہی اس کو قتل کریں گے لیکن تم فکر نہ کرو۔ زاہد کو قتل کرتے ہی میں اپنی ساری توجہ ڈاکے پر لگا دوں گا۔"

کمو نے بے بسی سے کہا:

"آل رائٹ میں تمہاری بات مان لیتی ہوں۔ لیکن کبھی تم نے ننانوے فیصد کامیابی میں ایک فیصد ناکامی کا محاورہ سنا ہے۔ فرض کرو کل تمہارے معاملہ میں وہی ایک فیصد ناکامی آجاتے، زاہد پھر کسی وجہ سے بچ جاتے۔ تم پکڑے جاؤ۔ یا پولیس تمہیں یا بلّے کو پہچان لے پھر کیا ہوگا؟"

روپی نے گلاس میں شراب انڈیلتے ہوئے کہا:

"فرض کرو رات کو میرا یا بلّے کا ہارٹ فیل ہو جاتے۔ یا تم مر جاؤ تو پھر کیا ہوگا۔ جب بھی تو تمہیں اپنی اسکیم چھوڑنی پڑے گی۔ ویسے تم فکر نہ کرو کمو۔ تم جانتی ہو میں کوئی اسکیم نامکمل نہیں بناتا۔ یہ تو میری بدقسمتی تھی کہ تیرہ سال پہلے زاہد کو ایک چشم دید گواہ مل گیا تھا۔ یہ زاہد کی خوش قسمتی تھی کہ وہ احمق لڑکا اس کی کار چرانے آگیا — دونوں بار اتفاق سے مجھے ناکامی ہوئی ہے۔ میری اسکیم میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔"

"وہی تو میں بھی کہہ رہی ہوں۔" کمو نے جھنجلا کر کہا "فرض کرو کل پھر اتفاق سے تم ناکام رہ گئے تو کیا ہوگا؟"

"کچھ نہیں ہوگا تم فکر مت کرو۔ صبح سب ٹھیک ہو جائے گا۔ لاؤ اپنے لئے ایک گلاس اٹھا لاؤ اور ہمارے ساتھ جشن مناؤ —"

"نہیں —" کمو نے اٹھتے ہوئے کہا "میں آج نہیں پیوں گی، میں سونے جا رہی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھ کر اپنے سونے کے کمرے میں آگئی۔ اس کے جانے کے بعد بلّا بولا:

"اسے صرف روپے کی پرواہ ہے۔"

"روپے کی پرواہ کسے نہیں ہوتی۔ تم بھی تو یہ سب کچھ روپے کی خاطر کر رہے ہو۔ مگر مجھے روپے سے زیادہ زاہد کی جان لینے کی فکر ہے۔"

"فکر نہ کرو وہ صبح ختم ہو جائے گا۔ کل رات کے لئے کیا پروگرام ہے۔"

"وہی جو ہم طے کر چکے ہیں۔ میں اور کمو پہلے کلب جائیں گے۔ میں جوا کھیلوں گا۔ تم ٹھیک گیارہ بجے ٹیلیفون کے تار کاٹ دو گے پھر تم ٹیلیفون کمپنی والوں کی طرح وردی پہن کر اوزاروں کا تھیلا کاندھے پر ڈال کر فون ٹھیک کرنے کے بہانے آؤ گے۔ تھیلے میں تمہاری ٹامی گن ہوگی۔ پہلے ساٹھے کے کمرے میں جاؤ گے میں تمہارے پیچھے آجاؤں گا۔ اگر ساٹھے نے بغیر کسی مزاحمت کے روپیہ ہمیں دے دیا تو ہم اس کو بے ہوش کر کے پیچھے سے نکل جائیں گے اور اگر کوئی ہنگامہ کھڑا ہو گیا تو تم ٹامی گن دکھا کر سب کو ایک کمرے میں اکٹھا کر کے بند کر دو گے۔"

"اور بعد میں کیا ہوگا۔؟ میرا مطلب ہے روپیہ کیسے تقسیم ہوگا؟"

"کمو نے جہاز کے دو ٹکٹ ریزرو کروا رکھے ہیں۔ ہم ائرپورٹ جاتے ہوئے راستے میں ہی روپیہ تقسیم کر لیں گے۔ تم جہاں کہو گے ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔ تم سیدھے پہلے اپنے ہوٹل جانا پچھلے دروازے سے اپنے کمرے میں جا کر اس لوشن سے اپنے بالوں کو دھونا جو میں نے تمہیں دیا ہوا ہے۔ میں نے کیمیکل سے تمہارے بال بالکل سنہرے کر دیئے۔ کلب میں بھی سب لوگ تمہیں سنہرے بالوں سے ہی شناخت کریں گے۔ شہر کی پولیس سنہرے بالوں والے ایک نوجوان کی تلاش میں ہوگی۔ کمرے پر جا کر تم لوشن لگاؤ گے تو تمہارے بال کالے ہو جائیں گے۔ ضرورت سمجھو تو تم وہ چھوٹی مونچھیں بھی لگا لینا۔ اور گال پر ایک نقلی مسّہ لگا لینا۔ اس کے بعد تم آرام سے بمبئی کی سڑکوں پر گھومتے پھرنا کوئی تمہیں نہیں پہچانے گا۔"

بلّے نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا:

"کیا تم کمو سے محبت کرنے لگے ہو؟"

"نہیں تو۔"

"تو پھر میں کچھ دیر کے لئے اس کے کمرے میں ہو آؤں۔"

"نہیں۔" روپی نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"کیوں، جب تم اس سے محبت نہیں کرتے تو تمہیں کیا اعتراض ہے۔ کمو کوئی پارسا عورت تو ہے نہیں۔"

"مجھے معلوم ہے لیکن اس وقت کمو کا موڈ خراب ہے۔ تم نشہ میں ہو بات بڑھ گئی تو وہ ہمارے صبح کے پلان کو ناکام بنا سکتی ہے۔ اگر اس نے ایک فون پولیس کو کر دیا کہ صبح کو کیا ہونے والا ہے۔

تو میری ساری اسکیم رکھی رہ جائے گی۔ کمو سچ کہتی تھی میں نے اس کا سارا زور یہ زاہد کو قتل کرنے کی اسکیم پر لگا دیا ہے۔ تمہارے پاس اب روپیہ ہے اور بمبئی میں عورتوں کی کمی نہیں ہے۔"

"تم دونوں یہ ملک چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔"

"ابھی کچھ طے نہیں لیکن فی الحال ہم دونوں سیلون جا رہے ہیں کمو بہت چالاک ہے۔ ایک ہی ہفتہ میں اس نے میرا پاسپورٹ بنوا دیا۔"

بلے نے ہنس کر کہا:

"ہمارا ملک زندہ باد یہاں جو چاہو پیسے دے کر ہو جاتا ہے اب مجھے ہی دیکھ لو۔ اس وقت تک سات آدمیوں کو قتل کر چکا ہوں اور میرا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔"

▲

"مجھے قتل سے ہمیشہ نفرت رہی ہے۔" روپی بولا: "آخری ڈاکے میں جو آدمی مجھ سے مرا تھا وہ بھی محض اتفاق تھا مجھے اس کی موت کا افسوس ہے۔"

"لیکن زاہد کو تم خود قتل کرنا چاہتے ہو۔"

"اسلئے کہ اگر وہ نہ ہوتا تو میں گرفتار نہ ہوتا اور میں گرفتار نہ ہوتا تو اپنے پلان کے مطابق ڈاکوں سے ایک کروڑ کے لگ بھگ روپیہ اکٹھا کر کے باقی زندگی شریفوں کی طرح گذار دیتا۔ لیکن زاہد نے میری ساری زندگی برباد کر دی۔ وہ روپیہ بھی گیا اور زندگی کے تیرہ سال بھی ضائع ہو گئے۔ اس لئے اب اس کو قتل کر کے ہی میرے اندر کی آگ بجھ سکتی ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے گلاس منہ سے لگا لیا اور دل کی آگ کو شراب کے نشے میں غرق کرنے لگا۔

٭ ٭ ٭

کمو کو آدھی رات تک نیند نہ آ سکی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ روپی اور بلا کل زاہد پر حملہ کریں اسے زاہد سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ وہ تو لیں یہ چاہتی تھی کہ رات کو اس کا ڈاکہ کامیاب ہو جائے۔ اس کے بعد روپی زاہد کو قتل کرتے ہوئے خود بھی مارا جائے تو اسے غرض نہیں تھی۔ لیکن روپی سے باتیں کرنے کے بعد وہ سمجھ گئی تھی کہ کم از کم باتوں کے ذریعہ روپی کو نہیں روکا جا سکتا تھا۔

سوچتے سوچتے آخر ایک ترکیب اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ صبح ہر قیمت پر روپی کی اسکیم کو ناکام بنانے کی کوشش کرے گی۔ اسی طرح سوچتے ہوئے اسے نیند آ گئی۔

٭ ٭ ٭

صبح سات بجے ہی روپی اٹھ بیٹھا اگرچہ وہ کافی دیر سے سویا تھا۔ لیکن اس کے ذہن پر انتقام اس بری طرح چھایا ہوا تھا کہ اندرونی طور پر وہ بے چین تھا۔ ساڑھے سات بجے وہ نہا دھو کر تیار ہو گیا خود ہی اس نے ناشتہ تیار کیا۔ آٹھ بجے کمو اٹھ کر آئی تو اس نے کہا۔

"کمو میں جا رہا ہوں۔ تم فکر نہ کرنا دس بجے میں واپس آ جاؤں گا۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ آج رات ساتھ کے کلب میں ڈاکہ ضرور پڑے گا۔ میری دونوں اسکیمیں اپنی جگہ مکمل ہیں، اس بار میں ناکام نہیں رہ سکتا۔ ٹھیک نو بجے زاہد ہوٹل سے باہر آتا ہے وہ جیسے ہی باہر آئے گا، دو منٹ میں کام ختم کر کے ہم واپس آ جائیں گے۔"

کمو نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اسے کیا کرنا ہے۔

ٹھیک سوا آٹھ بجے بلا آ گیا۔ وہ پروگرام کے مطابق ایک گاڑی چرا لایا تھا۔ روپی اسی وقت بلا کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

نو بجنے میں بارہ منٹ باقی تھے۔ کہ وہ لوگ ہوٹل کے سامنے چکر کاٹ کر یہ دیکھ گئے تھے کہ ان کو کس جگہ گاڑی کھڑی کرنی ہے اور جب زاہد ہوٹل سے باہر آئے گا تو گاڑی کس طرح گھما کر اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کرتے ہوئے گزرنا ہے۔

پولیس کی گاڑی بھی موجود تھی جسے روپی نے فوراً پہچان لیا تھا۔ اب روپی گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور سنہرے بالوں والا بلا پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ اس کی گود میں وائلن کا سا بکس رکھا تھا جس میں ٹامی گن رکھی تھی۔ روپی نے شیشے میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ نیلے رنگ کی ایمبیسیڈر جو کھڑی ہے اس میں پولیس والے ہیں۔ زاہد پر گولیاں چلانے کے بعد ٹامی گن کا رخ اس ایمبیسیڈر کے پہیوں کی طرف کر دینا تاکہ وہ ہمارا پیچھا نہ کر سکیں۔"

"اور اگر زاہد کے ساتھ کوئی اور ہوا تو۔؟"

"تو بھی پرواہ نہیں۔ زاہد کو مرنا چاہیے اگر وہ اپنے ساتھ دو چار کو لے کر مرنا چاہتا ہے تو مجھے پرواہ نہیں ہے۔"

روپی نے مقررہ مقام پر جا کر گاڑی روک دی اور سگریٹ سلگا کر انتظار کرنے لگا۔

٭ ٭ ٭

نو بجنے میں دس منٹ باقی تھے کہ ایک ٹیکسی ہوٹل سے کچھ فاصلے پر آ کر رکی۔ کمو ٹیکسی سے اتری۔ وہ بھڑکدار ساڑھی پہنے ہوئے تھی۔ خوب میک اپ کیا ہوا تھا۔ وہ دوکانوں کی آڑ میں چلتی ہوٹل کے دروازہ تک آئی اور ایک جگہ رک کر اس نے دیکھا۔ آخر اسے روپی کی گاڑی نظر آ گئی۔ پھر اس نے ہوٹل کے دروازہ کی طرف دیکھا۔

اپنے دماغ میں ہی پورا نقشہ جمایا۔ اور سوچا۔

زاہد نو بجے نکلے گا۔ روپی کو گاڑی گھما کر لانی ہوگی۔ جب تک زاہد کاؤنٹر کے پاس سے گزرتا ہوا باہر سڑک پر آئے گا۔ روپی کی کار بھی ہوٹل کے سامنے آچکی ہوگی۔ زاہد ٹھیک اس وقت نشانہ پر ہوگا۔ لیکن اگر زاہد مر گیا اور پولیس نے روپی کی گاڑی کا پیچھا کرکے اس کو پکڑ لیا۔ یا کسی نے روپی اور بلے کو پہچان لیا تو پھر وہ دونوں رات کو آزادی سے کلب نہیں جائیں گے اور ڈاکے کا پروگرام فیل ہو جائے گا۔ اس نے پولیس کی گاڑی بھی پہچان لی تھی۔ آگے بڑھ کر وہ ایسی جگہ کھڑی ہوگئی جہاں سے وہ ہوٹل کے دروازہ پر بھی نظر رکھ سکتی تھی اور روپی کی کار پر بھی۔ اس وقت اس کا دل دھک دھک ہو رہا تھا کیونکہ آنے والے چند منٹ میں نجانے کیا ہونے والا تھا۔

* * *

ٹھیک نو بجے زاہد اپنے کمرے سے نکلا تالا لگا کر نیچے آیا۔ کاؤنٹر پر چابی رکھ کر اس نے پوچھا۔

"میرا کوئی پیغام یا خط تو نہیں۔"

"نو سر۔" کلرک نے مسکرا کر کہا،

"کیا آپ نے اپنا بیمہ کرا لیا سر۔"

"بیمہ۔" زاہد نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں، ہفتہ بھر پہلے ایک بیمہ ایجنٹ روز آتا تھا اور آپ سے ملنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ آپ کس وقت ہوٹل سے چلتے ہیں تاکہ وہ آپ سے کچھ بات کر سکے۔ اسے ڈر تھا اگر اس نے آپ کے کمرے پر جا کر بتایا کہ وہ بیمہ ایجنٹ ہے تو آپ اسے اندر گھسنے بھی نہیں دیں گے۔"

"میرے پاس تو کوئی ایجنٹ نہیں آیا۔" زاہد نے جواب دیا۔ "اور نہ ہی میں بیمہ کرانے کے حق میں ہوں۔"

"پھر تو وہ بے چارہ نقصان میں رہے گا۔" کلرک نے ہنس کر کہا "اور میں بھی۔"

"وہ کیسے۔؟" زاہد نے حیرت سے کہا۔

"اس لئے کہ اس نے آپ کا روزانہ کا پروگرام جاننے کیلئے مجھے سو روپے دیئے تھے اور یہ بھی کہا تھا کہ اگر آپ نے بیمہ کرا لیا تو وہ مجھے آپ کے پہلے پریمیم میں سے بھی کچھ کمیشن دے گا۔"

زاہد نے قہقہہ لگا کر کہا،

"تو یہ بات ہے تم بھی آس لگائے بیٹھے تھے۔"

پھر اچانک زاہد کا قہقہہ اس کے حلق میں ہی گھٹ گیا۔ اور اس کے ذہن میں خیال آیا۔

"فرض کرو وہ شخص انشورنس ایجنٹ نہ ہو بلکہ قاتل ہو جو اس کا پروگرام معلوم کرکے اس کو قتل کرنے کا پروگرام بنانا چاہتا ہو۔"

زاہد یکدم سنجیدہ ہو گیا اس نے کلرک سے کہا۔

"تمہیں اس طرح کسی سے روپیہ نہیں لینا چاہیئے۔ کبھی بہت پچھتانا پڑے گا۔" یہ کہہ کر وہ دروازہ کی جانب بڑھ گیا۔ کلرک بے چارہ منہ کھولے اس کو دیکھتا رہا۔

روپی نے زاہد کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے بلے سے کہا۔

"ریڈی۔ وہ آ رہا ہے۔"

بلے نے گود میں رکھے ڈبے کو کھول کر ٹامی گن نکال لی۔ روپی نے انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی آگے بڑھا کر گھمانی شروع کی۔

"آہستہ۔" بلا بولا۔

"جلدی کرنے کی ضرورت نہیں وہ کلرک سے باتیں کر رہا ہے"

"تم تیار رہو۔" روپی بولا،

"مجھے کام کرنے دو۔"

"میں تیار ہوں۔"

* * *

پولیس کی کار میں بیٹھے ہوئے ایک حوالدار نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"ہوشیار ہو جاؤ۔ وہ باہر آ رہا ہے۔ ہمیں اس کا تعاقب کرنا ہوگا۔"

حوالدار کے ساتھی نے کار کا انجن اسٹارٹ کر دیا اور تیار ہو کر بیٹھ گیا۔

کمو نے بھی زاہد کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے نظروں سے فاصلہ ناپا۔ دل ہی دل میں حساب لگایا اور ہوٹل کے دروازہ کی طرف چل دی۔ اس کے قدم بڑھاتے ہی روپی کی کار اپنی جگہ سے کھسک چکی تھی۔ اس کا پروگرام یہ تھا کہ جب زاہد ہوٹل سے باہر نکلے گا تو وہ ہوٹل میں داخل ہونے کی کوشش کرے گی اور جان بوجھ کر زاہد سے ٹکرا کر اس کو روکنے کی کوشش کرے گی۔ روپی اس کو دیکھ کر زاہد پر گولیاں چلانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ گھر جا کر وہ اس سے لڑے گا، مگر وہ لڑائی اچھی ہے۔ زاہد کو تو وہ کل بھی قتل کر سکتا ہے۔"

یہ سوچتے ہوئے وہ دروازہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

* * *

زاہد کلرک سے بات کرکے پلٹا اس کا ذہن انشورنس ایجنٹ کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ اسی سوچ میں وہ ہوٹل کے پھاٹک تک پہنچا۔

سب سے پہلے اس کی نظر کمو پر پڑی۔ اس کی سوچ کا دھارا بدل گیا۔ اُس نے خود سے کہا:

"کیا عورت ہے۔ صبح کو نو بجے ایسا لباس پہن کر نکلی ہے جیسے کسی پارٹی میں جا رہی ہو۔ کم از کم یہ ہوٹل میں ملازم نہیں ہے۔ نہ ہی یہاں رہتی ہے۔"

وہ عورت کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اس نے ایک کار گھوم کر آتے دیکھی۔ عورت اب اس کے قریب آ چکی تھی۔ مشکل سے دو گز کا فاصلہ رہ گیا ہوگا کہ زاہد کی نظر عورت کے کاندھے سے ہوتے ہوئے پیچھے والی کار پر پڑی۔

سب سے پہلے اُس نے سنہرے بالوں کی جھلک دیکھی اور پھر ہلکے نیلگوں رنگ پر سورج کی کرن چمکی۔ کمپیوٹر کی طرح کام کرنے والے اس کے دماغ نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں سمجھ لیا کہ کیا ہونے والا ہے۔ سنہرے بال دیکھ کر اُس کو یوگراج کی بات یاد آ گئی۔ اور نیلگوں رنگ کی چمکتی چیز کو پہچان لیا کہ کیا ہو سکتی ہے۔

بھڑک دار لباس والی عورت بالکل بیچ میں تھی۔ زاہد کے ذہن نے خطرہ کو محسوس کرتے ہی اپنے جسم کو حرکت کرنے پر مجبور کر دیا اچانک زاہد نے چھلانگ لگائی۔ اس کا جسم عورت کے جسم سے ٹکرایا۔ اور دونوں فرش پر گر کر ایک طرف کو لڑھک گئے۔

⁂ ⁂ ⁂

روپی گاڑی کو جیسے ہی گھما کر لایا۔ اس کی نظر کمو پر پڑی۔ اس کے منہ سے ایک موٹی سی گالی نکلی۔ اس نے فوراً سمجھ لیا کہ کمو یہاں کیا کر رہی ہے۔ اسی وقت بلے نے بھی کمو کو دیکھ لیا اور اس نے گھبرا کر کہا۔

"روپی — کمو۔"

"کُتیا کمینی —" روپی بولا: "تم ہاتھ مت روکنا۔ اگر وہ زاہد کے ساتھ مرنا چاہتی ہے تو مرنے دو۔"

"او کے باس۔"

کار جیسے ہی زاہد کے سامنے پہنچی۔ بلے نے کھڑکی سے اپنا سر اور ہاتھ باہر نکال کر ٹامی گن کا ٹریگر دبا دیا۔

لیکن اس کے ہاتھ باہر نکالتے ہی زاہد کمو پر چھلانگ لگا چکا تھا گولیاں سامنے کی دیوار اور زمین پر — پر خاک دھول اُڑاتی چلی گئیں۔ گاڑی حرکت میں تھی، حملہ ناکام ہو چکا تھا لیکن اب روپی نہ کار روک سکتا تھا نہ پیچھے ہٹ سکتا تھا۔ بلا ٹریگر پر انگلی دبائے رہا پروگرام کے مطابق پولیس کی کار کے پہیئے بھی پنکچر کرنے تھے — ٹامی گن کی گولیاں پولیس کی ایمبیسیڈر اور اس کے پہیوں میں سوراخ کرتی ہوئی گزر گئیں اب وہاں رُکنا خطرے کو دعوت دینا تھا۔ اس لیے روپی کو ایکسیلیٹر دبا کر گاڑی فل اسپیڈ پر چھوڑنا پڑی۔ ہوٹل کے سامنے چند لمحوں کے لیے موت کا سا سناٹا چھایا رہا۔ پھر اچانک لوگ چیخنے لگے پولیس ایمبیسیڈر میں بیٹھے حوالدار نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"جلدی کرو، وہ بھاگ رہا ہے۔"

ڈرائیور نے ایکسیلیٹر پر پاؤں رکھا۔ کار کچھ آگے بڑھی۔ پھر رُک گئی۔

"سوری!" ڈرائیور بولا:

"کار کے پہیئے پنکچر ہو گئے ہیں۔"

حوالدار نے جلدی سے کار میں لگے وائرلیس کا رسیور کھینچا۔ اور ہیڈ کوارٹر سے کہنے لگا۔

"ابھی ابھی زاہد خان پر ٹامی گن سے حملہ ہوا ہے۔ قاتل کالے رنگ کی فیٹ میں تھے۔ کار کا نمبر ہے BMC2348۔ نہیں ابھی پتہ نہیں کہ کیا ہوا ہے۔ زاہد اور ایک عورت نیچے پڑے ہیں۔ میں جا کر دیکھتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اُس نے رسیور رکھ دیا اور دروازہ کھول کر کار سے اُتر کر زاہد کی جانب بھاگا۔

⁂ ⁂ ⁂

کسی کے اپنے قریب پہنچنے سے پہلے زاہد کھڑا ہو گیا۔ اور اپنے کپڑوں کی پرواہ کیے بغیر پہلے اُس نے جھک کر اُس عورت کو دیکھا اور بولا:

"تمہارے گولی تو نہیں لگی۔"

گرنے سے کمو کا سر بڑے زور سے فرش سے ٹکرایا تھا۔ اور وہ شاید چند لمحوں کے لیے بے ہوش بھی ہو گئی تھی۔ وہ اگرچہ بچ گئی تھی مگر اس کے جسم پر خراشیں کئی جگہ آئی تھیں۔ اس نے آنکھیں کھول کر کہا۔

"نہیں، میں گولیوں سے تو بچ گئی ہوں۔ مگر میرا سر زخمی ہو گیا ہے۔"

زاہد نے فوراً اُس کو دونوں ہاتھوں پر اُٹھا لیا۔ اور ہوٹل کی طرف لے چلا۔ اسی وقت پولیس حوالدار دوڑا ہوا آیا اور بولا:

"بھگوان کا شکر ہے کہ آپ بچ گئے۔ مسٹر زاہد کیا شریمتی زخمی ہو گئی ہیں۔"

زاہد نے چلتے چلتے ترچھی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تو تمہارا انتظام ہے۔ اس طرح تم میری حفاظت کر رہے تھے۔"

"سوری سر — ہم یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ٹامی گن سے

دن دہاڑے آپ پر حملہ کریں گے۔"

* * *

کمو زاہد کی بانہوں میں لیٹی سوچ رہی تھی۔

"روپی نے مجھے دیکھ لیا تھا اس کے باوجود بلے نے ٹامی گن چلائی۔ انہیں اس کی پرواہ نہیں تھی کہ میں مر جاؤں گی۔ وہ زاہد کو قتل کرنے کے لئے مجھے قتل کرنے کو تیار تھا۔ اگر اس وقت ہم دونوں مر جاتے تو رات کو کلب کو لوٹ کر سارا مال دونوں بانٹ لیتے۔"

کمو نے دل ہی دل میں کہا،

"آل رائٹ روپی، اب سیلون میں اکیلی جاؤں گی، تم نہیں جاؤ گے۔"

اس نے فیصلہ کیا۔ "اگر ڈاکہ کامیاب ہو جاتا ہے تو رات کو ائرپورٹ جاتے ہوئے جب کسی تنہائی کی جگہ میں وہ مال تقسیم کرنے لگیں گے۔ میں دونوں کو قتل کر دوں گی اور سارا مال خود لے کر اکیلی سیلون چلی جاؤں گی۔ روپی اور بلے کی لاشیں پا کر پولیس کو بھی زیادہ پرواہ نہ ہوگی بلکہ پولیس تو خوش ہوگی کہ دو مجرم ختم ہو گئے۔"

* * *

زاہد نے ہوٹل میں کاؤنٹر کے سامنے لابی میں ایک صوفے پر کمو کو لٹا دیا اور کلرک سے کہا جلدی سے ڈاکٹر کو بلاؤ۔

کلرک باہر کا پورا ڈرامہ دیکھ چکا تھا۔ اس کا رنگ پیلا پڑ چکا تھا زاہد کو آتے دیکھ کر وہ کاؤنٹر سے نکل کر اس کے پاس آیا اور بولا،

"ساب ساب۔ سر۔ آپ ٹھیک تو ہیں۔ آپ کے گولی تو نہیں لگی۔"

"گولی کسی کے نہیں لگی۔ سب بچ گئے مگر یہ صاحبہ گرنے سے زخمی ہو گئی ہیں تم فوراً ڈاکٹر کو بلاؤ۔"

کلرک دوڑ کر فون پر گیا اور فون پر ڈاکٹر کو بلانے لگا۔

زاہد نے کمو کو لٹا کر حوالدار سے کہا:

"کیا تم نے اس گاڑی کا نمبر دیکھا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"کیا تم نے ہیڈ کوارٹر کو حادثہ کی اطلاع کر دی۔"

"جی ہاں۔"

"کیا چانس ہے ان لوگوں کے پکڑے جانے کا؟"

"میں کہہ نہیں سکتا سر۔ اگر وہ گاڑی چوری کی تھی تو وہ کسی جگہ بھی گاڑی کو چھوڑ کر غائب ہو سکتے ہیں۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" زاہد نے سر ہلا کر کہا۔

اب زاہد کو یقین ہو چکا تھا کہ کلرک کے پاس جو انشورنس ایجنٹ آیا تھا۔ وہ انشورنس ایجنٹ نہیں تھا بلکہ قاتل تھا جو اس کا روزانہ کا معمول جاننے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ اس پر حملہ کا پروگرام بنا سکے۔

کچھ دیر میں ہی ڈاکٹر آ گیا۔ ڈاکٹر نے کمو کا معائنہ کیا۔ سر میں ایک جگہ زخم ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر نے زخم پر دوا لگا کر پٹی باندھ دی پھر بولا۔

"یہ بالکل ٹھیک ہیں۔"

ڈاکٹر چلا گیا تو کمو سے زاہد نے پوچھا،

"کیا آپ ہوٹل میں کسی سے ملنے آئی تھیں۔؟"

"جی ہاں۔ ایک دوست کا ٹیلیگرام کل مجھے ملا تھا کہ وہ آج صبح کی فلائٹ سے بمبئی پہنچ کر ہوٹل پاکیزہ میں ٹھہریں گے۔" پھر اس نے رک کر خود سوال کیا،

"ان لوگوں نے آپ پر ٹامی گن سے حملہ کیا تھا۔؟"

"ہاں۔"

"لیکن بیچ میں میں تھی۔ اگر آپ مجھے دھکا دے کر نہ گرا دیتے تو آپ سے پہلے میں مرتی۔"

"لیکن ہم دونوں زندہ ہیں۔" زاہد نے مسکرا کر کہا۔

"پھر بھی میں اپنی زندگی کے لئے آپ کی احسان مند ہوں۔"

"یہ غلط ہے۔" زاہد بولا۔

"اپنی زندگی کے لئے میں آپ کا احسان مند ہوں۔"

"میں نے کیا کیا۔؟"

"اگر آپ اس وقت باہر نہ آئی ہوتیں تو شاید میں اس کار کی طرف دیکھتا بھی نہیں میری نظر آپ کے بھڑک دار لباس پر تھی جب میں نے کار کی کھڑکی میں ٹامی گن کی نال کی جھلک دیکھی۔ اس کے بعد ہی میں نے آپ پر چھلانگ لگا دی۔"

"یہ لوگ آپ کو کیوں قتل کرنا چاہتے تھے۔" کمو نے پوچھا۔

"مجھے معلوم نہیں۔ پلیز آپ میرے کمرے میں چلئے۔ اس وقت ہم دونوں کو ایک ایک کپ گرم کافی کی ضرورت ہے۔ وہیں سے فون کر کے اپنے دوست کے بارے میں پوچھ سکتی ہیں۔"

کمو اٹھ کر زاہد کے ساتھ چل کر اس کے کمرے کی طرف چل دی۔

* * *

صبح کا اخبار زاہد کے کمرے پر پڑا تھا۔ جس میں ہو گراج کا بیان چھپا تھا۔ کمو نے اخبار اٹھا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو کل بھی آپ پر حملہ ہو چکا ہے۔"

"ہاں۔" زاہد نے سر ہلایا۔

"پھر تو آپ ضرور کوئی اہم شخص ہیں۔ یا کسی کو سخت آپ سے پوری دشمنی ہے کہ اس نے چوبیس گھنٹے سے پہلے آپ پر دوبارہ

حملہ کیا۔"

"آپ کی دوسری بات سچ ہے۔" زاہد نے مسکرا کر کہا۔ "میرا نامعلوم دشمن ضد کا پکا نظر آتا ہے۔"

"یعنی آپ کو یہ شک تک نہیں کہ دشمن کون ہے۔؟"

"نہیں۔"

"اس اخبار میں لکھا ہے کہ اس شخص یوگراج نے کل اصل قاتل کو دیکھا اور جس کار سے قاتل آیا تھا اس کے ڈرائیور کو بھی دیکھا تھا۔"

"ہاں۔"

"پھر تو میں کہوں گی اس شخص نے اخبار کو یہ بیان دے کر سخت حماقت کی ہے، یہ خبر پڑھ کر وہ دونوں اب اس کے بھی دشمن ہو جائیں گے۔"

"یہ بات تو ہے۔" زاہد نے کہا۔

"اس شخص نے بیان دے کر غلطی کی ہے۔ کیا آپ نے بھی ان دونوں میں سے کسی کو دیکھا تھا۔"

"نہیں تو۔ آپ کو معلوم ہے میری تو پیٹھ ان کی طرف تھی۔ البتہ جب آپ نے دھکا دے کر مجھے گرایا تو سنہرے بالوں کی ایک جھلک میں نے بھی دیکھی۔ لیکن یہ شخص گاڑی ڈرائیو نہیں کر رہا تھا۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ آج ڈرائیور کوئی اور تھا سنہرے بالوں والے نے پچھلی سیٹ پر سے گولیاں برسائی تھیں۔"

"کیا یہ ممکن نہیں ان دونوں میں سے آپ کا دشمن کوئی نہ ہو بلکہ یہ دونوں کرائے کے قاتل ہوں۔ اصل دشمن چھپا ہوا ہو۔"

"یہ ناممکن نہیں۔" زاہد نے کہا۔

کافی آگئی۔ دونوں کچھ دیر کافی پیتے رہے۔ کافی پینے کے بعد کمو نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ایک بار پھر میں آپ کا شکریہ ادا کروں گی۔ آپ نے میری جان بچائی۔"

"اور آپ نے میری جان بچائی اس لئے ہم دونوں برابر ہو گئے۔ کیا آپ کو یقین ہے آپ اب بالکل ٹھیک ہیں۔"

"جی ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں، شکریہ۔"

زاہد کمو کے ساتھ نیچے تک آیا۔ کمو نے کاؤنٹر پر رک کر پوچھا۔

"کیا آپ کے یہاں آج صبح کوئی صاحب مسٹر سنیل آکر ٹھہرے ہیں۔ انکو بنارس سے آنا تھا۔"

"نو مادام۔" کلرک نے کہا۔

"آج صبح سے ہوٹل میں کوئی نہیں آیا۔"

"اوکے زاہد صاحب۔" کمو بولی: "میں اب چلتی ہوں۔ آپ کو ان دو حملوں کے بعد محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

"مشورہ کے لئے شکریہ۔ ویسے میں محتاط ہوں۔"

کمو ہوٹل سے باہر آگئی اور ٹیکسی میں بیٹھ کر چلی گئی۔

زاہد پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف جانا چاہتا تھا کہ کاؤنٹر کلرک نے کہا۔

"سر آپ کا فون ہے۔"

زاہد نے جلدی سے آگے بڑھ کر فون لیا۔ "ہیلو۔" کے جواب میں ایک مردانہ آواز نے کہا۔

"میں انسپکٹر مراٹھا بول رہا ہوں۔ آپ پر دوسرے حملہ کی خبر مجھے مل چکی ہے۔ وائرلیس گاڑیوں کو فوراً چوکنا کر دیا گیا تھا۔ وہ کار چوری کی تھی۔ پانچ منٹ پہلے کار ایک گلی میں کھڑی مل گئی ہے۔ میں انگلیوں کے نشانات اٹھانے والے ماہرین کو بھیج رہا ہوں تاکہ وہ کار کے اسٹیئرنگ وہیل سے کچھ نشانات حاصل کر سکیں۔"

"او۔کے۔ تھینک یو۔"

"اب آپ کا کیا پروگرام ہے۔؟"

"کم از کم ابھی میرا قتل ہونے کا کوئی پروگرام نہیں، آپ فکر نہ کریں۔"

یہ کہہ کر زاہد نے فون بند کر دیا۔

* * *

کمو اپنے فلیٹ پر پہنچی تو روپی اور بلّا دونوں خاموش بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے وہ اندر داخل ہوئی تو روپی نے کہا۔

"کمینی۔ ذلیل۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ تو مجھے دھوکہ دیگی۔"

"میں نے تمہیں دھوکہ نہیں دیا۔" کمو نے جواب دیا۔

"میں صرف یہ چاہتی تھی کہ آج تم زاہد پر حملہ نہ کرو۔ زاہد کے مرنے یا مرنے سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں، مجھے دلچسپی اپنے پروگرام سے ہے۔ لیکن آج کے واقعہ میں مجھے درمیان میں دیکھنے کے باوجود تم نے بلے کو گولی چلانے کو کہا۔ اگر زاہد مجھے دھکا نہ دیتا تو میں ختم ہو جاتی۔"

"قصور تمہارا تھا۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد زاہد کو قتل کرنا ہے۔"

"تو پھر تم نے میرا روپیہ کیوں ضائع کیا، مجھے دھوکہ کیوں دیا۔"

"میں نے تمہیں دھوکہ نہیں دیا۔ میں تم سے کہہ چکا تھا کہ رات کو کلب میں ڈاکہ ضرور ڈالیں گے تمہیں اپنے پروگرام سے غرض رکھنی چاہیئے تھی۔ تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ باقی وقت میں میں کیا کرتا ہوں۔ میں تمہارا غلام نہیں تھا۔"

"لیکن تمہاری ذرا سی غلطی سے میرا سارا پروگرام فیل ہو سکتا تھا۔ میں اس زندگی سے تنگ آچکی ہوں۔ میرے لئے اب اس

روپے کی بہت اہمیت ہے۔ اب تم بتاؤ کیا تم اپنے وعدے پر قائم ہو۔؟"

"ایک شرط پر۔ تم آئندہ میرے کسی دوسرے معاملہ میں ٹانگ نہیں پھنساؤ گی۔"

"صرف آج کی بات اور ہے روپی، میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ لوٹ کا مال تقسیم ہونے کے بعد میں تم سے الگ ہو جاؤں گی۔"

"مجھے اس کی پرواہ نہیں۔"

"بس تو ٹھیک ہے ہمیں اچھے پارٹنرز کی طرح رات کے پروگرام کو کامیاب بنانا چاہیئے اور اچھے دوستوں کی طرح کل جُدا ہو جانا چاہیئے۔ لیکن میں یہ ضرور کہوں گی کہ اب تم رات تک اس فلیٹ سے باہر نہ جانا۔"

"کیوں۔؟"

"اس لئے کہ تمہیں بھی اور بلے کو بھی دیکھ لیا گیا ہے۔ کل نیلوفر کلب میں یوگراج نام کے کسی شخص نے تم دونوں کو دیکھا ہے وہ تم دونوں کو پہچان سکتا ہے۔ اخبار میں اس کا پورا بیان چھپا ہے۔"

روپی نے بلّے کی طرف اور بلے نے روپی کی طرف دیکھا۔ پھر روپی کمو سے بولا:

"تم ذرا وہ اخبار لا سکتی ہو۔"

"ہاں کیوں نہیں۔"

کمو فوراً گئی اور ایک اخبار خرید لائی۔ بلا اور روپی خبر پڑھتے رہے۔ پھر روپی نے اخبار کو ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ بُرا ہوا۔"

"ہاں۔" بلے نے سر ہلایا:

"اس کا مطلب ہے اب ہمیں اپنے بال کالے کر لینے چاہئیں۔"

"ابھی نہیں، میں چاہتا ہوں کلب والے بھی تمہیں انہی بالوں میں دیکھ لیں، مجھے ذرا سوچنے دو۔"

"اس شخص یوگراج کو بھی اب قتل کرنا ضروری ہو گیا ہے۔"

بلّا بولا:

"اس نے ہم دونوں کو دیکھ لیا ہے۔"

"میں وہی سوچ رہا ہوں۔"

"روپی۔" کمو بولی:

"میں بتا دیتی ہوں اگر آج تم نے زاہد یا اس شخص زاہد کو قتل کرنے کی کوشش کی تو میں خود پولیس کو فون کر کے تمہارے بارے میں بتا دوں گی۔"

روپی نے اس کی جانب دیکھ کر خشک لہجہ میں کہا:

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ آج رات ڈاکہ ضرور ڈالا جائے گا۔ تمہیں اپنے حصے کا روپیہ ہی تو چاہیئے جان تو نہیں۔"

"تو رات کا پروگرام بتاؤ۔"

"رات کو دس بجے ہم دونوں کلب جائیں گے۔ گیارہ بجے بلا ٹیلیفون کمپنی کا آدمی بن کر آئے گا۔ میں اور بلا یہاں سے سات بجے چلے جائیں گے ہمیں کچھ تیاریاں کرنی ہوں گی۔"

"بس ٹھیک ہے۔" کمو نے مطمئن ہو کر کہا۔

* * *

زاہد نے کمو کے جانے کے بعد ہوٹل پلازہ کا نمبر ملا کر کہا۔

"آپ کے یہاں ایک صاحب مسٹر یوگراج رات کو ٹھہرے ہوں گے۔"

کلرک نے جواب دیا "نو سر اس نام کے کوئی صاحب نہیں ٹھہرے۔"

"کوئی نہیں ٹھہرا۔" زاہد نے حیرت سے کہا۔

"جی نہیں۔ اس نام کے کوئی صاحب نہیں۔"

زاہد نے فون رکھ کر دوسری بار اس ہوٹل کو فون کیا جس میں یوگراج ٹھہرا ہوا تھا وہاں سے جواب ملا۔

"مسٹر یوگراج تو رات کو یہاں آئے ہی نہیں۔"

زاہد فون رکھ کر سوچنے لگا یوگراج کہاں غائب ہو گیا۔ اخبار میں اس کا بیان چھپ چکا تھا اور اب قاتل کو گرفتار کرنے کے لئے اس کا ہونا بہت ضروری تھا۔

اسی وقت سیما وہاں آ گئی۔ اور زاہد نے اس کو سارے واقعات تفصیل سے سنا دیئے۔

"زاہد صاحب کیا آپ نے اس بارے میں سوچا کہ آخر کون آپ کا ایسا دشمن پیدا ہو گیا ہے جو بمبئی تک پہنچ کر آپ پر حملے کر رہا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ وہ بہت جلدی میں ہے۔ کل رات اس نے پہلا حملہ کیا۔ دوسرا حملہ آج صبح کر دیا اور مجھے یقین ہے وہ تیسرا حملہ کرنے میں بھی زیادہ دیر نہیں لگائے گا۔"

"میں اس بارے میں رات بھر سوچتا رہا ہوں سیما۔" زاہد بولا:

"ایسا لگتا ہے کوئی شخص واقعی مجھ سے بے حد نفرت کرتا ہے اور اس نے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ مجھے قتل کر کے ہی سکھ کا سانس لے گا۔"

"ایسا شخص کون ہو سکتا ہے۔؟"

"ایک بات صاف ہے، وہ آدمی ابھی کہیں سے آیا ہے شاید جیل سے چھوٹا ہے۔"

"لیکن اسے یہ کیسے پتہ چلا کہ ہم بمبئی میں کس جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

"یہ کوئی مشکل بات نہیں، دہلی میں دفتر میں فون کر کے کوئی بھی معلوم کر سکتا ہے کہ ہم کہاں ہیں اور کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ہمیں بمبئی سے آئے ہوئے پندرہ روز ہو چکے ہیں۔ اس کا مطلب ہے وہ شخص جیل سے ابھی سترہ دن کے اندر اندر چھوٹا ہے۔ آج تم ایسا کرو پہلے دہلی میں دفتر میں فون کر کے دیکھو کیا کسی نے ہمارے بارے میں جاننے کی کوشش کی تھی۔ اس کے بعد سینٹرل جیل کو فون کر کے ایسے قیدیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرو جنہیں لمبی سزائیں ہوئی ہوں اور پچھلے سترہ دن میں رہا ہوئے ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ابھی معلوم کرتی ہوں۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ زاہد نے ریسیور اٹھا کر کہا۔

"یس۔"

"مسٹر زاہد۔" دوسری طرف سے ایک مردانہ آواز نے کہا۔

"بول رہا ہوں۔"

"میں یوگراج بول رہا ہوں۔"

"مسٹر یوگراج آپ کہاں چلے گئے تھے۔ میں نے آپ سے کہا تھا آپ ہوٹل پلازہ میں رات گزاریں۔"

"رات میں نے ہوٹل پلازہ میں ہی گزاری ہے جناب۔"

"لیکن میں نے ابھی فون کیا تھا تو پتہ چلا اس نام کا..."

یوگراج نے بات کاٹ کر کہا۔

"میں بیوقوف نہیں زاہد صاحب۔ میں پلازہ میں اپنے نام سے ٹھہرا ہوا نہیں ہوں۔ نام بدل کر میں نے کمرہ بک کرایا تھا۔ میں نے سوچا ہو سکتا ہے مجھے میرے ہوٹل میں نہ پا کر قاتل سمجھ جائے کہ میں ڈر کر کسی دوسرے ہوٹل میں چلا گیا ہوں اور ہوٹلوں کو فون کر کے میرے بارے میں جان لے کہ میں کہاں ٹھہرا ہوا ہوں اس لئے میں نے نام بدل کر کمرہ بک کرایا تھا۔"

"خیر یہ تو آپ نے سمجھداری کی بات کی لیکن آپ کو مجھے فون کر دینا چاہیئے تھا۔"

"کیا ضرورت تھی۔ ویسے تو آج سات بجے شام کو ملنا تھا۔ اور آپ کو ایک بات اور بتاؤں۔"

"بتایئے۔"

"میں بھی اب جاسوس ہوتا جا رہا ہوں۔ میں نے ایک ریوالور خرید لیا ہے۔"

"ریوالور۔" زاہد نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں ریوالور۔ بالکل اصلی، آپ جانتے ہیں قاتل کتنا خطرناک ہے۔ میں نے سوچا اگر مجھے مرنا ہی ہے تو کم از کم مقابلہ کر کے تو مروں۔ ٹھیک ہے میں نے کبھی ریوالور نہیں چلایا لیکن جس سے ریوالور خریدا ہے اس نے بتا دیا ہے کہ ریوالور کس طرح چلایا جاتا ہے۔ اب اگر قاتل میرے سامنے آ جاتا ہے تو آسانی سے مجھے قتل نہیں کر سکے گا۔"

زاہد کچھ دیر نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے سوچتا رہا۔ پھر بولا۔

"ریوالور آپ نے کہاں سے خریدا ہے۔"

"بمبئی شہر میں کیا نہیں ملتا۔ جب یہاں قاتل بم حاصل کر کے آپ کی کار میں رکھ سکتا ہے تو کیا میں ایک ریوالور بھی نہیں خرید سکتا۔"

"لیکن یہ تو بغیر لائسنس کے ہو گا۔"

"جی ہاں۔ اتنی جلدی لائسنس کیسے بن سکتا ہے۔"

"مگر یہ جرم ہے۔"

"ہوا کرے مجھے زندگی پیاری ہے۔"

"اور اگر آپ نے دھوکے میں کسی بے گناہ کو قتل کر دیا۔"

"نہیں، میں ایسا نہیں کروں گا۔ آپ مجھے بیوقوف کیوں سمجھتے ہیں۔"

"تو وعدہ کیجئے آپ اس وقت تک ریوالور استعمال نہیں کریں گے۔ جب تک آپ کو یقین نہ ہو جائے کہ دشمن آپ کو قتل کرنا چاہتا ہے۔"

"یہ میرا وعدہ ہے۔"

"ویسے بھی دن میں وہ آپ پر حملہ نہیں کرے گا۔ اس وقت میں آپ کے ساتھ ہوں گا ہی۔"

"جی ہاں۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں نے بھی رات کے لئے ہی ریوالور خریدا ہے۔ اور کوئی نئی بات تو نہیں ہوئی۔"

"قاتل مجھ پر حملہ کر چکا ہے۔" زاہد نے کہا۔

"کب۔؟"

"ابھی ڈیڑھ گھنٹہ پہلے۔ اس بار اس نے مجھے ٹامی گن سے قتل کرنے کی کوشش کی تھی مگر زندگی تھی میں پھر بچ گیا۔"

"ارے باپ رے۔ معلوم ہوتا ہے قاتل انتظار کرنے یا وقت ضائع کرنے پر یقین نہیں رکھتا۔"

"ہاں، قاتل بہت جلدی میں ہے، اس لئے مجھے یقین ہے کہ رات کو وہ نیلوفر کلب میں ضرور آئے گا۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ آج سارا دن کمرے سے باہر نہ نکلیں۔ شام کو سات بجے کلب پہنچ جائیں۔"

"اور اگر اس نے کلب میں داخل ہوتے ہی مجھ پر حملہ کر دیا۔"

یوگراج نے پوچھا۔

"وہ ایسا نہیں کرے گا۔"

"کیوں نہیں کرے گا؟"

"اس لیے کہ کسی کو قتل کرنے کے لیے پوری اسکیم بنانی پڑتی ہے اسے کیا پتہ ہے کہ آپ کلب کس وقت آئیں گے۔ البتہ جب آپ کلب آ جائیں گے تو یہ بات یقینی ہوگی کہ آپ واپس بھی جائیں گے۔ اس لیے وہ واپسی پہ آپ پر حملہ کی اسکیم بنائے گا۔"

"اچھی بات ہے کرنل صاحب۔ اب سات بجے ہی آپ سے ملاقات ہوگی۔"

یہ کہہ کر لوگراج نے فون بند کر دیا۔ اس کے بعد سیما فون لے کر دہلی کے نمبر ملانے لگی۔

٭ ٭ ٭

آدھے گھنٹے بعد سیما نے ایک لسٹ زاہد کو دیتے ہوئے کہا۔

"یہ لوگ پچھلے سترہ دن میں جیل سے چھوٹے ہیں۔"

زاہد لسٹ لے کر نام دیکھنے لگا۔ ایک نام پر آ کر اس کی نظر رکی۔

"روپ چند۔ عرف روپی۔"

اس کے ذہن میں تیرہ سال پہلے کے واقعات گھوم گئے جب اس نے روپ چند نام کے ایک مجرم کو سزا دلائی تھی اور یہ شخص بہروپیے کے نام سے مشہور تھا۔ لیکن جیل جانے سے پہلے اس نے دوسرے مجرموں کی طرح زاہد کو واپس آ کر قتل کرنے کی دھمکی نہیں دی تھی۔ اس لسٹ میں وہی ایک نام وہ پہچان سکا تھا۔ وہ لسٹ دیکھ چکا تو سیما بولی۔

"آپ کا دوسرا اندازہ بھی صحیح تھا۔"

"کون سا اندازہ۔؟"

"آٹھ دس دن پہلے کسی نے دفتر کو فون کر کے آپ کے بارے میں معلوم کیا تھا۔ اس نے آپریٹر کو بتایا تھا کہ وہ آپ کا رشتہ دار ہے۔ آپریٹر نے اس کو بتا دیا تھا کہ آپ بمبئی میں ہیں اور آپ کے ہوٹل کا نام بھی بتا دیا تھا۔"

"اب بات سمجھ میں آتی ہے۔" زاہد نے سوچتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ نے ان ناموں میں سے کسی نام کو پہچانا۔"

"صرف ایک نام لیکن اب اس کی ضرورت نہیں۔ آج شام جو کچھ ہونا ہے ہو جائے گا۔ تم رات کو میرے ساتھ کلب نہیں جاؤ گی۔"

"کیوں۔؟"

"میں کار کا بندوبست کر دیتا ہوں تم اس کار میں کلب سے دور رہ کر نگرانی کرو گی اور ہر آنے جانے والے پر نظر رکھو گی۔ اگر کلب میں کوئی حادثہ پیش نہیں آتا تو رات کو تمہارے کمرے پر ملاقات ہوگی۔"

مجھے یہ اچھا نہیں لگے گا۔" سیما بولی:

"میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔"

"پلیز۔ میں جو کہہ رہا ہوں وہ ضروری ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" سیما نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "جو حکم سرکار کا۔"

دوپہر کو زاہد نے بمبئی کے پولیس کمشنر کو فون کر کے بتا دیا تھا کہ وہ آج کل بمبئی میں مقیم ہے اور دونوں حملوں کے بارے میں بھی خبر سنا دی تھی۔ اور پھر اس نے دو پرائیویٹ کاریں مانگی تھیں۔ ایک سیما کے لیے اور ایک اپنے لیے۔ پولیس کمشنر زاہد کے دوست تھے۔ وہ بہت فکرمند ہوئے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ زاہد کی حفاظت کے لیے وہ خود کوئی معقول بندوبست کریں لیکن زاہد نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا۔

"آپ کچھ نہ کیجئے۔ میں خود معاملے کو سنبھال لوں گا۔ البتہ میں چاہوں گا۔ آپ میرے لیے کچھ کام کر دیجئے۔"

"بولیے کیا چاہتے ہیں آپ۔" مسٹر دوبے نے کہا۔

زاہد جو کچھ چاہتا تھا وہ اس نے مسٹر دوبے کو فون پر بتا دیا۔

٭ ٭ ٭

زاہد ساڑھے چھ بجے ہی نیلوفر کلب پہنچ گیا۔ کلب کا منیجر اس کو جانتا تھا کیونکہ زاہد جب بھی بمبئی آتا تھا اس کلب میں ضرور آتا تھا۔ پھر ایک دن پہلے بم والے واقعے سے منیجر اور زیادہ زاہد کو جان گیا تھا۔ زاہد کو دیکھتے ہی اس نے کہا۔

"ہیلو زاہد صاحب۔ کہیئے کیسے ہیں آپ۔ سچ جانیئے مجھے بے حد خوشی ہے کہ کل بال بال بچ گئے۔ کیا مجرم کے بارے کچھ پتہ چلا۔"

"ابھی تک تو نہیں۔ لیکن کیا آپ نے آج صبح کا اخبار نہیں دیکھا۔"

"دیکھا ہے۔ اس احمق لوگراج کے بیان سے اگرچہ کلب کو شہرت ملی۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہاں آج پھر کوئی ہنگامہ نہ ہو جائے۔ قاتل کو جب پتہ چلے گا کہ اس کو پہچاننے والا کوئی شخص موجود ہے تو وہ لوگراج کو بھی قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"تم فکر نہ کرو۔ اس معاملے کو میں سنبھال لوں گا۔ سچ یہ ہے کہ وہ بیان لوگراج نے میرے مشورے پر ہی اخبار میں دیا ہے۔ میں نے قاتل کو گرفتار کرنے کا جال بچھایا ہے۔ مجھے یقین ہے اخبار میں وہ خبر پڑھ کر قاتل لوگراج کو قتل کرنے ضرور آئے گا۔"

"اوہ۔ منیجر نے گھبرا کر کہا: "کیا آج کلب کے اندر گولیاں چلیں گی، ہو سکتا ہے وہ بم ہی مار دے۔"

"قاتل اتنا بیوقوف نہیں کہ وہ اندر بم یا گولیاں چلائے گا۔ لوگراج پر اگر حملہ ہوا تو کلب سے باہر ہو گا۔ قاتل کو پکڑنے میں آپ بھی ہماری مدد کر سکتے ہیں۔"

"وہ کیسے۔؟"

"کیا آپ اپنے دفتر کا کمرہ آج شام کے لئے مجھے دے سکتے ہیں۔"

"جی ہاں۔ بڑی خوشی سے لے لیجیے۔ میں آپ کو ایک راز کی بات بتا دوں۔ میں نے دفتر کے کمرے میں ایک پولرائز شیشہ لگا رکھا ہے وہ سامنے بار کے برابر میں جو آئینہ نظر آرہا ہے وہ دراصل پولرائز شیشہ ہے یعنی کلب سے دیکھنے میں وہ آئینہ نظر آتا ہے اور اندر دفتر کے کمرے سے شفاف شیشہ ہے جس کے ذریعہ میں کمرے میں بیٹھ کر کلب کا سارا منظر دیکھ سکتا ہوں۔ اس طرح میں اپنے کمرے میں رہ کر بھی کلب میں بیٹھے گاہکوں اور بیروں پر نظر رکھ سکتا ہوں۔"

"پھر تو یہ بہت اچھا ہے۔ پلیز مجھے اس کمرے میں لے چلیے۔ اپنے چوکیدار اور کار پارک کے نگہبان کو ذرا یہاں بلا لیجیے۔"

منیجر زاہد کو اپنے کمرے میں لے گیا۔ پولرائز شیشے پر کلنڈر ٹنگا ہوا تھا تاکہ ہر آدمی نہ دیکھ سکے۔ منیجر نے کلنڈر ہٹا دیا۔ تو ہال کا منظر صاف نظر آنے لگا۔ یہ شیشہ منیجر نے اپنی کرسی کی پیٹھ والی دیوار میں لگوا رکھا تھا۔ وہیں بیٹھ کر اس نے چوکیدار اور کار پارک کے نگہبان کو بلا لیا۔ زاہد نے بارمین کو بھی اندر بلوا لیا۔ پھر پہلے اس نے چوکیدار اور کار پارک کے نگہبان کو مخاطب کر کے کہا۔

"ہو سکتا ہے کوئی شخص آپ سے یہ پوچھے کہ مسٹر لوگراج کون ہے تو آپ کہہ دیجیے کہ اندر بارمین سے پوچھ لیجیے۔ اگر وہ شخص اندر داخل ہو جائے تو ٹھیک ہے لیکن اگر واپس چلا جائے تو آپ میں سے جس سے وہ پوچھے وہ یہاں اس کمرے میں آکر مجھے بتا دے آپ دونوں اس شخص کو اچھی طرح دیکھ کر اس کا حلیہ ذہن میں بٹھا لیں۔ تاکہ دوبارہ دیکھیں تو اسے پہچان سکیں۔"

چوکیدار اور نگہبان دونوں نے سر ہلا کر جواب میں کہا۔

"آپ فکر نہ کریں جناب آپ کہیں تو ہم اس کو یہیں پکڑ لائیں گے۔"

"نہیں، پکڑنے کی ضرورت نہیں بس اس کا حلیہ ذہن میں بٹھا لینا۔" اس کے بعد اس نے بارمین سے کہا۔

"اگر تم سے کوئی آدمی آکر پوچھتا ہے کہ لوگراج کون ہے۔ تو تم اس سے کہہ دینا کہ بیٹھو مسٹر لوگراج ابھی آتے ہیں باتھ روم گئے ہیں۔ بیٹھ جاتے تو پہلے تم اپنا ایک ہاتھ اوپر اس طرح اٹھانا جیسے تمہارا ہاتھ اکڑ گیا ہو اور تم سیدھا کرنا چاہتے ہو۔ اس کے بعد جب ہاتھ کو نیچے لاؤ تو پہلے اس طرف ہاتھ کو سیدھا کرنا جدھر وہ شخص بیٹھے پھر ہاتھ نیچے کر کے اپنے کام میں لگ جانا سمجھ گئے۔"

"جی میں سمجھ گیا۔" بارمین نے کہا۔

"بس تو اب آپ تینوں چلے جائیں۔ یاد رکھئے کل جس قاتل نے میری کار میں بم رکھا ہے اگر آج وہ آپ کی مدد سے پکڑا گیا تو ایک ہزار روپیہ انعام ملے گا۔"

"ہم پوری کوشش کریں گے جناب۔" یہ کہہ کر وہ تینوں چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد زاہد نے منیجر سے کہا۔

"آپ کو آج باہر ہی رہنا پڑے گا۔"

"مجھے پرواہ نہیں۔"

"کیا آپ نے کل مسٹر لوگراج کو دیکھا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"وہ آجائیں تو ان سے چپکے سے کہلوا دیں کہ میں یہاں دفتر میں ان کا انتظار کر رہا ہوں۔ مسٹر لوگراج ان لوگوں کو پہچانتے ہیں۔ ان کو بھی میں کچھ سمجھاؤں گا۔"

"اچھی بات ہے۔"

یہ کہہ کر منیجر چلا گیا۔

* * *

ٹھیک سات بجے لوگراج ادھر ادھر دیکھتا ہوا ہال میں داخل ہوا۔ اس روز بھی ہال پورا بھرا ہوا تھا۔ لوگراج ایک ٹیبل پر جا بیٹھا۔ منیجر نے اس کو پہچان کر بیرے سے کچھ کہا۔ بیرے نے لوگراج کے سامنے پانی کا گلاس رکھتے ہوئے دبی آواز میں منیجر کا پیغام سنا دیا۔ لوگراج فوراً اٹھ کر بیرے کے ساتھ چل دیا اور دفتر کے کمرے میں آگیا۔ یہاں زاہد اس کا منتظر تھا۔

"ہیلو کرنل صاحب۔" لوگراج نے اندر داخل ہو کر کہا۔ "آپ یہاں چھپے بیٹھے ہیں۔"

زاہد نے کہا" میں آپ کا ہی انتظار کر رہا تھا۔ اخبار میں چھپی خبر کے مطابق آپ کو آٹھ بجے یہاں پہنچنا ہے، اس لئے آٹھ بجے تک ہم لوگ محفوظ ہیں۔ اسی لئے میں نے آپ کو یہاں بلوا لیا ہے۔ پونے آٹھ بجے آپ ہال میں جا کر بیٹھ جائیں۔ میں یہیں رہوں گا۔ اگر قاتل یا اس کا ساتھی ڈرائیور ہال میں داخل ہوتے ہیں اور آپ اس کو پہچان لیتے ہیں تو آپ اپنا داہنا ہاتھ اس طرح اوپر اٹھائیے جیسے کوئی رگ اکڑ گئی ہو اور آپ اس رگ کو سیدھا کرنا چاہتے ہوں۔ میں سمجھ جاؤں گا کہ ان میں سے کوئی آگیا ہے۔ اس کے بعد ہم جیسا مناسب سمجھیں گے کارروائی کریں گے۔"

"کیا آپ کے ذہن میں کوئی پروگرام نہیں۔"

"پروگرام ہے۔ مجھے یقین ہے جو شخص کار ڈرائیو کر رہا تھا وہ کرایہ

کا قاتل ہے اصل قاتل وہ شخص ہے جو مکینک بن کر آیا تھا۔ اگر یہاں صرف ڈرائیور آتا ہے تو اس کو گرفتار کرنا بے سود ہے اس طرح اصل قاتل ہوشیار ہو جائے گا۔ اس لئے میری تجویز یہ ہے کہ ہم اس کا پیچھا کریں گے اور اس کے ذریعے اصل قاتل تک پہنچنے کی کوشش کریں گے کیا آپ اپنے ساتھ وہ ریوالور لائے ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"ذرا مجھے دکھایئے میں بھی اسے چیک کرلوں۔"

یوگراج نے ریوالور نکال کر زاہد کو دے دیا۔ زاہد نے اسے کھول کر دیکھا، ریوالور میں کارتوس بھرے ہوئے تھے۔ یہ ریوالور کا نیا ماڈل تھا جس میں سات کارتوسوں کا ایک پیکٹ ایک ساتھ رکھا جاتا تھا۔ زاہد نے پستول دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی مسٹر یوگراج میں یہیں بیٹھ کر سارے ہال کو دیکھتا رہوں گا۔"

"کیسے۔؟" یوگراج نے حیرت سے کہا۔ "کیا ہال میں آپ نے ٹیلیویژن کیمرہ لگا دیا ہے۔"

"نہیں۔ ہلبرز ذرا یہ کلینڈر ہٹا کر دیکھئے۔"

یوگراج نے اٹھ کر کلینڈر ہٹایا۔ اور باہر دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہ تو پورا آئینہ ہے۔"

"ہاں۔" زاہد نے ریوالور بند کرکے اس کی سیفٹی کا کھٹکا دباتے ہوئے کہا:۔

"آپ کا ریوالور بالکل ماڈرن ہے۔ میں نے سیفٹی کا کھٹکا دبا دیا ہے یہ یاد رکھئے اس ریوالور سے گولی چلانا ہو تو سیفٹی کھٹکا ہٹانا ضروری ہے۔"

"وہ مجھے معلوم ہے۔" یوگراج نے کہا اور ریوالور زاہد سے لے کر جیب میں رکھتے ہوئے بولا:

"میرے پورے تین ہزار روپے اس پر خرچ ہوئے ہیں۔ میں نے بھی سوچا تین ہزار زندگی سے پیارے نہیں۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ بیٹھئے میں آپ کے لئے کافی منگاتا ہوں۔"

یوگراج پیچھے ہٹ کر زاہد کے سامنے آ بیٹھا۔

٭ ٭ ٭

پونے آٹھ بجے یوگراج واپس ہال میں جا کر بیٹھ گیا تھا۔ ساڑھے آٹھ بجے ایک نوجوان ہال میں داخل ہوا۔ اس کو دیکھتے ہی یوگراج نے اپنا ایک ہاتھ اوپر اٹھایا۔ زاہد نے بھی اس نوجوان کو پہچان لیا تھا۔ اس نے اگرچہ اپنے بال کالے کر لئے تھے لیکن وہ یقینی طور پر وہی نوجوان تھا، جس نے صبح زاہد پر گولیاں چلائی تھیں۔

زاہد نے فوراً فون اٹھا کر ایک نمبر گھمایا اور کسی سے بات کرنے لگا۔ پھر وہ فون رکھ کر باہر آ کر یوگراج کی ٹیبل پر بیٹھ گیا۔ یوگراج کافی ہوش میں نظر آتا تھا۔ زاہد نے آواز دبا کر پوچھا۔

"کیا تم نے اس کو پہچان لیا۔؟"

"بالکل۔ وہ جو دروازے سے ساتویں ٹیبل پر ہے۔"

"میں سمجھ گیا۔ وہ مکینک تھا یا ڈرائیور۔"

"ڈرائیور۔"

"اچھی بات ہے اب اس کی طرف نہ دیکھنا انجان بنے بیٹھے رہو اور اپنے چہرے سے یہ تاثرات دور کرو جیسے تم نے کوئی حیرت انگیز چیز دیکھ لی ہو۔"

یوگراج گہرا سانس لے کر مسکرایا اور بولا۔

"آل رائٹ میں اب ادھر نہیں دیکھوں گا۔ لیکن اب آپ کا پلان کیا ہے۔"

"وہ ابھی یہاں سے اٹھ کر جائے گا۔ ہم اس کا پیچھا کریں گے۔"

"یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ وہ اٹھ جائے گا۔"

"وہ ضرور اٹھ کر جائے گا۔ وہ یہاں تم پر حملہ نہیں کرے گا۔ وہ صرف اپنا اطمینان کرنے آیا ہے کہ تم اندر بیٹھے یا نہیں۔"

"مگر وہ مجھے کیسے پہچانے گا۔"

"شاید وہ کسی سے پوچھے گا۔ بلکہ اس کی یہ مشکل میں آسان کر دیتا ہوں۔ میں ابھی اٹھ کر جاتا ہوں۔ کچھ دور پلٹ کر تم سے پوچھوں گا۔"

"مسٹر یوگراج آپ کیا لیں گے وہسکی یا بیئر۔"

"وہ یہ نام سن کر سمجھ جائے گا کہ تم موجود ہو اور تمہیں پہچان بھی لے گا، پھر وہ مطمئن ہو کر باہر چلا جائے گا۔ اور باہر جا کر کوئی پروگرام بنائے گا۔"

یوگراج نے مسکرا کر کہا "آپ نے سچ مچ مجھے شکار کا چارہ بنا دیا ہے۔ شیر کے شکار میں شکاری مچان پر بیٹھ کر ایک بکرے کو نیچے باندھ دیتا ہے تاکہ شیر اس کو کھانے کے لئے آئے اور شکاری اوپر سے گولی چلا سکے۔ میں خود کو اسی بے بس بکرے کی طرح محسوس کر رہا ہوں جس پر شیر حملہ کرنے والا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ شیر تم پر حملہ نہیں کر سکتا۔ اب میں چلتا ہوں۔"

یہ کہہ کر زاہد اٹھا۔ کچھ دور جا کر اس نے پلٹ کر بلند آواز سے کہا۔

"مسٹر یوگراج آپ کیا لیں گے وہسکی یا بیئر۔"

"وہسکی۔" یوگراج نے جواب دیا۔

زاہد نے دو پیگ بار مین سے وہسکی منگوائے اور واپس آ کر بیٹھتے ہوئے بولا:

"بس اب کچھ دیر میں وہ دم دبا کر بھاگنے والا ہے۔"

"وہ کیوں۔؟" یوگراج نے حیرت سے کہا "آپ تو ابھی کہہ رہے

تھے کہ وہ یہاں سے باہر جا کر مجھے قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"اب وہ کوشش نہیں کرے گا بلکہ اپنی جان بچانے کی کوشش کرے گا۔ ابھی کچھ دیر میں ایک پولیس انسپکٹر یہاں آکر بیٹھ جائے گا۔ میں نے جان بوجھ کر آپ کا نام بلند آواز سے لیا ہے اس کے بعد پولیس انسپکٹر آئے گا۔ وہ بیوقوف نہیں وہ فوراً سمجھ جائے گا ہم نے اس کو گرفتار کرنے کے لئے جال بچھایا ہے اس لئے وہ انسپکٹر کو دیکھتے ہی کھسک جائے گا۔ اور فی الحال تمہیں قتل کرنے کا پروگرام ملتوی کر کے یہاں سے جان بچا کر بھاگنے کی کوشش کرے گا بس اسی وقت ہم اس کا پیچھا شروع کر دیں گے۔"

یوگراج نے حیرت سے کہا:

"کرنل صاحب آپ نے واقعی خوب ترکیب سوچی ہے اس طرح تو وہ اور اس کا ساتھی دونوں پکڑے جائیں گے۔"

"بالکل ٹھیک۔ اسی لئے ہم اس کو یہاں گرفتار کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

"اب میں سمجھا۔ آپ اسی لئے مطمئن تھے۔ آپ پولیس سے مل کر پورا بندوبست کر چکے تھے۔"

"جی ہاں۔"

"کیا باہر پولیس والے پہرہ دے رہے ہیں؟"

"باہر بھی اندر بھی کئی پولیس کے جاسوس سادہ لباس میں موجود ہیں۔"

یوگراج نے سر ہلاتے ہوئے کہا،

"اب ذرا مجھے تسلی ہوئی۔"

اس کے چند منٹ بعد ہی ایک پولیس انسپکٹر وردی میں اندر داخل ہوا پہلے اس نے دروازہ پر رک کر سارے ہال پر نظر ڈالی پھر ایک ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔

نوجوان شخص نے جو در اصل بلا تھا اپنے لئے وہسکی کا پیگ منگایا ہی تھا اور ایک گھونٹ لیا تھا کہ انسپکٹر آگیا۔ بلا نروس ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"بس اب وہ کھسکنے والا ہے۔" زاہد نے بلے کی طرف دیکھنے بغیر کہا۔ "بہتر ہے کہ تم یہیں بیٹھنا میں اس کے تعاقب میں جاؤں گا۔"

"نہیں۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔" یوگراج بولا۔ "اب اس کھیل میں مجھے بھی مزہ آنے لگا ہے۔"

"تم اپنی زندگی خطرے میں کیوں ڈالتے ہو۔"

"زندگی خطرے میں پڑ چکی ہے پھر میرے پاس ریوالور ہے اس لئے میں ضرور چلوں گا۔"

"اچھی بات ہے۔"

اسی وقت بلا اٹھا۔ اور سیدھا باتھ روم کی طرف چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی زاہد نے اٹھ کر یوگراج سے کہا۔

"چلو۔"

"کہاں چلیں۔؟ ابھی تو وہ باتھ روم گیا ہے۔"

"وہ اب واپس نہیں آئے گا۔ آپ کو معلوم نہیں۔ باتھ روم کے ساتھ ہی ایک چھوٹا دروازہ ہے جو کلب کے پچھلی طرف کھلتا ہے وہ ادھر سے نکل جائے گا۔"

"یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔ چلئے پھر جلدی کیجئے۔"

وہ دونوں اٹھ کر تیزی سے باہر آئے۔ کار پارک میں زاہد کی وہ کار کھڑی تھی جو پولیس کمشنر نے اس کو بھجوائی تھی۔ یوگراج زاہد کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ زاہد اپنی گاڑی پارک سے باہر نکال کر لایا تو انہوں نے دیکھا کہ بلا تیز چلتا ہوا کلب سے دور جا رہا تھا۔ کچھ فاصلے پر ہی ویگن کھڑی تھی۔ زاہد بولا۔

"وہ اس ویگن سے آیا ہے شاید۔" تمہارا کام یہ ہے کہ ٹریفک میں تم اس ویگن پر نظر رکھنا۔"

"اچھی بات ہے۔" یوگراج نے سر ہلا کر کہا۔

بلا ویگن میں بیٹھ کر ایک طرف کو چل دیا۔ زاہد نے فاصلہ دے کر ویگن کا تعاقب شروع کر دیا۔

سڑک پر آکر زاہد نے کھڑکی سے ہاتھ باہر نکال کر ایک طرف کا سگنل دیا۔ جسے صرف سیما سمجھ سکی جو زاہد کی ہدایت کے مطابق اپنی کار میں بیٹھی تھی۔ اس سگنل کا مطلب تھا کہ سیما اس کا تعاقب تو کرے لیکن جب تک دوسرا سگنل نہ ملے وہ ان کے کسی معاملہ میں نہ بولے۔ اس طرح کے خفیہ سگنل زاہد، سیما، جاوید اور ڈاکا چاروں جانتے تھے۔ یہ سگنل ان کے اپنے مقرر کئے ہوئے تھے۔

* * *

تعاقب ہوتا رہا۔ بلے کو شاید یہ شک نہیں تھا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے وہ بڑے اطمینان سے چلتا رہا۔ کچھ دیر بعد اس کی ویگن آبادی سے الگ تھلگ بنے ایک کاٹیج کے سامنے جا کر رک گئی۔ زاہد نے یوگراج سے کہا۔

"ہم کچھ دور آگے جا کر اپنی کار روک لیں گے۔ پھر ہم پیدل واپس آئیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔" یوگراج بولا۔

زاہد نے کوئی دو فرلانگ آگے جا کر گاڑی روک لی۔ یہ سڑک عام نہیں تھی۔ رات ہو چکی تھی اس وقت سڑک پر ہر طرف اندھیرا تھا۔ زاہد نے کار کا انجن بند کیا اور بولا۔

"چلو چلتے ہیں۔"

اچانک زاہد کو اپنے پہلو میں ریوالور کی نالی چبھتی محسوس ہوئی اور یوگراج نے عجیب سی آواز میں کہا۔

"اب تم کہیں نہیں جا سکتے کرنل زاہد۔ یہ تمہاری زندگی کا آخری سفر تھا اور یہی آخری منزل ہے۔"

زاہد نے حیرت سے کہا،

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو یوگراج۔"

"میں جو کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے میرا ریوالور تم دیکھ چکے ہو اس کی نال تمہیں چھو رہی ہے اور ابھی کچھ دیر میں اس سے گولی نکل کر تمہارے جسم میں پیوست ہو جائے گی۔"

"کیا تم پاگل ہو گئے ہو۔؟" زاہد نے غصہ سے کہا۔

یوگراج نے دوسرا ہاتھ بڑھا کر کار کے اندر کی بتی جلا دی اور پھر اپنی مونچھوں کو پکڑ کر جھٹکا دیا اس کی مونچھیں ہاتھ میں آ گئیں۔ مونچھیں ایک طرف پھینک کر اس نے کہا۔

"میرا اصلی نام روپ چند ہے کرنل زاہد۔ جسے کبھی بہروپیئے کے نام سے سب جانتے تھے۔"

"بہروپیا" زاہد نے حیرت بھری آواز میں کہا۔

"مجھے کچھ یاد تو آتا ہے مگر تم سے میری دشمنی کیا ہے۔"

"تیرہ سال پہلے کی بات یاد کرو کرنل۔ جب تم کیپٹن تھے۔ تم نے ہی مجھے بیس سال کے لئے جیل بھجوایا تھا۔ تم نے میری ساری زندگی برباد کر دی۔ اگر تم اس گواہ کو نہ لے آتے تو آج میں آرام سے زندگی گزار رہا ہوتا۔ لیکن تم نے مجھے جیل بھجوا کر میرا مستقبل اور میری زندگی دونوں برباد کر دیئے۔ میں نے اپنی زندگی کے بارے میں جو پلان بنا رکھا تھا اس کو تباہ کر دیا۔

تیرہ سال سے تم سے نفرت کرتا چلا آ رہا ہوں کرنل۔ انتقام کی آگ میرے دل میں بھڑک رہی ہے۔ میں نے اپنے آپ سے عہد کیا ہوا ہے کہ اس دنیا میں اس آسمان کے نیچے ہم دونوں میں سے صرف ایک شخص زندہ رہے گا۔ میں یا تم۔؟

تم اپنی خوش قسمتی سے دو بار میرے حملوں سے بچ گئے۔ مجھے یہی ڈر تھا کہ تم اس طرح کے عام حملوں سے بچ جاؤ گے۔ اسی لئے میں چپکے چپکے ایک تیسری اسکیم پر بھی کام کر رہا تھا جس کے بارے میں میں نے اپنے ساتھیوں کو بھی نہیں بتایا تھا۔ کل شام تمہاری کار میں بم رکھ کر میں ببلے کو ساتھ لے کر چلا گیا تھا۔"

"ببلا کون۔؟" زاہد نے پوچھا۔

"وہی جس نے آج صبح تم پر گولیاں چلائی تھیں۔ وہ پیشہ ور قاتل ہے اور مجھے جیل میں ملا تھا لیکن اس حرام زادی کمو نے میرا دوسرا حملہ ناکام بنا دیا۔"

"کمو کون۔؟" زاہد نے پوچھا۔

"وہی عورت جسے صبح تم نے بچایا تھا اور جس کی وجہ سے تمہاری جان بچی وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ میں آج تمہیں قتل کروں۔ خیر یہ تو جو ہونا تھا ہو گیا۔ میں کل شام کی بات کر رہا تھا۔ تمہاری کار میں بم رکھ کر میں ببلے کے ساتھ واپس چلا گیا لیکن ببلے کو چھوڑ کر اور اپنا حلیہ بدل کر فوراً ہی پھر کلب واپس آ گیا۔ میں اپنی آنکھوں کے سامنے تمہیں مرتا ہوا دیکھنا چاہتا تھا۔

تم خوش نصیب تھے کہ وہ احمق لڑکا مارا گیا۔ اس وقت میں نے جان بوجھ کر اپنے ساتھ والی اس عورت سے کہا کہ میں نے قاتل کو کلینک کے لباس میں دیکھا ہے۔ میں نے یہ بات پولیس والے کو سنانے کے لئے ہی کہی تھی۔ مجھے پتہ تھا اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ چنانچہ وہی ہوا جو میں چاہتا تھا۔ پولیس انسپکٹر اور تم میری ذات میں دلچسپی لینے لگے۔ اس کے بعد تم پولیس انسپکٹر کے ساتھ چلے گئے، تم اپنی سیکرٹری کے حوالے اس لڑکی کو کر کے چلے گئے۔ میں نے سوچا پولیس اسٹیشن سے تم اپنی سیکرٹری کے کمرے پر ضرور آؤ گے۔ وہاں میں تمہیں قتل کر سکوں گا۔ یہ سوچ کر میں مدد کرنے کا بہانہ کر کے تمہاری سیکرٹری کے ساتھ اس کمرے پر آ گیا۔ میں نے تمہاری سیکرٹری کے ذہن میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے جھوٹ بول دیا کہ ہماری ٹیکسی کا تعاقب ہو رہا تھا۔ اس طرح ہم باتیں کرتے رہے۔ میں تمہارے آنے کا منتظر تھا۔ میرا پروگرام یہ تھا کہ تمہارے آتے ہی میں تم دونوں کو قتل کر کے چلا جاؤں گا لیکن ایک بار پھر تم قسمت سے بچ گئے۔ تم آئے تو تم اکیلے نہیں تھے۔ دو پولیس والے تمہارے ساتھ تھے۔ دوسری بار میری اسکیم ناکام ہو گئی۔

اس کے بعد جب تم نے مجھے قربانی کا بکرا بنانے کی اسکیم رکھی تو مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ اگرچہ میں صبح کو تمہیں قتل کرنے کا پروگرام پہلے سے بنا چکا تھا۔ لیکن اس کے بعد بھی ناکام رہنے کا تھوڑا بہت چانس ضرور تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا اگر تم صبح کو بھی بچ گئے تو دن میں یا رات میں مجھے کوئی ایسا موقع ضرور ملے گا جب تم اور میں اکیلے ہوں گے اور میں تمہیں قتل کر سکوں گا۔ اسی لئے میں یوگراج بن کر تمہاری ہر بات مانتا رہا۔ آخر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا تم صبح کے حملے میں بھی بچ گئے۔ اب تمہیں قتل کرنے کی یہی صورت رہ گئی تھی کہ میں تمہارا دوست اور ساتھی بنا رہوں اور موقع ملتے ہی میں تمہیں قتل کر دوں۔ اخبار میں میرا بیان چھپ گیا تو میں نے ببلے سے کہا کہ وہ رات کو کلب جائے اور کچھ دیر بعد ہی اٹھ کر چلا آئے۔ اگر تم میرے سامنے ببلے کے تعاقب کی تجویز نہ رکھتے تو میں کسی طرح تمہیں

تعاقب کرنے کو تیار تھا۔ پروگرام کے مطابق بلا تمہیں یہاں لے آیا
جہاں اب لایا ہے اور یہی میری اور تمہاری آخری منزل ہے۔
کرنل زاہد۔ اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ جو جال تم نے مجھے گرفتار
کرنے کے لئے بچھایا تھا وہی جال میں تمہیں قتل کرنے کے لئے
استعمال کر رہا تھا۔"

"تو پھر قتل کر دو۔" زاہد نے کہا۔ "میں موت سے کبھی نہیں
ڈرا۔"

"میں تمہیں قتل کرنے سے پہلے یہ سارے حالات بتا دینا
چاہتا تھا تاکہ تم اپنی ناکامی پر افسوس کر سکو۔ تاکہ تم کچھ دیر زندہ رہ کر
بھی موت کا مزہ چکھ سکو۔ آدمی کتنا بھی بہادر کیوں نہ ہو۔ جب موت
سامنے آتی ہے تو اسکے اندر زندہ رہنے کی خواہش تڑپتی ہے۔ میں
تمہیں اس تڑپ کا مزہ چکھانا چاہتا ہوں۔ اسی لئے تفصیل سے سارے
واقعات تمہیں سنائے ہیں۔ بس اب تم مرنے کو تیار ہو جاؤ۔ میرا
بہروپیا بننا آج کام آگیا۔ آج میرے انتقام کی آگ تمہارے خون
سے بجھ جائے گی۔"

زاہد کا ہاتھ آہستہ آہستہ دروازے کے ہینڈل کی طرف بڑھا۔
تو روپی نے کہا۔

"اب ہر کوشش بیکار ہوگی زاہد صاحب، آج تمہارا
خاتمہ ہے۔ یہ لو۔"

یہ کہہ کر روپی نے ٹریگر دبا دیا۔

دھماکہ ہوا۔ دھماکہ کے ساتھ ہی زاہد کے منہ سے گھٹی ہوئی
چیخ نکلی اور وہ کھڑکی کی طرف لڑھک گیا۔

اس کے بعد سناٹا چھا گیا۔ روپی کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس
کے کاندھوں پر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ وہ دونوں ہاتھوں میں
سر تھام کر بیٹھ گیا اور خود سے کہنے لگا۔

"تم نے مجھے قتل کرنے پر مجبور کیا۔ مجھے قتل سے ہمیشہ
نفرت تھی مگر تم نے میری زندگی برباد کی تھی۔ میں نے تمہیں ختم کر دیا۔"

اسی وقت قدموں کی چاپ سنائی دی۔ بلا آہستہ چلتا ہوا کار
کے نزدیک آیا اور بولا۔

"کیا وہ مر گیا۔؟"

"ہاں۔"

"ایک گولی اور مارو۔ ایسا نہ ہو کہ بچ جائے۔ اس کے بعد چلو
نو بج رہے ہیں دس بجے ہمیں ساڑھے کے کلب پہنچنا ہے۔ اگر آج
کلب کو نہ لوٹا تو کمو ہم دونوں کو قتل کر دے گی۔"

"اچھا چلو۔" روپی نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"اس پر ایک گولی اور چلاؤ۔ یہ آدمی نہیں شیطان تھا۔ اچھی طرح
اطمینان کر لو کہ بچ نہ جائے۔"

روپی نے دوسری بار پستول زاہد کی کنپٹی پر رکھ کر گولی چلا
دی اور پھر کار سے اتر کر بلے کے ساتھ چل دیا۔

٭٭٭

ساڑھے نو بجے بلا اور روپی کمو کے فلیٹ میں داخل ہوئے
تو کمو نے کہا۔

"کیا ہوا۔ تم کہاں چلے گئے تھے۔؟"

روپی نے فاتحانہ انداز میں خود کو صوفے پر گراتے ہوئے
کہا۔

"کرنل زاہد کو میں نے ختم کر دیا ہے ڈارلنگ۔ اب میرا ذہن
ہلکا ہے۔ اب ہم ڈاکہ ڈالنے چلتے ہیں۔"

"تھینکس گاڈ۔" کمو نے کہا۔ "چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ کلب
چلنے کا وقت ہو گیا ہے۔"

"بس ٹھیک دس بجے ہم یہاں سے نکل چلیں گے۔"
یہ کہہ کر روپی نے سگریٹ سلگائی اور صوفے کے تکیہ پر سر رکھ کر
آنکھیں بند کر کے سگریٹ کے کش لینے لگا۔

٭٭٭

سیما کافی فاصلے پر اپنی کار میں بیٹھی زاہد کے سگنل کا
انتظار کر رہی تھی۔ کلب سے چلتے ہی زاہد نے اس کو سگنل دے
دیا تھا کہ اس کی جانب سے جب تک دوسرا سگنل نہ پائے بغیر اس
کے قریب نہ آئے۔

وہ دیکھ رہی تھی کہ ویگن ایک غیر آباد علاقہ میں ایک
مکان کے سامنے جا کر رک گئی تھی۔ زاہد کی کار بھی آگے جا کر ایک
اندھیری سڑک پر جا کر رک گئی۔ سیما کو ڈر تھا کہ ویگن میں بیٹھا
شخص اس کو نہ دیکھ لے۔ اس نے اپنی کار رتیلی اور کچی زمین پر اتار
دی تھی اور ناریل کے درختوں کے بیچ سے ہوتی ہوئی ایسی جگہ کار روک
لی جہاں سے وہ زاہد کی کار دیکھ سکتی تھی۔ سیما کو زاہد پر پورا بھروسہ
تھا پھر وہ جانتی تھی زاہد اکیلا نہیں لوگراج اس کے ساتھ ہے۔

کچھ دیر بعد اس نے دیکھا کہ زاہد کی گاڑی میں اندر بلب
روشن ہو گیا۔ لیکن یہ روشنی اتنی کم تھی کہ وہ کار میں رہنے والے افراد
کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے ایک دھماکے کی آواز سنی۔ دھماکہ ریوالور
ہی کا تھا۔ جنگل اور کھلی جگہ ہونے کی وجہ سے آواز پھیل گئی تھی۔
شاید اگر دن کا وقت ہوتا تو وہ آواز سن بھی نہ سکتی تھی۔

سیما کا دل بڑے زور سے اچھلا تھا ——— لیکن
دھماکے کے علاوہ کوئی آواز نہ آئی

تھی۔ نہ ہی کوئی سگنل ملا تھا۔ رات کے اندھیرے میں زاہد کار کے
کے اندر کا بلب جلا اور بجھا کر اس کو سگنل دے سکتا تھا۔
سیما سانس روکے انتظار کرتی رہی۔ پھر اس نے زاہد کی گاڑی
کی روشنی میں ایک انسانی سایہ کار کے قریب آتے دیکھا۔ وہ کون
تھا سیما اس کی شکل نہ دیکھ سکتی تھی وہ کار کے پاس کچھ دیر کھڑا
رہا۔ پھر ایک دھماکہ ہوا۔ دھماکہ کے علاوہ کوئی چیخ یا کوئی
آواز اس بار بھی نہ آئی پھر اس نے دیکھا کہ کار سے ایک آدمی
اُترا اور دو انسانی سائے اندھیرے میں غائب ہوگئے۔
اس کے چند منٹ بعد ہی اس نے ویگن کا انجن اسٹارٹ
ہونے کی آواز سنی اور ویگن تیزی سے ایک طرف کو روانہ ہوگئی،
سیما کا دل تیزی سے دھک دھک کر رہا تھا۔ زاہد کی کار
میں ابھی تک روشنی تھی۔ اسے پتہ نہیں تھا کہ کار میں سے اتر
کر دوسرے آدمی کے ساتھ ہوگیا ہے۔ وہ زاہد تھا یا لوگراج
لیکن ویگن کے جانے کے بعد وہ یہ ضرور سمجھ گئی تھی کہ دوسرا
شخص ویگن کا ڈرائیور ہی ہو سکتا تھا۔
سیما کو حیرت تھی اگر زاہد کار میں ہے تو ویگن کے جانے
کے بعد بھی وہ سگنل کیوں نہیں دے رہا ہے۔ اور اگر زاہد
چلا گیا ہے تو لوگراج کار میں کیا کر رہا ہے۔ دو دھماکے کیسے
ہوئے تھے۔ جاتے ہوئے زاہد نے سگنل کیوں نہیں دیا۔؟
جب ویگن چلی گئی تو سیما کے صبر کی طاقت جواب
دے گئی۔ اس نے کار اسٹارٹ کی اور درختوں کے بیچ سے
ہوتی ہوئی زاہد کی کار کے پاس پہنچی۔ کچھ فاصلے پر کار روک
کر اتر کر دوسری کار کے پاس پہنچی۔ اندر کوئی اگلی سیٹ پر پڑا
تھا۔ اس نے قریب جاکر دیکھا وہ زاہد تھا۔
"زاہد صاحب" اس نے آہستہ سے پکارا۔
زاہد کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو اس نے جلدی
سے دروازہ کھول کر زاہد کو جھنجھوڑا"
"زاہد صاحب"
اس پر بھی کوئی جواب نہ ملا تو سیما کے مونہہ سے ایک
چیخ نکلی اور وہ زاہد کے ساکت جسم پر گر کر رونے لگی۔

٭ ٭ ٭

ٹھیک دس بجکر تیس منٹ پر روپی اور کمو اس عمارت
میں داخل ہوئے جس کی بارہویں منزل پر ساٹھے کا کلب تھا۔
لفٹ میں ایک بوڑھا شخص بیٹھا تھا اس نے جلدی
سے دروازہ کھولا۔ روپی اس سے پہلے کئی بار کلب آچکا تھا ہمیشہ
ایک لڑکا لفٹ میں ہوتا تھا۔ لفٹ اوپر چل پڑی تو روپی نے
بوڑھے سے پوچھا۔
"آج لڑکا کہاں ہے"
"وہ میرا پوتا ہے" بوڑھا بولا "صبح سے اُسے بخار ہے
اس لئے میں آج اس کی جگہ ڈیوٹی کر رہا ہوں"
بارہویں منزل پر جاکر لفٹ رک گئی۔ روپی اور کمو اتر
کر کلب میں چلے گئے۔ بوڑھا وہیں اونگھنے لگا۔
کلب میں کمو کو سب جانتے تھے۔ تین چار دن روپی
بھی جوا کھیل چکا تھا اس لئے اسے بھی کچھ لوگ جان گئے تھے
کچھ جواریوں نے دونوں کا خیر مقدم کیا۔ روپی نے اِدھر اُدھر
دیکھتے ہوئے بلند آواز سے کمو سے کہا۔
"کیا خیال ہے ڈارلنگ آج تاش کی بجائے رولٹ مشین
پر قسمت آزمائی کی جائے"
جواخانے والے حصے میں تاش کے علاوہ جوا کھلانے والی
مشین بھی لگی تھی۔ کمو نے جواب دیا "ٹھیک ہے آج یہ
سہی ڈیئر"
چنانچہ وہ دونوں مشین پر جا کھڑے ہوئے اور چھوٹے
چھوٹے داؤں لگاکر کھیلنے لگے۔
گیارہ بجے ساٹھے کے دفتر کے کمرے میں اس کا چپراسی
داخل ہوا اور بولا۔
"سر آپ کا فون خراب ہے کیا" ؟
"پتہ نہیں" ساٹھے نے جواب دیا۔ اور ریسیور اٹھاکر
دیکھا پھر بولا "ارے یہ تو واقعی خراب ہے"
"ٹیلیفون کمپنی سے ایک مکینک آیا ہے"
"لیکن میں نے تو فون خراب ہونے کی شکایت نہیں
کی تھی"
"وہ کہتا ہے اوپر والوں کا فون بھی خراب ہے۔ اور چونکہ
اوپر کی لائن آپ کے فون کے ساتھ ہے اس لئے وہ ذرا
چیک کرنا چاہتا ہے"
"اچھا تو اسے بلالو"
چپراسی چلا گیا۔ ساٹھے کے اسی کمرے میں بڑی تصویر
کے پیچھے تجوری تھی جس میں کمو کے اندازے کے مطابق کم از کم
دس لاکھ روپیہ ہمیشہ رہتا تھا۔
رولٹ مشین پر روپی جوا کھیلنے میں لگا ہوا تھا کمو کی نظریں
دروازے پر تھیں کبھی کبھی وہ گھڑی کو بھی دیکھ لیتی تھی۔ گیارہ
بج کر پانچ منٹ پر بلا اوزاروں کا تھیلا کاندھے پر رکھے چپراسی
کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ کمو نے آواز دباکر روپی سے کہا۔

"وہ آگیا" روپی نے سر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا صرف ہنکارا بھر کر رہ گیا۔

بلا چپراسی کے ساتھ ساٹھے کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ اس کے چلے جانے کے ایک منٹ بعد روپی نے بلند آواز سے کمو سے کہا۔

"ڈارلنگ میں ذرا باتھ روم ہو آؤں اس کے بعد تاش پر بیٹھیں گے۔"

"او کے ڈیئر" کمو نے جواب دیا۔

روپی آہستہ چلتا ہوا دوسرے کمرے میں داخل ہوا۔ وہیں سے ایک راستہ باتھ روم کی طرف جاتا تھا دوسرا ساٹھے کے کمرے میں۔ ساٹھے کا چپراسی بھی کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ ایک باکسر تھا اگرچہ کوئی نامی گرامی بدمعاش نہیں تھا مگر اس میں غنڈوں کی ساری خوبیاں تھیں۔

وہ دروازے پر باہر ہی کھڑا تھا۔ بلا اندر چلا گیا تھا۔

روپی قریب پہنچا تو چپراسی نے کہا۔

"کیا بات ہے"

روپی نے ریوالور نکال کر اس کی کمر سے لگا دیا اور بولا۔

"اندر میرا آدمی ہے اور تمہارے باس کے سینے پر اسی طرح ریوالور رکھے ہوئے ہے۔ اگر تم نے ذرا بھی آواز نکالی تو گولی مار دوں گا۔"

ریوالور دیکھ کر چپراسی بھی باکسنگ بھول گیا۔ لیکن ہمت کر کے بولا۔

"تم بے وقوف ہو۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ بچ کر بھاگ جاؤ گے"

"یہ تو وقت بتائے گا۔ چلو اندر چلو۔ خاموشی سے اور اپنے ہاتھ نیچے لٹکائے رکھنا۔"

چپراسی مجبور ہو گیا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو اندر کا منظر واقعی دلچسپ تھا بلے کا اوزاروں کا تھیلا نیچے پڑا تھا۔ بلا ٹامی گن لیے ساٹھے کو نشانہ بنائے کھڑا تھا۔

چپراسی اندر داخل ہوا۔ اسکے پیچھے روپی نے اندر داخل ہو کر کہا "گڈ ٹوائے مسٹر ساٹھے تم اب سمجھ چکے ہو گے کہ کیا ہونے والا ہے۔" ساٹھے نے غرا کر کہا تم یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتے" جواب میں روپی نے ریوالور کا دستہ جچے تلے ہاتھ سے چپراسی کی کنپٹی پر مارا چپراسی کے منہ سے گھٹی ہوئی چیخ نکلی اور وہ فرش پر گر پڑا، روپی نے مسکرا کر ساٹھے سے کہا "میں اسکو قتل بھی کر سکتا تھا، اور تمہیں بھی ہم قتل کر سکتے ہیں۔ اگر تم مرنا نہیں چاہتے تو تجوری کھول دو۔"

ساٹھے نے بے بسی سے چپراسی کی طرف دیکھا پھر ٹامی گن اور ریوالور کی طرف دیکھا۔ وہ سمجھ گیا کہ خیریت ان کی بات ماننے میں ہی ہے اس لیے اٹھ کر اس نے تجوری کھول دی۔

اوزاروں کے تھیلے میں ایک پلاسٹک کا تھیلا بھی تھا بلے نے سو سو کے نوٹوں کی گڈیاں تھیلے میں بھریں روپیہ واقعی آٹھ لاکھ سے کم نہیں تھا۔ نوٹوں کا تھیلا اس نے اوزاروں کے تھیلے میں رکھ کر روپی سے کہا۔

"اب مسٹر ساٹھے کا کیا کریں"

"تم ڈوری لائے ہو نا" روپی نے پوچھا۔

"ہاں"

"ساٹھے تم کرسی پر بیٹھ جاؤ۔ ہم تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتے لیکن یہ بھی نہیں چاہتے کہ تم غل مچا کر لوگوں کو اکٹھا کر لو۔ اگرچہ اس سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ٹامی گن تمہارے کلب میں بیٹھے سب آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار سکتی ہے اور تم جانتے ہو قتل ایک ہو یا ایک ہزار سزا ایک ہی بار ملے گی۔ اس لئے پلیز جو ہم کہتے ہیں کرتے جاؤ۔"

ساٹھے کا چہرہ پیلا پڑ چکا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اب تم اس کو کرسی سے باندھ دو" روپی نے بلے سے کہا۔

بلے نے ساٹھے کے ہاتھ پاؤں کرسی سے باندھ دیئے تو روپی نے کہا۔

"اس کے منہ پر ٹیپ بھی لگا دو تا کہ یہ غل نہ مچا سکے"

وہ پوری تیاری کر کے آئے تھے۔ اس لئے بلے نے ساٹھے کے منہ پر ٹیپ بھی لگا دیا۔ روپی نے کہا۔

"اب تم پہلے جاؤ اور لفٹ میں ہمارا انتظار کرو"

بلے نے تھیلا اٹھایا اور سیٹی بجاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد روپی نے کمرے کو باہر سے بند کر کے تالا لگا دیا اور چابی اپنی جیب میں ڈال لی۔

کمو رولٹ مشین کے پاس ہی کھڑی بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ دس پندرہ منٹ بعد اس کو بلا نظر آیا۔ اس کا دل زور سے اچھلا۔ اس کا مطلب تھا ان کا پروگرام کامیاب رہا تھا۔ بلا سیٹی بجاتا ہوا باہر چلا گیا۔ کسی نے اس پر توجہ نہ دی۔

دو منٹ بعد ہی روپی آیا اور کمو کی کمر میں ہاتھ ڈال کر بولا

"ڈارلنگ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ آؤ پہلے کچھ کھا لیتے ہیں۔ پھر آ کر کھیلیں گے۔

"چلو ڈیئر" کمو نے مسکرا کر کہا۔

دونوں ایک دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈالے جوئے والے کمرے سے نکل کر ریستوران والے ہال میں آ گئے اور وہاں سے باہر نکل کر کوریڈور میں آ گئے۔

لفٹ ابھی تک اوپر تھی۔ بوڑھا لفٹ والا اونگھ

رہا تھا۔ بلّے نے لفٹ میں داخل ہو کر کہا۔
"ذرا ابھی رکنا، ایک صاحب اور آ رہے ہیں۔"
"اچھا بھیّا۔" بوڑھے نے جواب دیا۔
دو تین منٹ بعد ہی روپی اور کمو آ گئے اور لفٹ والے سے بولے۔
"چلو بابا۔ نیچے لے چلو۔"
بوڑھے لفٹ مین نے حیرت سے کہا۔ "بابو جی آپ تو ابھی کچھ دیر پہلے گئے تھے۔ اتنی جلدی واپس جا رہے ہیں۔"
"ہاں ذرا ہمیں جلدی جانا ہے۔"
بوڑھے نے لفٹ کا دروازہ بند کیا اور بٹن دبا دیا۔ لفٹ نیچے اترنے لگی۔ اترتے اترتے اچانک لفٹ دو منزلوں کے درمیان رک گئی۔
"کیا ہوا۔" روپی بولا "لفٹ کیوں رک گئی۔"
"شاید بجلی فیل ہو گئی ہے۔"
"احمق بوڑھے۔" روپی بولا۔ "اگر بجلی فیل ہوتی تو لفٹ میں اندھیرا ہو جانا چاہیے تھا۔"
"تو لفٹ میں کچھ خرابی ہو گئی ہے بابو جی۔ آپ گھبرائیں نہیں میں دیکھتا ہوں۔ کیا ہوا ہے۔"
"جلدی کرو۔ ہمیں ذرا جلدی ہے۔ اگر تم نے پانچ منٹ میں لفٹ ٹھیک کر دی تو پانچ روپے انعام ملے گا۔"
یہ کہہ کر روپی نے جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال کر بوڑھے کو دکھایا۔
"مجھے پیسے کا لالچ نہیں بابو جی۔ ہاں اگر آپ انعام دینا ہی چاہتے ہیں تو جو میں مانگوں مجھے دے دیجئے۔ میں دو منٹ میں لفٹ ٹھیک کر دوں گا۔"
روپی نے کہا۔ "تم آدمی دلچسپ معلوم ہوتے ہو بڑے میاں بولو تم کیا انعام چاہتے ہو۔"
"آپ کا ریوالور اور ان صاحب کے تھیلے میں رکھی ہوئی ٹامی گن۔"
ایک لمحے کے لئے ایسا لگا جیسے بوڑھے نے ان تینوں پر بم اچھال دیا ہو۔ ——— ان تینوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پھر چند لمحوں بعد ہی روپی کا ہاتھ اپنی جیب کی طرف گیا کمو کا ہاتھ اپنے پرس پر اور بلّے نے کندھے سے تھیلا اتارنا چاہا۔
بوڑھے نے کہا۔ "نہیں ——— کوئی حرکت نہیں کرو گے۔ میری جیب میں بھی ریوالور ہے۔ ریوالور میں سات گولیاں ہیں۔ ٹریگر پر میری انگلی ہے۔ تمہارے ریوالور باہر آنے سے پہلے تم تینوں کے ہاتھوں میں روشندان کھل جائیں گے۔ تم جانتے ہو اتنے قریب سے نشانہ نہیں چوک سکتا۔ ویسے بھی میں پچیس گز کے فاصلے سے ایک مکھی کو نشانہ بنا سکتا ہوں۔"
اس بار تینوں کے چہروں پر حیرت کے ساتھ خوف کے آثار بھی دوڑ گئے۔ تینوں کے ہاتھ جہاں تھے وہیں رہ گئے۔ پھر کچھ دیر بعد بڑی مشکل سے روپی کے منہ سے ——— کھوکھلی آواز نکلی۔
"کون ہو تم۔"
"ایک بھوت۔"
"بھوت ——— کیا یہ کسی قسم کا مذاق ہے؟"
"مذاق نہیں۔ میں سچ مچ بھوت ہوں۔ یقین نہ آئے تو دیکھ لو۔"
یہ کہہ بوڑھے نے اپنی داڑھی کو پکڑ کر جھٹکا دیا۔ پلاسٹک کی جھلّی کا پورا چہرہ معہ سر کے بالوں کے اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ بوڑھے کا اصل چہرہ دیکھتے ہی روپی کے منہ سے دہشت زدہ آواز نکلی۔
"کیپٹن زاہد۔"
"کیپٹن نہیں کرنل کہو۔" زاہد نے مسکرا کر کہا۔ "دیکھ لیا تم نے تم مجھے ابھی قتل کر کے آئے تھے۔ اس لئے میں بھوت بن کر آ گیا۔"
"م ——— م ——— مگر یہ ناممکن ہے۔" روپی نے ہکلاتے ہوئے کہا۔
"کیا ناممکن ہے۔" زاہد نے پوچھا۔
"یہی کہ تم تو مر چکے تھے۔ میں نے دو گولیاں تم پر چلائی تھیں۔"
ان کو باتوں میں لگا دیکھ کر کمو نے بڑی پھرتی سے پرس کھول کر اپنا چھوٹا سا پستول نکال لیا لیکن ابھی پستول پوری طرح باہر آیا بھی نہیں تھا کہ ایک گھٹا ہوا دھماکہ ہوا۔ زاہد کی جیب سے گولی نکل کر کمو کے پستول پر لگی، پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر اچھلا۔ لفٹ کی چھت سے ٹکرایا اور فرش پر گر پڑا۔ خوف سے کمو کے منہ سے چیخ نکل گئی۔
زاہد نے مسکرا کر کہا۔ "دیکھ لیا تم نے میرا نشانہ۔ یہ گولی میں تمہاری ایک آنکھ میں بھی مار سکتا تھا مس کمو۔ اگر تم لوگوں نے پھر ایسی غلطی کی تو اس بار میں سچ مچ تمہارے ہاتھوں میں سوراخ کر دوں گا۔"
چند لمحوں کیلئے پھر سناٹا چھا گیا۔ پھر روپی بولا۔
"لیکن تم بھوت نہیں ہو سکتے۔ بھوت گولیاں نہیں

چلاتے اور میں تم پر دو گولیاں خود چلا چکا ہوں۔ اس لئے تم زندہ بھی نہیں ہو سکتے۔"

زاہد نے سر ذرا گھما کر اپنی کنپٹی ان کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"میری کنپٹی پر یہ سرخ نشان دیکھ رہے ہو۔"

"ہاں۔"

"یہ تمہاری گولی کا نشان ہے۔"

روپی نے حیرت سے کہا۔ "تو کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تمہارا سر لوہے کا بنا ہوا ہے جس پر گولی کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔"

"اصلی گولی کا ہو سکتا ہے، پلاسٹک کی نقلی گولی کا نہیں۔"

"کیا مطلب؟" روپی نے حیرت سے کہا۔

"مطلب یہ ہے مائی ڈیئر روپ چند عرف روپی عرف بہروپیئے کہ نیلو فر کلب میں جب تم یوگراج بن کر اپنی اداکاری کے جوہر دکھا رہے تھے اس وقت اگر تمہیں یاد ہو تو میں نے تم سے تمہارا ریوالور دیکھنے کے لئے مانگا تھا اور تم چونکہ معصوم اور اناڑی بننے کی ایکٹنگ کر رہے تھے۔ اس لئے تم نے ریوالور مجھے دیدیا تھا۔"

"ہاں مجھے یاد ہے۔"

"تو تمہیں یہ بھی یاد ہو گا اسی وقت میں نے کہا تھا کہ یوگراج ذرا کیلنڈر ہٹا کر دیکھو۔ کیلنڈر کے پیچھے پورا قد آئینہ تھا۔"

"ہاں تھا۔"

"بس تو جب تم پورا قد آئینہ میں سے باہر کا منظر دیکھ رہے تھے تو میں نے تمہارے ریوالور میں سے اصل گولیوں کا پیکٹ نکال کر پلاسٹک والی نقلی گولیوں کا پیکٹ رکھ دیا تھا۔ یہ بالکل ماڈرن ریوالور ہے جس میں گولیاں الگ الگ نہیں بھری جاتیں بلکہ سات گولیوں کا پورا پیکٹ فٹ کر دیا جاتا ہے۔ شاید یہ بات میں نے اس وقت بھی تم سے کہی تھی بلکہ سچ پوچھو تو مجھے تمہارے ریوالور کی ساخت دیکھ کر خوشی ہوئی تھی اگر الگ الگ گولیاں بھرنے والا ریوالور ہوتا تو میرے لئے ساری گولیاں بدلنی مشکل ہو جاتا اگرچہ میں دوسری قسم کی نقلی گولیاں بھی ساتھ لایا تھا۔"

روپی نے یہ سن کر حیرت سے کہا۔ "تو کیا تم پہلے ہی میری جانب سے مشکوک ہو گئے تھے۔"

"تم مجھے اپنی اداکاری کا کمال دکھا رہے تھے اور میں تمہیں اپنی اداکاری کا کمال دکھانا چاہتا تھا۔ اسی لئے یہاں لفٹ میں بوڑھا بن کر تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ یہ پلاسٹک کی گولیاں جو اس وقت بھی تمہارے ریوالور میں ہوں گی۔ ویسے تو نقصان نہیں پہنچاتیں لیکن اگر بہت قریب سے چلائی جائیں تو زبردست چوٹ مارتی ہیں۔

تمہاری پہلی گولی میری پسلی میں لگی تھی چونکہ تمہارے ریوالور کی نال میرے جسم کو چھو رہی تھی اس لئے مجھے بہت سخت تکلیف ہوئی تھی۔ میں نے وہ تکلیف برداشت کر لی تھی اور مردہ بن کر لیٹ گیا تھا۔ پھر بلا آیا۔ اس نے کہا دوسری گولی اور مار دو تاکہ میری موت میں کوئی شک باقی نہ رہے دوسری گولی تم نے میری کنپٹی پر ماری۔ اس بار کی چوٹ سے میں مرا تو نہیں مگر بے ہوش ہو گیا تھا۔ اسی کا یہ نشان ہے۔ تمہاری دوسری غلطی یہ تھی کہ تم نے مجھے چھو کر نہیں دیکھا تھا۔ دوسری گولی کے بعد اگر تم جھک کر زخم دیکھ لیتے تو تمہیں پتہ چل جاتا کہ گولی میرے سر میں نہیں گھسی ہے اور دوسری گولی کھا کر میں بے ہوش ہو گیا تھا۔ اس لئے تم مجھے آسانی سے قتل کر سکتے تھے لیکن قسمت میرے ساتھ تھی۔ گاڑی میں بہت ہلکی روشنی تھی۔ تم جلدی میں تھے۔ اس لئے تم مجھے مردہ سمجھ کر چھوڑ کر بھاگ گئے۔"

"پھر تم ہوش میں کیسے آئے۔" روپی نے ہونٹ چباتے ہوئے پوچھا "اور تمہیں یہ پتہ کیسے چلا کہ ہم یہاں ڈاکہ ڈالیں گے"

"یہ تمہارے ساتھی کی غلطی تھی۔ تمہیں یاد نہیں رہا جب تم مجھ پر پہلی گولی چلا کر اور مجھے مردہ سمجھ کر اپنے آپ سے باتیں کر رہے تھے۔ اسی وقت بلے نے آکر کہا تھا "کیا یہ مر گیا" تم نے کہا ہاں مر گیا ہے تو بلے نے کہا تھا ایک گولی اور مار دو ایسا نہ ہو کہ بچ جائے۔ اس کے بعد چلو نو بج رہے ہیں دس بجے ہمیں سیٹھ کے کلب پہنچنا ہے۔ اگر آج کلب نہ لوٹا تو لمو ہم دونوں کو قتل کر دے گی۔

یہ میں سن چکا تھا۔ اس سے مجھے پتہ چلا تھا کہ آج رات تم کیا کرنے والے ہو چنانچہ میں تم سے پہلے یہاں پہنچ گیا۔ یہ تمہارا آخری روپ تھا مسٹر روپی اب ہم چلتے ہیں لیکن چلنے سے پہلے ایک بات اور بتا دوں۔ اس وقت اس عمارت میں چپہ چپہ پر خفیہ پولیس کے مسلح آدمی ہیں۔ بھاگنے کی کوشش مت کرنا ورنہ مارے جاؤ گے۔"

یہ کہہ کر زاہد نے لمو سے کہا "مس لمو تم اگرچہ ڈاکے میں ان کی شریک ہو لیکن تمہاری وجہ سے میری جان بچی تھی اور اب تمہاری وجہ سے ہی یہ پکڑے گئے ہیں۔ اس لئے میں احسان کا بدلہ چکانے کی غرض سے تمہیں گرفتار نہیں کروں گا۔ لفٹ نیچے رکتے ہی تم لفٹ سے نکل کر باہر چلی جانا اور

اگر ہو سکے تو یہ جرائم پیشہ زندگی چھوڑ دینا ورنہ ایک دن تمہارا بھی یہی حشر ہوگا جو ان کا ہونا ہے۔"

لمو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کی احسان مند ہوں کرنل صاحب۔"

زاہد نے لفٹ کا بٹن دبا دیا۔ لفٹ نیچے اترنے لگی اور گراؤنڈ فلور پر جا کر رک گئی۔ لفٹ رکتے ہی چار آدمی ادھر ادھر سے لفٹ کے سامنے آ گئے۔ زاہد نے لفٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"لڑکی کو جانے دو۔ ان دونوں کو سنبھال لو لیکن ہوشیار رہنا اس کے تھیلے میں ٹامی گن ہے۔"

وہ سب تجربہ کار جاسوس تھے۔ انہوں نے پہلے بلّے سے تھیلا چھینا۔ پھر دو جاسوسوں نے پھرتی سے دونوں کی تلاشی لیکر ہتھیار اپنے قبضہ میں کئے۔ ہتھکڑیاں پہنائیں اور دونوں کو پولیس کی گاڑی میں بٹھا کر لے گئے۔

عمارت کے باہر ہی کار میں سیما زاہد کا انتظار کر رہی تھی۔ زاہد بھی باہر کی طرف چل دیا۔ خفیہ پولیس کے دوسرے آدمیوں نے ساٹھے کے کلب پر چھاپہ مار کر جوا کھیلنے والوں کو بھی پکڑ لیا اور ساٹھے کو گرفتار کر لیا۔

دس منٹ بعد جب سیما کار ڈرائیو کر رہی تھی اور زاہد اس کے پہلو میں بیٹھا تھا تو سیما نے پوچھا۔

"وہ سب پکڑے گئے۔" "ہاں۔"

"آپ نے مجھے اب تک یہ نہیں بتایا کہ آپ کو یوگراج پر شبہ کیسے ہوا۔"

"دو تین باتوں سے۔" زاہد نے جواب دیا۔ "اصل شبہ اس وقت ہوا جب تم نے مجھے ان قیدیوں کی لسٹ دی جو رہا ہوئے تھے۔ اس میں روپی عرف بہروپیے کا نام دیکھتے ہی میرے دل میں شک ہوا کہ مجھ پر حملہ کرنے والا روپی ہو سکتا ہے کیونکہ اس لسٹ میں روپی ہی ایسا شخص تھا جس کو میں نے بیس سال کی سزا کرائی تھی۔"

"اس کے بعد میں نے سوچا تو دو تین باتیں مجھے عجیب لگیں۔ پہلے تو یوگراج کا بیان کہ اس نے مکینک کو پارک میں جاتے دیکھا تھا یعنی پہلے تو اس نے پولیس والے کے سامنے یہ بات کہی۔ پھر انکار کیا اور پھر پوری تفصیل بتا دی۔

لیکن صبح جب میں نے ہوٹل پلازہ فون کیا تو پتہ چلا کہ اس نام کا کوئی شخص نہیں ٹھہرا۔ اس کے کچھ دیر بعد ہی یوگراج کا فون آ گیا۔ اس وقت تک لسٹ میں دیکھ چکا تھا اچانک مجھے احساس ہوا۔

یوگراج کو تو یہ معلوم نہیں تھا کہ میں ہوٹل پاکبانا میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ اس کی مجھ سے ملاقات تمہارے ہوٹل میں ہوئی تھی اسے تو یہ سمجھنا چاہیے تھا کہ میں بھی اسی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں۔

پہلی بار میرے دل میں شک پیدا ہوا کہ یوگراج وہ نہیں جو خود کو ظاہر کر رہا ہے۔ میں جانتا تھا روپی بھیس بدلنے میں ماہر ہے۔ میں نے غور کیا تو یوگراج کی ہر بات مجھے مشکوک نظر آئی۔ پھر یوگراج نے مجھے فون پر بتایا کہ اس نے ریوالور بھی اپنی حفاظت کیلئے خرید لیا ہے۔ اب تم خود سوچو کتنے شہری ایسے ہیں جو بغیر لائسنس کے ریوالور خریدنا اچھا سمجھیں گے اور کتنے شہری ایسے ہیں جن کو پتہ ہوگا کہ بغیر لائسنس ریوالور کہاں مل سکتے ہیں۔ اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ یوگراج ہی روپی ہے۔

زاہد خاموش ہوا تو سیما نے گہرا سانس لیکر کہا۔

"جب میں نے آپ کو کار میں بے جان پڑا پایا تو میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔ دو دھماکوں کی آوازیں سنی تھیں۔"

"اسی لیے تم عام عورتوں کی طرح آنسو بہانے لگی تھیں۔"

"تو کیا میں عورت نہیں ہوں۔ یہ مت بھولئے میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔"

"مجھے احساس ہے ڈارلنگ اور میں تمہیں بتاؤں تمہارے آنسو ہی مجھے ہوش میں لائے ہیں۔ تمہارے گرم گرم آنسو میرے چہرے پر ٹپکے تو مجھے ہوش آ گیا۔"

"مائی گاڈ۔" سیما بولی "جب آپ نے حرکت کی ہے تو میرا دل خوشی سے حرکت کرنا بھول گیا تھا۔"

"مجھے معلوم ہے ڈیئر۔ لیکن روپی جا چکا تھا اور میں جانتا تھا وہ کیا کرنے والے ہیں۔ اسی لیے میں تکلیف کی پرواہ کئے بغیر واپس پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچا تھا اور وہاں مسٹر دوبے سے مل کر وہ انتظامات کئے تھے جن کی وجہ سے وہ دونوں مجرم اب حوالات میں ہیں۔ مجھے یقین ہے اس بار روپی اور اس کے ساتھی دونوں کو ضرور پھانسی کی سزا ہو جائے گی اور ساٹھے کو بھی سزا ہو جائے گی۔"

"مگر آپ نے اس عورت کو کیوں چھوڑ دیا۔"

"بس پھر عورت بن گئیں۔" زاہد نے مسکرا کر کہا۔

"تمہیں تو لمو کا شکر گزار ہونا چاہیئے ڈارلنگ۔ ورنہ آج صبح ہی تم شادی سے پہلے بیوہ ہو جاتیں۔"

سیما نے ترچھی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ گاڑی ایک طرف روکی اور گلے میں باہیں ڈال کر بولی۔

"اوکے۔ میں اس لڑکی کی شکر گزار ہوں، اس نے مجھے شادی سے پہلے بیوہ ہونے سے بچا لیا۔"
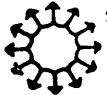
وقت کا فیصلہ

سلمان حبیب

دنیا میں اب بھی بہت سی جگہ ایسی رسومات ادا کی جاتی ہیں جنہیں وہاں کے لوگ ایک مخصوص عقیدہ اور مذہبی کیفیت میں مقدس سمجھتے ہوئے ان کی ادائیگی کرتے ہیں۔ ان میں سے چند ایسی رسومات بھی ہیں جن میں انسانیت کی تذلیل کی جاتی ہے۔ ایک ایسی لڑکی جس کا تعلق ایسے ہی وحشی قبیلے سے تھا لیکن قسمت نے اسے ایسی جگہ پہنچادیا جہاں اس کی پرورش ایک مہذب معاشرے کے انسان نے کی تھی۔ لیکن وہ اس کے اندر کی وحشی فطرت کو نہیں بدل سکا۔

ایک جدگانہ انداز کا دلچسپ سفر

میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اگر زندگی نے وفا کی اور قسمت نے ساتھ دیا تو ایک بار تنہا یا کچھ ایسے بے تکلف دوستوں کے ساتھ جو میرے ہم مزاج ہوں۔ ایک بار یہ خوب صورت شہر دیکھوں گا، بھلا غور کریں مغرب کے حسین اور مشہور شہر اور یہاں کی ناچتی ہوئی پریاں اور بوڑھے باپ کا احترام کہاں کہاں جا کر رہ جانا پڑا ہے۔ کیا بیان کروں لیکن بہر حال اپنے ڈیڈی سے بے پناہ محبت کرتا ہوں، وہ میرے بہترین دوست ہیں، لڑکیوں کے علاوہ ہر معاملے میں مجھ سے بے تکلف۔

میں نے کئی بار دعائیں مانگی تھیں کہ خدایا میرے ڈیڈی کی بوڑھی امنگیں پھر سے جوان ہو جائیں، یورپ کی کوئی حسینہ ان پر ایسا جال ڈالے کہ وہ عقل و ہوش کھو بیٹھیں۔ شرمائی شرمائی نگاہوں سے میری طرف دیکھیں اور گردن کھجاتے ہوئے اپنے بے بسی کا اظہار کریں، تب میں نہایت فراخ دلی سے انہیں نہ صرف عشق کرنے کی اجازت دے دوں بلکہ اس سلسلے میں ان کی حتی الامکان مدد کروں اور جب وہ اپنی پسندیدہ محبوبہ کے ساتھ گل چھرے اڑانے میں مصروف ہو جائیں تو میں بھی گردن کھجاتے ہوئے شرماتے شرماتے انداز میں اپنی کسی گرل فرینڈ سے ملنے کی اجازت مانگوں۔ ظاہر ہے میری فراخ دلی کے جواب میں انہیں بھی اسی فراخ دلی سے کام لینا ہوگا۔

لیکن ہر دعا پوری نہیں ہوتی اور یہ یورپ کی حسینائیں بھی احمق تھیں، کسی نے ڈیڈی کی طرف توجہ نہیں دی۔ اب وہ ایسے گئے گزرے بھی نہیں تھے۔ سرخ وسفید رنگ، جان دار آنکھیں، بلند و بالا قد عمر بھی پچاس سال کے قریب لیکن انہوں نے جسم کو خوب بنا کر رکھا تھا۔ آج تک ورزش کرتے تھے۔ یورپین بوڑھوں کی طرح ان کے چہرے پر ایک بھی جھری نظر نہ آتی لیکن یورپ کی بدذوق لڑکیاں۔ بس کیا کہوں انہیں اری بدبختو میری طرف دیکھنے سے کیا حاصل۔ مجھ سے عشق کرنا ہے تو پہلے میرے والد صاحب سے عشق کرو۔ ارے کوئی

انہیں بھی تو سنبھالو۔

ہمارا تعلق کشمیر سے ہے، بلند و بالا قد و قامت اور سرخ و سفید رنگ ہماری خصوصیت ہے۔ میں نے زندگی میں پہلی بار ملک سے باہر قدم نکالا تھا۔ یہ بھی والد صاحب کا ایک وعدہ تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ ایم اے کرنے کے بعد وہ مجھے سیاحت کی اجازت دے دیں گے اور انہوں نے بہر حال اپنے وعدے کا پاس کیا۔ میں ہی بد قسمت تھا جو جوش سیاحت میں والد صاحب کو دعوت دے بیٹھا۔ کاش اس رات کی گفتگو نہ ہوئی ہوتی۔ کاش اس رات مجھے سخت نیند آ رہی ہوتی اور میں کافی پینے میں ڈیڈی کے ساتھ شریک نہ ہوتا۔ میں ان سے نیند آنے کا کہہ کر اپنے کمرے کی راہ لیتا لیکن ان دنوں تو میرے اوپر سیاحت کا بھوت سوار تھا۔ میں ہر وقت سفر کی باتیں کرتے رہنا چاہتا تھا چنانچہ میں نے اپنے والد صاحب سے بڑے پیار سے کہا۔

''تو ڈیڈی! میری تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ اب کیا پروگرام ہے؟''

''ٹھیک ہے، چند کام باقی رہ گئے ہیں وہ بھی ہو جائیں گے، اس کے بعد روانگی۔'' انہوں نے پھیکی سی مسکراہٹ سے جواب دیا اور میں ان کی شکل دیکھنے لگا۔

''کیا بات ہے ڈیڈی! کیا آپ میرے جانے سے خوش نہیں ہیں؟''

''نہیں ...... ناخوشی کی کیا بات ہے۔ میں نے تم سے وعدہ کیا ہے بیٹے، بہر حال اس کا پاس ضروری ہے۔ بس ذرا تنہائی کا احساس ہے، تم سے جدا ہونے کی وجہ سے۔ میں نے کبھی باہر کا ٹور نہیں کیا حالانکہ غیر ممالک میں ہمارے اسٹاکسٹوں نے کئی بار دعوت دی۔''

''تو ڈیڈی! آپ بھی میرے ساتھ ہی کیوں نہ چلیں۔'' میں نے بے ساختہ کہہ دیا اور یہی بات قیامت ہو گئی۔ ڈیڈی خاموش ہو گئے، چند لمحات سوچتے رہے پھر بولے۔

''لیکن یہاں کے معاملات صرف ملازمین پر چھوڑ دیے جائیں؟''

مجھے اس وقت اپنی حماقت کا احساس نہیں تھا۔ نہ میرے ذہن میں حسیناؤں کی قربت کے حصول کا تصور تھا۔ نہ یہاں کے نائٹ کلبوں اور ہوٹلوں کا خیال

تھا، چنانچہ میں نے کہہ دیا۔
"کیا ہرج ہے۔ سب کے سب ایمان دار ہیں، آج تک کسی نے کبھی بے ایمانی نہیں کی۔"
"ہوں۔" ڈیڈی آہستہ سے بولے پھر کہنے لگے۔
"اچھا دیکھو، میں کل کمال صاحب سے بات کرتا ہوں۔"
کمال صاحب ہمارے کاروبار کے جنرل منیجر تھے۔ دراصل ہمارا قالینوں کا کاروبار تھا۔ اعلا پیانے پر قالین ایکسپورٹ کرتے تھے اور یورپ کے بہت سے ممالک میں ہماری زبردست ساکھ تھی۔ والد صاحب کی مجھ سے قربت کی خاص وجہ یہ تھی کہ میری پیدائش کے فوراً بعد میری والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ والد صاحب والدہ سے بے پناہ محبت کرتے تھے، انہوں نے دوسری شادی کا تصور بھی نہیں کیا اور اپنی پوری توجہ میرے اوپر مرکوز کردی اور ظاہر ہے آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ میری پرورش کس انداز میں ہوئی ہوگی۔
بہر صورت دوسرے دن والد صاحب نے مجھے خوش خبری سنائی کہ انہوں نے کمال صاحب سے بات کرلی ہے اور کمال صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی کمی محسوس نہ ہونے دیں گے چنانچہ ڈیڈی صاحب بھی میرے ساتھ چلنے کو تیار ہیں۔ اس وقت میں نے کچھ بھی نہ سوچا لیکن بعد میں بہت کچھ سوچنا پڑا۔ ڈیڈی نے اس طرح پروگرام بنایا کہ وہ ان جگہوں کو بھی دیکھ لیں جہاں ان کا کاروبار چل رہا ہے چنانچہ ہم نے ابتدا میں ایشیا کے چند ممالک کی سیر کی، اس کے بعد یورپ چل پڑے۔
ترکی میں قیام کے دوران مجھے شدت سے احساس ہوا کہ والد صاحب کی موجودگی میری تفریحات میں مانع ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی، زندگی میں پہلی بار ملک سے باہر قدم نکالا، وہ بھی والد صاحب کے ساتھ۔ لیکن اب پچھتائے کیا ہو سکتا تھا، سوائے اس کے کہ دل کو بہلاوے دوں کہ ایک بار پھر سفر کروں اور اس وقت دل کی حسرتیں نکال لوں گا، لیکن کس طرح...... اس دوسرے سفر کا کیا جواز ہوگا۔ یہ بات ابھی سوچی بھی نہیں تھی۔ ویسے عام حالات میں والد صاحب ایک بہترین دوست تھے۔ خود بھی ایڈونچر پسند تھے۔ اس لیے ان کی تفریحات میں ایک ندرت تھی۔ ایسے غیر متوقع سفر کرتے جو دلچسپ بھی ہوتے تھے۔ ان کے اسٹاکسٹ دوست انہیں مدعو کرتے تھے لیکن والد صاحب قبلہ کاروباری الجھنوں میں بالکل نہیں پھنستے تھے، انہوں نے کسی کی دعوت قبول نہیں کی تھی۔ حالانکہ سفر کے بہترین ذرائع موجود تھے لیکن تفریح طبع کی خاطر ہم بعض اوقات اس انداز میں سفر کرتے جو یقینی دلچسپی کا حامل ہوتا۔
چنانچہ استنبول سے اطالیہ کا سفر مشہور زمانہ اورینٹ ایکسپریس کے ذریعے طے کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ ٹرین براستہ صوفیہ، بلغراد، میلان، سوزان ہوتی ہوئی پیرس تک جاتی ہے۔ صاف ستھرے آرام دہ ڈبے، شیشے کی بڑی کھڑکیاں اور ان کے اوپر خوب صورت پردے۔ روشنی گل کیجیے تو ایک ننھی منی سی ہیڈ لائٹ خود بخود جل جاتی اور پھر جگمگاتے ہوئے سفید غسل خانے...... ٹیلی ٹرین کا یہ سفر میرے لیے بہت دلکش تھا۔ یہ ٹرین جو کسی زمانے میں بلقان کی تاریخ میں رومان و اسرار کی ایک علامت بن گئی تھی، اس گاڑی میں بلقان کے شاہی خاندانوں کے ایلچی، سفیر اور طرح طرح کے مشتبہ افراد کام کرتے اور دوران سفر سفارتی اور سیاسی جھگڑے، گولی اور خنجر کی زبان سے طے کیے جاتے تھے۔ اگاتھا کرسٹی کے مشہور ناول اورینٹ ایکسپریس میں قتل کا مرکزی خیال اسی ٹرین سے لیا گیا تھا اور میں اسی ٹرین میں سفر کر رہا تھا۔ بڑی عجیب سی کیفیت محسوس ہو رہی تھی۔
رات بھر کے سفر کے بعد صبح کو آنکھ کھلی تو بلغاریہ میں داخل ہو چکے تھے۔ ترک عملہ بلغار عملے سے بدل چکا تھا پھر یوگوسلاویہ اور پھر سیزان، اطالیہ میں داخل ہو چکے تھے اور یہیں ہماری ملاقات بوڑھے انکل غزنوی سے ہوئی۔ ڈیڈی خوب ہیں، نکلے کہاں کو تھے اور نکل کہاں آئے لیکن غور کیا جائے تو کارخانہ قدرت میں ایسے ہی عجوبے بھرے پڑے ہیں۔ زندگی بھی ایڈونچر پسند ہے۔ ایسے ایسے چکر دیتی ہے جو انسان کی کھوپڑی میں ہی نہیں سما سکتے۔ آپ غور کریں میں نے تعلیم سے فراغت کی،

ڈیڈی نے اپنے وعدے کا پاس کرتے ہوئے مجھے سفر کی
اجازت دی۔ میں نے ڈیڈی کی تنہائی سے متاثر ہو کر
انہیں اپنے ساتھ سفر کی دعوت دی اور پھر انکل غزنوی مل
گئے۔ گویا یہ سب ان واقعات کی کڑیاں تھیں جو ہمیں
پیش آنے والے تھے اور ان واقعات سے ایک خوب
صورت کہانی جنم لینے والی تھی۔

اطالیہ میں ہماری ملاقات انکل غزنوی سے ہوئی
اور اس وقت جب ہم وینس کے سان مارکو چوک کے
ایک قہوہ خانے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ قہوہ خانے بین
الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ اکثر کے پاس اپنے
آرکسٹرا ہیں جن کے موسیقار سر شام چوک میں کرسیاں
بچھا کر الاپ شروع کر دیتے ہیں۔ خوب رونق تھی، گھنٹہ
گھر اور کلیسا کے سامنے خوش پوش نوجوانوں کے غول
گھوم رہے تھے۔ سیاح لڑکیاں نظر آتیں تو ان میں سے
چند اپنے لمبے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ٹائی کی گرہ
کھلتے کسی خوب صورت لڑکی کے پیچھے چل پڑتے۔ کبھی
کام بن جاتا اور کبھی نہ بنتا۔ درمیانی عمر کے اطالوی بھی
سیڑھیوں پر بیٹھے ہر آنے والی سیاح عورت کو ہیٹ اتار
کر سلام کرتے۔

میری نگاہیں اس پورے ماحول کا جائزہ لے رہی
تھیں اور دل ہی دل میں کڑھ رہا تھا۔ طویل القامت
کشمیری باشندہ بہت سی نوجوان نگاہوں کا مرکز بنا تھا
لیکن کسے معلوم تھا کہ اس کا باپ بھی اس کے ساتھ ہے
اور وہ کسی نوجوان مشرقی لڑکی کی مانند بے بس ہے۔

ڈیڈی نے مشہور اطالوی کھانے قیمے اور
سویوں کا آرڈر دیا تھا۔ تب ان کی نگاہ سامنے کی میز
پر پڑی جہاں ایک درمیانی عمر کا جسیم آدمی سامنے
سرخ شراب کا جگ رکھے اخبار پڑھنے میں مشغول
تھا۔ ایک بار اس نے صفحہ پلٹنے کے لیے اسے چہرے
سے ہٹایا اور ڈیڈی کی نگاہ اس پر جا پڑی۔

''ارے......'' ان کے منہ سے نکلا اور میں
چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

''کیا بات ہے ڈیڈی؟'' میں نے جلدی سے
پوچھا۔

''منصور! ذرا سامنے بیٹھے ہوئے شخص کو
دیکھو۔'' ڈیڈی نے کہا۔

''میں دیکھ چکا ہوں ڈیڈی! کیا بات ہے؟''

''کیا تمہیں اس کی شکل جانی پہچانی نہیں محسوس
ہوتی؟''

''نہیں تو......کون ہے یہ؟''

''تم نے میرے البم میں فرہاد غزنوی کی تصویر
دیکھی تھی؟''

''شاید۔'' میں نے کہا۔

''ذرا غور سے اس کی شکل دیکھو۔'' ڈیڈی نے کہا۔

فرہاد غزنوی کا نام میرے لیے نیا نہیں تھا۔
ڈیڈی اکثر ان کے تذکرے کرتے رہتے تھے۔
فارسٹ آفیسر تھے کسی زمانے میں۔ یوں بھی مال دار
لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ ڈیڈی کے بچپن کے
دوست تھے پھر ملازمت چھوڑ کر سیاحت کو نکل گئے
اور کہیں مستقل اقامت اختیار کر لی۔

میں نے کئی بار ان کی تصویر دیکھی تھی، لیکن
اصلیت اور تصویر میں تھوڑا سا فرق ہوتا ہے۔ مجھے تو یہ
شخص اطالوی ہی معلوم ہوتا تھا، البتہ خدوخال تصویر
سے ضرور ملتے تھے۔

''آپ کو غلط فہمی تو نہیں ہوئی ڈیڈی۔'' میں نے کہا۔

''وار کیے لیتے ہیں۔'' ڈیڈی نے اپنی جگہ سے
اٹھتے ہوئے کہا اور میں نے ایک گہری سانس لی۔

ڈیڈی اس شخص کی میز پر پہنچ گئے اور وہ چونک کر
میرے ڈیڈی کو دیکھنے لگا پھر نجانے کیا گفتگو ہوئی۔
البتہ چند لمحات کے بعد میں نے دونوں کو ایک
دوسرے پر جھپٹتے ہوئے دیکھا اور پھر وہ ایک دوسرے
سے چمٹ گئے۔ میں نے ایک گہری سانس لی گویا وہ
انکل غزنوی تھے۔ پھر ڈیڈی نے میری طرف ہاتھ
ہلایا اور میں بھی اٹھ کر ان کی طرف بڑھ گیا۔ انکل نے
مجھے اسی انداز میں لپٹایا تھا۔

''ابے......تو تو باپ سے بھی دو ہاتھ آگے نکلا۔''

''اسی کی ضد نے تو مجھے بھی بالآخر وطن سے
قدم نکالنے پر مجبور کر دیا مگر تم سے ملاقات خوب

ہوئی۔ کیا کر رہے ہو بھئی، یہاں کب سے مقیم ہو؟''
''بس ایسے ہی نکل آیا تھا۔ کچھ نہیں کر رہا ہوں، عیش کر رہا ہوں۔ ویسے میرا قیام وینس میں نہیں ہے۔''
''پھر کہاں ہے؟''
''جہاں ہے، تم دیکھ ہی لو گے۔''
''کیا مطلب؟''
''بکواس مت کرو جی۔ مطلب پوچھنے کی اجازت نہیں ہے۔'' انکل غزنوی نے کہا اور ڈیڈی بھی ہنسنے لگے۔
''تو اب بھی نہیں بدلا ہے یار! بالکل اسی طرح۔''
''کبھی نہیں بدلوں گا۔'' انکل غزنوی نے ہنستے ہوئے کہا۔
بیرے نے ہمارا آرڈر اسی میز پر سرو کر دیا تھا۔ انکل غزنوی نے اس میں اضافہ کیا اور پھر بیرے کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
''ابے ہٹاؤ یہ سب یہاں سے۔ کیا میرے سامنے لغویات رکھ دیتے ہو۔ بال بچوں کا بھی خیال نہیں کرتے۔'' انہوں نے شراب کے جگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
ڈیڈی ہنسنے لگے۔ مجھے بھی ہنسی آ گئی تھی۔ بہرحال دلچسپ آدمی تھے بلکہ ان میں دنیا جہان کی باتیں ہونے لگیں، تب اچانک ڈیڈی نے ان سے پوچھا۔
''اور وہ مسز کہاں ہیں؟''
''مسز کیا ہوتا ہے؟'' انکل غزنوی نے حیرت سے پوچھا۔
''سچ بتاؤ، کیا شادی نہیں کی؟''
''کیوں پاگل نظر آتا ہوں کیا۔ کیوں کرتا شادی؟''
''اوہ۔'' ڈیڈی ہونٹ سکوڑتے ہوئے بولے۔
''تو تو آج تک اپنی ضد پر قائم ہے؟''
''ارے ضد کا ہے کی بھائی۔ عقل مندی کہو۔ بزرگوں کے حشر سے عبرت پکڑی۔ وہ بھی شادی کر کے کون سے خوش تھے کہ میں بھی شادی کر لیتا۔ جنگلوں میں عیش کرتا ہوں اور آج بھی شیروں سے ٹکرا جانے کی قوت رکھتا ہوں۔''
ڈیڈی ہنستے رہے، پھر انکل غزنوی نے پوچھا۔
''کہاں قیام ہے؟''
''پلازہ میں۔''
''روم نمبر؟'' انکل نے پوچھا اور ڈیڈی نے روم نمبر بتا دیا۔ تب انکل اجازت لے کر اٹھے اور کہیں چلے گئے، چند منٹ کے بعد وہ واپس آ گئے۔
''کہاں گئے تھے؟'' ڈیڈی نے پوچھا۔
''ذرا پلازہ فون کیا تھا اور انہیں ہدایت دی تھی کہ روم نمبر بائیس کا سامان ڈبل بیڈ پر پہنچا دیا جائے۔ میں وہیں مقیم ہوں۔'' انکل غزنوی نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔
''ذرا بھی نہیں بدلا تو، وہی جارحانہ انداز، وہی بدمعاش۔''
''شادی جو نہیں کی ہے۔'' انکل غزنوی نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔
بہرحال ہم انکل غزنوی کے ہوٹل آ گئے۔ بلاشبہ یہ شخص مجھے پسند آیا تھا۔ بے حد زندہ دل، بہت ہی بے تکلف۔ ان کی وجہ سے مجھے ایک آسانی بھی مل گئی تھی۔ اب ڈیڈی ان کے ساتھ الجھے رہتے اور مجھے تنہا سیر کی اجازت مل جاتی لیکن انکل غزنوی انتہا پسند تھے۔ ایک رات انہوں نے کھانے کے دوران کہا۔
''یہ جگہ ہم چھوڑ رہے ہیں۔''
''اوہ، کیوں؟'' ڈیڈی نے تعجب سے پوچھا۔
''واپس نہیں چلنا کیا؟''
''کہاں؟''
''جہاں میں رہتا ہوں۔ تمہارا کیا خیال ہے، اتنے دن کے بعد ہاتھ لگے ہو، کیا بچ کر نکل جاؤ گے؟'' انکل آنکھیں نکال کر بولے۔
''لیکن جانا کہاں ہے؟'' ڈیڈی ہنستے ہوئے بولے۔
''جہاں رہتا ہوں بس اس کے علاوہ کچھ نہیں بتایا جا سکتا۔''
''یہ تو بتا دو، وینس میں یا وینس سے باہر؟''
''احمقانہ سوال ہے۔ میں بتا چکا ہوں کہ میں یہاں نہیں رہتا۔''
''وینس سے باہر چلنا ہے؟''

"ہاں پاسپورٹ ویزا وغیرہ بھلے آدمی۔"
"تو کیا اس قدر ناکارہ انسان ہوں کہ تمہارے سوٹ کیس سے پاسپورٹ نکال کر ویزا بھی حاصل کر سکتا ہو۔" انکل نے منہ چڑھاتے ہوئے کہا۔
"ارے۔ خدا کی پناہ، تو تم یہ بھی کر چکے ہو؟"
"ہاں اور کل دس بجے کی فلائٹ سے سیٹیں بک کرا چکا ہوں۔"
"مگر کہاں کے لیے؟"
"جہنم کے لیے۔" انکل نے چڑچڑے انداز میں کہا۔
"مجھے یقین تھا کہ وہاں کے علاوہ اور تم کہاں رہ سکتے ہو۔ میرا خیال ہے وہاں تمہارا مناسب عہدہ ہوگا۔"
"ہاں ہاں داروغہ جہنم ہوں، تم سے مطلب۔" انکل غزنوی نے کہا۔ میں ان دونوں کی گفتگو پر مسکراتا رہا۔ ہمیں اس وقت تک نہیں معلوم ہوسکا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں، جب تک ائیرپورٹ پر اناؤنسر نے نہ پکارا۔
"ناہیتا کی فلائٹ کے لیے مسافروں سے التماس ہے کہ وہ طیارے پر پہنچ جائیں۔ فلائٹ تیار ہے۔" اور انکل غزنوی نے اپنا بریف کیس اٹھاتے ہوئے کہا۔
"آؤ۔"
"ناہیتا۔" ڈیڈی حیرت سے بولے۔
معمولی سفر نہیں تھا اور ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہم اتنا طویل سفر کرنے والے ہیں لیکن بہرحال جانا تو تھا انکل اور ڈیڈی ایک سیٹ پر تھے اور میں کم از کم اس بات پر خوش تھا کہ میرے سفر کی پارٹنر ایک خوب صورت لڑکی تھی۔ دوران سفر ایڈی مینر مجھ سے دلچسپ گفتگو کرتی رہی۔ وہ ایک اخبار رپورٹر تھی۔ صاف ستھرے مزاج کی مالک، اس کی گفتگو بھی صاف ستھری تھی۔ گو اس میں رومانی عنصر نہیں تھا لیکن ایک حسین ساتھی کی معیت ہی کیا کم ہوتی ہے۔ سفر خوب گزرا، انکل غزنوی نے ڈیڈی کو میری طرف متوجہ ہونے کی مہلت ہی نہیں دی تھی۔ ناہیتا کے ائیرپورٹ پر پہنچ کر ایڈی نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور رخصت ہوگئی۔ لیکن ہمارا سفر ختم نہیں ہوا تھا۔ اس رات ہم نے مالبرو میں قیام کیا۔ دوسری صبح ناشتے کے بعد ہوٹل چھوڑ دیا گیا۔ انکل غزنوی نے آٹو گیراج سے اپنی گاڑی حاصل کر لی اور سفر شروع ہوگیا۔ راستے میں انکل غزنوی نے بتایا کہ وہ آبادی سے دور...... انتہائی دور ایک ویرانے میں قیام پذیر ہیں۔ فیرو کا غیر آباد ہے، اس کے دوسری طرف قدیم باشندوں کی آبادی ہے جو آج تک تہذیب سے ناآشنا ہے اور افریقی جنگلیوں کی مانند زندگی گزارتے ہیں لیکن اس علاقے کا حسن انسان کو جکڑ لیتا ہے اور پھر وہ وہاں سے کہیں اور جانا پسند نہیں کرتا۔ اس اطراف میں شکار کی بہتات ہے، بس شکار کھیلو اور زندگی گزارو۔ یہ زندگی میری طبیعت سے میل کھاتی ہے اور یہاں سے زیادہ میں کہیں خوش نہیں رہ سکتا۔
"ہمیشہ کے جنگلی ٹھہرے۔" ڈیڈی نے جل کر کہا اور انکل غزنوی ہنسنے لگی۔
گاڑی سفر کرتی رہی۔ بہت طویل سفر تھا۔ پہلے دن ہم مسلسل سفر کرتے رہے۔ راستے میں ہمیں کئی بستیاں ملی تھیں لیکن انکل غزنوی نے کہیں قیام نہ کیا اور سفر جاری رہا۔ رات کو البتہ ایک غیر آباد علاقے میں قیام کیا گیا تھا۔ چاروں طرف سیاہ رنگ کے پہاڑ منہ پھاڑے کھڑے تھے۔ وہ کوئلے کے پہاڑ معلوم ہوتے تھے، شاید آتش فشاں رہے ہوں۔ بہرحال یہ جگہ مجھے پسند نہیں آئی۔ دوسری صبح ہم آگے بڑھ گئے۔
انکل نے ڈرائیونگ میرے حوالے کر دی تھی اور ناہموار پہاڑی راستوں پر گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے البتہ مجھے بہت لطف آرہا تھا۔ دوپہر تک ہم مسلسل چلتے رہے، پھر ایسے ہی ایک ویران علاقے میں قیام کیا گیا۔ ڈیڈی اس سفر سے بہت ناخوش تھے اور ان کی انکل سے جھڑپیں جاری تھیں لیکن انکل غزنوی ان کی ہر بات پر ہنس پڑتے تھے۔ پھر شام ہوئی اور رات ہوگئی۔
"آخر یہ سفر کہاں جا کر ختم ہوگا؟" ڈیڈی نے دانت پیستے ہوئے کہا۔
"میں بتا چکا ہوں۔" انکل نے ہنستے ہوئے کہا۔
"کیا مطلب؟"

''جہنم کا سفر اتنا آسان تو نہ ہوگا۔''
''ارے جہنمی تو ہمیں وہاں کیوں لے جارہا ہے؟''
''دوستی جو ٹھہری۔'' انکل نے ایک قہقہہ لگا کر کہا اور ڈیڈی بھی بے چارگی سے ہنستے رہے لیکن دوسرے دن کا سفر خوش گوار تھا۔ اب سرسبز علاقے شروع ہوگئے تھے۔ برف پوش پہاڑ، سبزے سے گھرے ہوئے میدان، ہواؤں میں انوکھی خوشبو رچی ہوئی تھی اور خواہ مخواہ فطرت میں ایک عجیب سی جولانی پیدا ہوگئی تھی۔
''بس دوپہر تک ہم منزل پر پہنچ جائیں گے۔'' انکل نے اطلاع دی۔
''خدا کا شکر ہے، تمہارے منحوس منہ سے کوئی خوش خبری تو سنی۔'' ڈیڈی نے ایک طویل سانس لے کہا۔
جوں جوں ہم آگے بڑھتے جارہے تھے ماحول کا حسن نکھرتا جارہا تھا۔ تھوڑی دیر چل کر انکل غزنوی کی بات پر یقین آنے لگا۔ ایسے پرسحر مناظر تھے کہ آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔ لگتا تھا اترو اور پکڑلو۔ واقعتاً بے نظیر علاقہ تھا اور پھر دور پہاڑوں کی آغوش میں بانسوں اور لکڑی کے شہتیروں سے بنا ایک عظیم الشان قلعہ نظر آیا۔ گاڑی اس وقت انکل غزنوی ہی ڈرائیو کررہے تھے اور اس کا رخ قلعے کی سمت ہی تھا۔
''ہوں، تو یہ ہے تمہارا اڈہ۔'' ڈیڈی نے کہا۔
''ہاں، اب تمہارا بھی ہے۔'' انکل غزنوی بہت حاضر جواب تھے۔
''لیکن کیا تم یہاں تنہا رہتے ہو؟''
''ہاں، میں اپنی ذات میں تنہا ہوں۔''
''کیا مطلب؟''
''مطلب یہ ہے، یہاں دوسرے لوگ بھی ہیں لیکن میں تنہا ہوں۔''
''ہمیشہ فلسفہ بگھارتے ہو، ایک بھی عادت تو نہیں بدلی ہے تم نے۔''
''عادات نہ خود ڈالی جاتی ہیں، نہ بدلی جاتی ہیں۔ انسان بے بس ہے۔'' انکل غزنوی نے کہا اور پھر ہم اس قلعے کے پھاٹک پر پہنچ گئے جہاں بہت سے مرد، عورتیں اور بچے کھڑے تھے۔ مختصر ترین لباسوں میں ملبوس، قوی ہیکل اور جفاکش ...... یقیناً یہ مہذب لوگ نہ تھے۔ وہ سب خوشی سے ہاتھ ہلا رہے تھے۔
''بونارا آگیا...... بونارا آگیا......''
بچے چیخ رہے تھے۔ گاڑی اندر داخل ہوگئی اور سب کے سب اس کے پیچھے دوڑتے رہے۔ میں یہ تمام باتیں دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ انکل غزنوی اتنے پراسرار انسان ہوں گے۔ انکل ایک ایک بچے کو اٹھا اٹھا کر پیار کررہے تھے۔ عورتوں کے سروں پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔ مردوں کے شانے تھپتھپا رہے تھے۔ جیسے یہ سب ان کی اولادیں ہوں۔ پھر انہوں نے اپنے سامان کے بنڈل کھولے، بڑے بنڈل تھے جو پٹیوں میں کسے ہوئے تھے۔ اس سے پہلے میں نے ان بنڈلوں کے بارے میں سوچا نہیں تھا۔ نجانے ان میں کیا ہے لیکن کھلنے پر معلوم ہوا کہ ان میں ان سب لوگوں کے لیے تحائف ہیں۔ کپڑے، کھانے پینے کی چیزیں اور نجانے کیا الا بلا۔ جو انکل نے ان سب میں تقسیم کردیں اور پھر وہ گردن اٹھا کر بولے۔
''شینا کہاں ہے؟''
''جھرنے پر گئی ہے۔'' ایک مرد نے کہا اور انکل گہری سانس لے کر رہ گئے۔
نجانے یہ شینا کون ہے۔ میں، ڈیڈی اور انکل اب ان لوگوں سے فارغ ہوگئے تھے۔ تب وہ ہمیں لیے ہوئے اندر آئے۔ پوری عمارت لکڑی سے بنائی گئی تھی۔ ضروریات زندگی کے سارے لوازمات موجود تھے۔ کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ کئی بڑے بڑے کمرے، جن میں سے ایک کمرہ ہمیں دے دیا گیا۔ وہاں ہمارا سامان رکھ دیا گیا تھا۔
''باتھ روم سے نہا دھو کر فارغ ہوجاؤ۔ پھر چائے پئیں گے۔'' انکل غزنوی نے کہا اور ڈیڈی نے گردن ہلا دی۔ انکل کمرے میں چلے گئے۔
''خوب ہے یہ شخص بھی۔'' ڈیڈی نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔
''میرے گمان میں بھی نہیں تھا ڈیڈی کہ انکل اس قدر پراسرار انسان ہوں گے۔''

وہ ہمیشہ کا ایسا ہے۔ کیا کرتا ہے، کیا سوچتا ہے، کبھی اس کے بارے میں صحیح اندازہ نہیں لگایا جاسکا۔ ویسے بڑا خوب صورت علاقہ ہے۔ کیا تمہیں پسند آیا؟''

''بے حد۔'' میں نے جواب دیا۔

''تب کیا ہرج ہے، چند روز یہاں گزار لیے جائیں تو؟''

''کیوں نہیں ڈیڈی! ضرور۔''

''ویری گڈ۔ مجھے تمہارا ہی خیال تھا۔ مجھے تو ایسی جگہیں بہت پسند ہیں اور پھر غزنوی کے ساتھ یہاں شکار بھی رہے گا، کسی زمانے میں میرا محبوب مشغلہ تھا۔''

''یقیناً۔'' میں نے جواب دیا۔

''جاؤ، پہلے تم غسل کر کے لباس بدل لو۔'' ڈیڈی نے کہا اور میں نے ان کے حکم کی تعمیل کی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم درمیانی کمرے میں جہاں ایک اعلا درجے کی ڈائننگ ٹیبل پڑی ہوئی تھی۔ چائے کے لیے بیٹھے تھے، مقامی لوگوں میں سے تین افراد میز پر چائے کا سامان لگا رہے تھے۔ خاصے لوازمات تھے جن میں کچھ اجنبی تھے۔

''یہ میری دریافت ہیں، یہاں کچھ خصوصی پھل پائے جاتے ہیں جن سے یہ اشیاء کی تیار کی جاتی ہیں۔ یہاں اندرونی علاقوں کے جنگلی باشندوں کی خوراک ہے۔ میں نے اسے کچھ جدید شکلیں دے دی ہیں مثلاً حلوہ۔''

درحقیقت حلوہ بے حد لذیذ تھا اور کسی پھل سے تیار کیا گیا تھا۔

''ان لوگوں کی کیا حیثیت ہے؟'' ڈیڈی نے پوچھا۔

''یہ بچے میرے ساتھی، اندرونی علاقوں کے باشندے ہیں۔ میرا مطلب ہے تہذیب یافتہ قوموں سے ان کا کوئی واسطہ نہیں۔ بس میرے ساتھ رہتے ہیں، میرے کام کرتے ہیں۔ کھیتی باڑی خود کر لیتے ہیں اور دوسری ضروریات میں پوری کر دیتا ہوں۔ میں نے اپنی زبان بھی سکھا دی ہے انہیں۔ پوری طرح قابل بھروسا، مکمل طور سے قابل اعتماد......''

''بڑی عجیب زندگی گزار رہے ہو۔ ویسے یہاں کچھ حادثے بھی پیش آتے رہتے ہوں گے۔'' ڈیڈی نے پوچھا۔

''حادثات کا تو زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ حادثات نہ ہوں تو زندگی بے مزا ہو جائے۔''

''یہاں کی کیا کیفیت ہے؟''

''اکثر زلزلے آتے رہتے ہیں۔ کبھی کبھی شیر ادھر آ نکلتا تو خاصی گہما گہمی رہتی ہے اور اسے ہلاک کرنے کے نت نئے طریقے سوچے جاتے ہیں اور جب وہ ہلاک ہو جاتا ہے تو ایسی خوشی ہوتی ہے جیسے نجانے کیا مل گیا۔''

''خوب......اور کچھ؟''

''بس کبھی کبھی قریبی وحشی لوگوں پر خناس سوار ہوتا ہے تو وہ حملہ کر دیتے ہیں لیکن ابھی تک ان کے یہاں آتشی ہتھیار نہیں استعمال ہوئے۔ اس لیے اب وہ ادھر کا رخ نہیں کرتے۔ ہاں سمندر کے اس طرف بہت سے جزائر ہیں، جہاں کے لوگ زیادہ ہوشیار اور چالاک ہیں۔ وہ آتشی ہتھیاروں کا استعمال بھی جانتے ہیں۔ صرف ایک بار ان سے مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ ایک شخص کی تلاش میں آئے تھے، تقریباً بارہ سال پہلے کی بات ہے جب شینا آٹھ سال کی تھی اور سوبیتو اسے لایا تھا۔''

''سوبیتو......'' میں نے پوچھا۔

''ہاں، ان ہی میں سے کسی جزیرے کا باشندہ تھا۔ ان کا آپس میں جھگڑا چل گیا۔ سوبیتو نے مجھے اس کی تفصیل بتائی تھی۔''

''کیا قصہ تھا انکل! مجھے بتایے۔ میں اس علاقے میں بڑی کشش محسوس کر رہا ہوں۔''

''بارہ سال قبل کی بات ہے۔ سمندر کی اس طرف موجود جزیروں کی طرف سے ایک چھوٹی سی کشتی ساحل سے آ لگی۔ اس میں ایک نوجوان آدمی اور ایک آٹھ سالہ بچی سوار تھی۔ میں اس وقت سمندر کے کنارے پر موجود تھا، میں نے ان دونوں کو کشتی

وار تھے۔ ان سے کافی خون بہہ گیا تھا۔ میں اسے لے آیا اور پھر میں نے اس کی مرہم پٹی کی لیکن اس نے بتایا کہ اب وہ شاید ہی بچ سکے کیونکہ جن بھالوں کے نشان اس کے جسم پر ہیں، وہ زہریلے تھے۔ ان کا زہر کسی طور جسم سے زائل نہیں ہوا۔ میں نے اس وقت اس کے بارے میں تفصیل نہیں پوچھی بلکہ پوری محنت سے اس کے زخموں کا علاج کرنے لگا۔ میرے علاج نے اس کے زخم ٹھیک تو نہ کیے البتہ وہ کسی حد تک خشک ضرور ہو گئے تھے۔ تب ایک دن سوبیتو نے مجھے اپنے بارے میں تفصیل بتائی۔

اس نے بتایا کہ وہ قبیلہ سانکوسانتو کا باشندہ ہے اور اس کے ساتھ جو بچی ہے، وہ اس کی بیٹی ہے۔ سانکوسانتو پر پجاریوں کا راج ہے اور قبیلے کے عوام کی زندگی ان پجاریوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ ایک سردار بھی ہے مگر وہ کٹھ پتلی ہوتا ہے اور پجاریوں کے اشاروں پر ناچتا ہے۔ سوبیتو نے بتایا کہ اسے اپنے قبیلے کی کسی لڑکی سے عشق ہو گیا تھا۔ رسم و رواج کے مطابق شادی کا پیغام دے دیا اور پھر وہ رسم بھی پوری کر دی جو شادی کرنے کے لیے ہوتی ہے یعنی ایک جنگلی سانڈ شکار کر کے لڑکی کے باپ کے گھر بھجوا دیا جاتا ہے۔ اس کی محبوبہ کے باپ نے لڑکی کی شادی اس کے ساتھ کر دی تھی۔ سوبیتو کے کہنے کے مطابق اس کی بیوی بہت حسین تھی۔ پجاری قبیلے کی جس لڑکی کو پسند کر لیں، وہ ان کی ملکیت ہوتی ہے۔ اس لیے سوبیتو نے اپنی بیوی کو پجاریوں کی نگاہوں سے بچا کر رکھا تھا۔

یہاں تک کہ سوبیتو کے ہاں شینا پیدا ہوئی حالانکہ اس کے دو بچے ہو گئے تھے لیکن آج بھی وہ اتنی ہی خوب صورت تھی کہ پجاری نے اسے پسند کر لیا اور پھر سوبیتو کی دنیا کو اجڑنے سے کون روک سکتا تھا۔ اس کی بیوی پجاری کی خانقاہ میں پہنچ گئی۔ سوبیتو نے ہر دروازہ کھٹکھٹایا، اس نے بڑی پجاری سے فریاد کی لیکن بڑے پجاری نے اسے دھکے دے کر نکلوا دیا۔

کو کون منہ لگا سکتا تھا۔ سردار کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔ سوبیتو کی سننے والا کوئی نہیں تھا، وہ جسے چاہتا اپنی بپتا سناتا۔ وہ حیرت سے اس کی شکل دیکھنے لگتا تھا، بھلا یہ کوئی بات تھی۔ اگر اس کی بیوی، دو بچوں کے بعد بھی پجاری کو پسند آ گئی تو یہ اس کی خوش قسمتی تھی۔ اسے واپس کرنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے تب مجبور ہو کر سوبیتو بغاوت پر اتر آیا۔ وہ اپنی بیوی سے چوری چھپے ملا اور اس نے اس سے کہا کہ اب بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ نکل چلے اور اپنی دونوں بچیوں کو لے کر سمندر پار کے کسی دور دراز مقام پر چلے جائیں لیکن اس کی بیوی نے اسے دھتکار دیا۔

”تو پاگل ہو سکتا ہے سوبیتو! میں پاگل نہیں ہوں جو پجاری کو دھوکا دینے کا گناہ کروں۔ میں یہاں بہت خوش ہوں۔“

اور سوبیتو کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ جس کے لیے وہ اس قدر سرگرداں تھا، خود اسے اس کی پروا نہیں تھی۔ چنانچہ اس نے انتقام کا فیصلہ کر لیا اور ایک کالی رات میں جب پجاری اور سوبیتو کی بیوی ایک دوسرے سے ہم آغوش تھے۔ سوبیتو نے تیز بھالے سے دونوں کو موت کے گھات اتار دیا۔ دونوں کی بھیانک چیخ سے دوسرے لوگ جاگ پڑے اور سوبیتو وہاں سے سرپٹ دوڑ پڑا۔ پروگرام کے مطابق وہ بچیوں کو لے کر سمندر کے کنارے کی طرف بھاگا جہاں فرار کے لیے کشتی موجود تھی لیکن جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر پھیل گئی تھی کہ سوبیتو نے پجاری کو ہلاک کر دیا ہے۔ لوگ اپنے اپنے ہتھیار لے کر پجاری کا انتقام لینے کے لیے دوڑ پڑے تھے کیونکہ یہ بے حد ثواب کا کام تھا۔

ایک جگہ سوبیتو چند لوگوں کے ہاتھ لگ گیا اور اس نے ان سے خوف ناک جنگ کی۔ اس نے اپنے دشمنوں کو ٹھکانے لگا دیا لیکن اس کی کوشش میں اس کی ایک بچی سمندر میں نکل گئی تھی۔ لوگوں کے غول کے

کوں ... میں لیے اسے تلاش کررہے تھے۔ اس نے بچی کو بہت سی آوازیں دیں لیکن وہ نہ ملی۔ لوگ قریب آتے جارہے تھے، خود اس کا جسم زخموں سے نڈھال تھا۔ اس لیے مجبوراً وہ ایک ہی بچی کو لے کر چل پڑا اور پوری رفتار سے کشتی چلاتا ہوا ان سے دور نکل آیا۔ اس طرح وہ ایک بچی کے ساتھ یہاں تک پہنچا تھا۔ یہ سوبیتو کی کہانی تھی۔ اس کی بعد وہ ایک ماہ تک زندہ رہا لیکن زہر اپنا کام کررہا تھا چنانچہ ایک صبح اس نے دم توڑ دیا۔ اس کی بچی کو میں نے پال لیا تھا۔ پورے پانچ سال کے بعد اچانک ایک شام بہت سی کشتیاں ساحل سے آلگیں۔ ان سے اترنے والے ساکوسانتو قبیلے کے لوگ تھے جن کی قیادت ایک قوی ہیکل نوجوان کررہا تھا۔ یہ لوگ آتشیں ہتھیاروں سے لیس تھا۔ ساکوسانتو قبیلے کا سردار مجھ سے ملا، اس نے بتایا کہ وہ سوبیتو سے پجاری کے قتل کا انتقام لینے آیا تھا۔ وہ نیا سردار بنا ہے اور نئے سردار کے لیے ضروری ہے کہ وہ ثواب کا کام کرے چنانچہ سوبیتو کو گرفتار کرکے وہ ثواب کمانا چاہتا ہے۔

میں نے ا... بتایا کہ سوبیتو مر چکا ہے، صرف اس کی بچی میرے پاس موجود ہے۔ سردار نے میری بات نہ مانی اور اس پ... عمارت کی تلاشی لی پھر اس نے مطالبہ کیا کہ بچی کو اس کے حوالے کردیا جائے۔ تب میں نے اس سے کہا کہ وہ شرافت سے واپس چلا جائے ورنہ پھر اس کے ساتھی اس کے انتقام کے چکر میں پھریں گے، یوں ہماری ٹھن گئی۔ سردار باہر نکل گیا لیکن چند ہی گھنٹوں کے اندر اپنے آدمیوں کو منظم کرکے اس نے عمارت کو گھیر لیا۔ ان کی تعداد مناسب تھی لیکن میرے ساتھ تربیت یافتہ تھے۔ انہوں نے بہترین مورچے بنائے اور وہی ہوا جو میں نے کہا تھا۔ نیا سردار بمشکل جان بچا کر بھاگ سکا، اس کے ساتھ اس کے آدمی بھی زندہ نہیں گئے تھے۔ بہرحال اس کے بعد ہم کئی سال تک ان کے دوسرے حملے کا انتظار کرتے رہے لیکن ان کی اس طرف آنے کی ہمت نہیں پڑی اور اب یہ حال ہے کہ شینا بڑی ہوگئی ہے۔

انکل غزنوی کی کہانی ختم ہوگئی۔ درحقیقت دلچسپ کہانی تھی۔ اس رات میں کافی دیر تک اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ میرے دل میں اس جنگلی لڑکی کو دیکھنے کی خواہش تھی لیکن دوسرے دن ناشتے پر بھی وہ موجود نہیں تھی۔ دوپہر کے کھانے پر بھی وہ نظر نہیں آئی، نہ ہی انکل غزنوی نے اس کے بارے میں کوئی تذکرہ کیا تھا۔ وہ تو بس ڈیڈی میں کھوئے تھے۔ ہر وقت سر جوڑ بیٹھے رہتے۔

شام کو چار بجے کے قریب میں اکتا کر اس قلعے سے نکل آیا۔ میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ خود ہی اس کو تلاش کرلوں گا۔ یہ لوگ تو مجھے بھول ہی گئے ہیں، چنانچہ میں جنگل میں ایک سمت چل پڑا۔

اس علاقے کی بے پناہ خوب صورتی سے کون انکار کرسکتا تھا۔ درحقیقت قدرت نے اسے پوری فیاضی سے حسن بخشا تھا۔ ان حسین مناظر میں گم ہوکر میں سب کچھ بھول گیا تھا۔ میرے قدم اس خوب صورت جھرنے کی طرف اٹھ گئے جو جھاگ اڑاتا ہوا کافی بلندی سے گررہا تھا۔ میں جھرنے کی طرف بڑھ گیا اور پھر ایک پتھر پر بیٹھ کر قدرت کے ان حسین مناظر سے لطف اندوز ہونے لگا۔ اچانک میری نگاہ کسی متحرک شے پر پڑی اور میں خیالات سے نکل آیا۔ ایک سیاہ رنگ کا ہرن تھا جو جھرنے سے بن جانے والی ندی کا شیریں پانی پینے آیا تھا۔ میں چونکہ ساکت و جامد تھا، اس لیے اس کی نگاہ میرے اوپر نہیں پڑی تھی۔ اس نے نہایت خاموشی سے پانی میں منہ ڈال دیا۔ میں بھی بالکل ساکت ہوگیا تھا تاکہ ہرن آرام سے اپنی پیاس بجھا سکے لیکن پھر اچانک میری نگاہ ہرن سے تھوڑے فاصلے پر پانی کے جھرنے میں ایک سر پر پڑی۔ کوئی جل پری تھی جو پانی سے برآمد ہورہی تھی لیکن اس کے ہاتھ میں ایک چمکتا ہوا بھالا تھا اور دوسرے لمحے بجلی کی سی تیزی سے اس نے بھالا ہرن کی سمت پھینکا۔ بلا کی قوت تھی۔ بھالا ہرن کے پیٹ میں پیوست ہوگیا اور وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

میں بہت مایوس ہوا اور ہرن کی موت پر میرا دل رو پڑا تھا۔ لیکن میں گھبرائے ہوئے انداز میں اس کو دیکھ رہا تھا جس کے جسم پر لباس نام کی کوئی شے نہیں تھی۔

وہ مجھے گھور کر دیکھنے لگی۔ اس کا جسم مکمل طور پر برہنہ تھا۔ اس نے ہرن کے قریب پہنچ کر بھالا ہرن کے جسم سے نکال کر ایک جگہ پر رکھا اور ہرن کے تڑپنے کا نظارہ کرنے لگی۔ میں آنکھیں اور منہ پھاڑے اس کی وحشت کا نظارہ کرنے لگا۔ پھر جب ہرن کی تڑپ ختم ہوگئی تو وہ جھکی اور اس نے ہرن کی دونوں ٹانگیں پکڑ لیں، پھر اسے گھسیٹتی ہوئی ایک چٹان کے عقب میں لے جانے لگی۔ میں اسے نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہتا تھا چنانچہ میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور احتیاط سے اس کی طرف جانے لگا۔ لیکن وہ کافی تیز حس رکھتی تھی، اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوگیا۔ دوسرے لمحے اس نے جلدی سے ہرن کے جسم سے نکالا ہوا بھالا اٹھالیا اور تن کر کھڑی ہوگئی۔ اس کی نگاہیں میرے اوپر جمی ہوئی تھیں۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ میں اس کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین تھا لیکن اس کی وحشت سے خوف زدہ تھا۔ نجانے یہ وحشی لڑکی میرے ساتھ کیا سلوک کرے لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ اسے اپنی برہنگی کا ذرا بھی احساس نہیں تھا جبکہ وہ مجھے دیکھ بھی چکی تھی۔

اور جب اس نے کوئی احساس نہ کیا تو میں دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھائے اس کی طرف بڑھ گیا۔ وہ چوکنی کھڑی تھی، میں اس کے مقابل پہنچ گیا۔

''تم...... تم کون ہو؟'' میں نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''تم کون ہو؟'' اس نے فوری سوال کیا اور میں بھونچکا رہ گیا۔ وہ تو صاف صاف زبان بول رہی تھی۔

''میں اس جگہ رہتا ہوں۔ غزنوی کا مہمان ہوں۔''

''ارے......'' اس نے حیرت سے کہا اور پھر اس کا بھالے والا ہاتھ نیچے ہوگیا۔ ''تم بوآنا کے وہ مہمان ہو جس کے بارے میں سوتا نے مجھے بتایا تھا۔''

''ہاں۔'' میں جلدی سے گردن ہلائی حالانکہ نہ میں بوآنا کو جانتا تھا اور نہ ہی سوتا کو اور وہ ہنس پڑی۔ بڑی دلکش ہنسی تھی۔ اس نے جھک کر دوبارہ ہرن کی ٹانگیں پکڑ لیں اور ہاتھ سے مجھے اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

''آؤ، میرا نام شینا ہے اور میں بھی وہیں رہتی ہوں۔''

اور میرے اوپر بجلی سی گر پڑی۔ یہ شینا ہے۔ یہ بے باک اور برہنہ لڑکی، میں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

چٹان کی عقب میں اس کا کچھ اور سامان پڑا تھا مثلاً لکڑیوں کا ڈھیر، گوشت بھوننے کی ٹکٹکی اور کچھ کپڑے۔ اس نے بیزاری سے ایک ڈھیلا ڈھالا لبادہ اٹھایا اور اپنے کاندھوں پر ڈال دیا۔ جیسے اسے لباس سے کوئی دلچسپی نہ ہو لیکن فرض پورا کرنے کے لیے پہن لیتی ہو۔ پھر اس نے اپنے سامان سے ایک چاقو نکالا اور ہرن کی گردن کاٹ کر اس کی کھال اتارنے لگی۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ کیا ٹائپ ہے اس لڑکی کا، لیکن بہت خوب صورت تھی۔ آزاد ماحول کی پروردہ، حسین جسم کی مالک، خود سے ناآشنا۔ ایسی کسی لڑکی کا تو میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ میں اسے کھال ادھیڑتے دیکھتا رہا۔ وہ نہایت چابک دستی سے ہرن کی کھال اتاری جا رہی تھی، جیسے وہ اس کام کی ماہر ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے کھال اتار کر ہرن کی آلائش صاف کردی اور پھر ہرن کو ٹکٹکی میں اڑس دیا اور اس کے بعد وہ ہرن کے نیچے آگ جلانے لگی۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے میری طرف دیکھا۔ وہ دیکھتی رہی پھر ایک پتھر کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

''بیٹھو۔ تم کہاں سے آئے ہو؟''

''دور سے...... بہت دور سے۔''

''میں سمجھ گئی، جہاں سے بوآنا کپڑے اور کھانے پینے کا سامان لاتا ہے۔''

''ہاں۔ کیا تم نے وہ دنیا دیکھی؟''
''میں دیکھنا بھی نہیں چاہتی۔''
''کیوں۔''
''مجھے وہ پسند نہیں ہے۔ مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا۔''
''اوہ......'' میں اسے دیکھنے لگا۔ وہ الجھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر کشمکش رقصاں تھی۔
''تمہیں یہ دنیا پسند ہے۔''
''ہاں۔'' اس نے اسی انداز میں کہا اور پھر ہرن کو گھمانے لگی۔ شعلے تیز ہو گئے تھے۔
''تمہیں شکار کرنے کی خاصی مہارت ہے۔'' میں نے کہا۔
''ایں ہاں......'' وہ اچانک ہنس پڑی۔ ''کیا تم نے مجھے شکار کرتے ہوئے دیکھا تھا؟''
''ہاں۔''
''یہ صرف میرا طریقہ ہے۔ میں پانی میں چھپ جاتی ہوں اور جب ہرن پانی پینے آتے ہیں تو میں انہیں آسانی سے شکار کر لیتی ہوں۔''
''تمہیں ان معصوم جانوروں پر رحم نہیں آتا۔''
''کیوں، رحم کی کیا بات ہے۔ کیا تمہیں ان کا گوشت پسند نہیں ہے؟'' اس نے کہا۔
''میں نے کھایا نہیں آج تک۔''
''کھاؤ گے۔''
''ہاں۔'' میں نے گردن ہلا دی۔
مجھے اس کی اداؤں میں بڑی کشش محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے چاقو سے بھنے ہوئے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری طرف بڑھا دیا اور دوسرا خود کھانے لگی۔ اس کے کھانے کا انداز بھی بڑا وحشیانہ تھی۔ حسین اور پرکشش لڑکی تھی۔ میرے ذہن میں رومان کے کیڑے کلبلانے لگے لیکن بہرحال اس سے عشق ٹیڑھی کھیر تھا۔ شکاری لڑکی تھی۔ نجانے رومان کو کیا سمجھے، بالکل الہڑ اور وحشیانہ فطرت کی مالک تھی۔ بہرحال میں نے سوچا کہ اگر ڈیڈی یہاں کچھ دن رک گئے تو اسے رام کر ہی لوں گا۔ کون سی بڑی بات تھی، بہرحال لڑکی تھی کوئی بچی نہ تھی۔ پھر بھی میں نے کہا۔
''تم گھر کب جاؤ گی۔''
''ابھی نہیں۔ میرا دل ابھی یہاں مزید رہنے کا ہے، ہو سکتا ہے دو دن میں آ جاؤں۔'' اس نے کہا اور میں واپسی کے لیے چل پڑا۔ پھر اس رات جب ہم دستر خوان پر بیٹھے تو میں اپنا تجسس نہ روک سکا۔ ڈیڈی، انکل غزنوی سے گفتگو کر رہے تھے، میں نے بھی ان سے سوال کر دیا۔
''ساکوسانتو قبیلے کی اس لڑکی کو میں نے کبھی نہیں دیکھا انکل۔ کیا وہ آپ کے پاس نہیں رہتی؟'' میرا انداز ایسا تھا کہ جیسے میں اس لڑکی سے ابھی ملا ہی نہیں ہوں۔
''شینا......'' انکل غزنوی نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''عجیب و غریب فطرت کی مالک ہے وہ لڑکی۔ بچپن سے یہاں ہے، میں نے اسے انسان بنانے کی بہت کوشش کی۔ تم یہاں موجود دوسرے لوگوں کو دیکھ رہے ہو، کافی حد تک انسان بن گئے ہیں لیکن شینا میری اپنی تربیت کے باوجود انسان نہ بن سکی۔ وہ بے حد ذہین ہے، بہت چالاک اور پھرتیلی ہے۔ ایک بات سمجھتی ہے لیکن یقین کرو منصور میاں! اس نے بچپن ہی سے یہاں کے ماحول کو قبول نہ کیا۔ وہ ابتدا سے وحشی ہے، مار باندھ کر بٹھا لو، کچھ بھی کر لو لیکن مہلت ملتے ہی وہ پھر سے وہی بن جاتی ہے۔ وہ یہاں ایک بار بھی نہیں مسکرائی۔ آج تک کسی نے اسے ہنستے نہیں دیکھا۔''
انکل غزنوی نے کہا اور میرے ذہن میں اس کی ہنسی آ گئی۔ میرے سامنے تو وہ ہنسی تھی ہاں لیکن اپنی ایک وحشیانہ حرکت پر۔
''وہ کہیں ایک جگہ نہیں سوتی۔ کبھی کبھی تو جنگل میں ہی رات بسر کر لیتی ہے۔ کبھی میرے ساتھ کھانا نہیں کھاتی۔ جانوروں کا شکار کر کے کھاتی ہے۔'' انکل غزنوی نے اس کے بارے میں مزید بتایا۔
''تو وہ گھر نہیں آتی۔''
''آ جائے گی، جب دل بھر جائے گا تو آ جائے

گی۔'' ابھی انکل نے اتنا ہی کہا تھا کہ ایک آدمی دوڑا ہوا اندر آیا۔

''بونارا...... بونارا...... وہ...... وہ ...... شینا......''

''کک...... کیا ہوا شینا کو؟''

''وہ ساکو قبیلے کے لوگ...... وہ...... وہ اسے اٹھا کر لے گئے ہیں۔''

''کیا؟'' انکل غزنوی اپنی جگہ سے کھڑے ہوگئے۔ پھر ان کی سمجھ میں ساری بات آ گئی۔ انہوں نے کہا۔

''تم لوگ یہاں رکو، میں اپنے آدمیوں کو لے کر وہاں جا رہا ہوں۔''

''کیا آپ اس جگہ کے بارے میں جانتے ہیں؟''

''ہاں۔''

''تو پھر میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا انکل۔''

''اور میں بھی۔'' ڈیڈی نے نجانے کس جذبے کے تحت کہا۔ پھر تیاریاں کی گئیں اور ہم لوگ چل پڑے۔ ہم نے تیاریاں بہت زیادہ کی تھیں لیکن ہم ہر بات کے لیے تیار تھے اور جس کا ڈر تھا وہی ہوا۔ انہوں نے ہم سے جنگ کی اور ہمارے تمام آدمی مارے گئے۔ صرف میں، انکل غزنوی اور ڈیڈی بچے تھے۔ انہوں نے ہمیں قیدی بنالیا۔ پھر ایک دن انہوں نے ہمیں مجمع کے سامنے پیش کیا۔ انکل غزنوی نے کہا۔

''تم لوگوں نے شینا کو پکڑ لیا اور جب ہم اسے تلاش کرتے ہوئے یہاں پہنچے تو ہمارے آدمی مار دیے۔ تمہارے قبیلے میں قانون، اصول نام کی کوئی چیز ہے یا نہیں۔'' یہ بات سنتے ہی ان کو بوڑھا پجاری غصے میں آ گیا اور اس نے چیخ کر کہا۔

''شینا سامنے آؤ۔''

مجمع سے شینا نکل کر سامنے آ گئی۔ میں نے اسے دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس وقت وہ بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔ اس نے مخصوص انداز میں بال باندھے ہوئے تھے اور اس کے بالوں میں ایک خوب صورت پھول لگا ہوا تھا۔ شینا کے چہرے پر عجیب سی بے باکی تھی اور اس کے کندھے پر ایک خون خوار عقاب بیٹھا ہوا تھا لیکن اس کی نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''تم بتاؤ...... تمہارے غدار باپ نے پادری اور تمہاری ماں کو قتل کر دیا تھا۔ انتقام کے لیے وہ موجود نہیں ہے...... لیکن وہ موجود ہے جس نے تمہاری ماں کے قاتل کو پناہ دی تھی۔ بولو اسے کیا سزا دی جائے۔''

شینا آگے بڑھی اور ہمارے نزدیک پہنچ گئی۔ اس نے ہمارے گرد تین چکر لگائے، میرے سامنے رکی اور مسکراتی آنکھوں سے مجھے دیکھا اور واپس چلی گئی۔ پھر ایک جگہ جا کر رک گئی اور بولی۔

''میری رائے ہے کہ انہیں آزاد کر دیا جائے۔''

اس نے کہا اور تمام پجاری کھڑے ہوگئے۔

''یہ ناممکن ہے۔ انہوں نے ہمارے آدمیوں کو بھی قتل کیا ہے۔''

''اس سلسلے میں لڑکیوں سے رائے لینے کی ضرورت نہیں مقدس پجاری! انہیں قتل کر دیا جائے۔'' سردار نے تجویز پیش کی اور سب نے اس کی تائید کی۔ چاروں طرف سے شور بلند ہونے لگا کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ بوڑھے پجاری نے ہاتھ اٹھا کر سب کو خاموش کر دیا اور بولا۔

''ہم ان کے ساتھ صرف ایک رعایت کر سکتے ہیں، وہ یہ کہ انہیں لڑ کر مرنے دیا جائے۔ یہ تینوں ہمارے ایک ایک آدمی سے مقابلہ کریں گے۔ اگر انہوں نے قتل کر دیا تو انہیں آزاد کر دیا جائے گا ورنہ یہ ان کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔''

اور اس فیصلے پر سب خوشی سے تالیاں بجانے لگے۔ گویا سب اس فیصلے سے متفق تھے۔ ہمیں دوبارہ کٹہرے میں بند کر دیا گیا۔ اب تو میری بھی بری حالت تھی۔ صبح کو ہمیں ناشتا دیا گیا۔ ڈیڈی نے تو کچھ نہ کھایا۔ ہم نے لاکھ کوشش کی لیکن ان کی حالت بہت

بری تھی۔ بالآخر ہمیں کٹہرے سے نکال لیا گیا اور ہم تینوں کے ہاتھ کھول دیے گئے لیکن ہمارے گرد سپاہی موجود تھے پھر ایک تنومند وحشی مجمع سے نکل کر سامنے آ گیا اور مجھے دھکا دے کر میدان میں لے آیا گیا، گویا یہی میرا مقابل تھا اور مجھے اس سے مقابلہ کرنا تھا۔ ہمارے سامنے بھالے ڈال دیے گئے۔

"نہیں نہیں...... اسے قتل نہ کرو۔ اس کے بجائے میری زندگی لے لو...... اسے قتل نہ کرو۔" ڈیڈی چیخ پڑے اور پھر وہ بلک بلک کر رونے لگے۔

میرے ہاتھ میں بھالا دے دیا گیا اور میں بے وقوفوں کی طرح اسے لیے کھڑا تھا۔ میں نے تو آج تک کسی سے گھونسہ بازی تک نہیں کی تھی۔ میں اس ہتھیار کا استعمال کیا جانتا۔ میرے مقابل نے بھالا تول لیا تھا لیکن پھر اچانک ہی میں نے فضاؤں میں پروں کی پھڑ پھڑاہٹ سنی اور اس سے قبل کہ میرا مقابل میرے اوپر حملہ کرتا، اچانک ایک خوں خوار عقاب نے اس کے چہرے پر جھپٹا مارا اور اپنے پنجے اس کی آنکھوں میں گاڑھ دیئے۔

میرے مدمقابل کے ہاتھوں سے بھالا چھوٹ گیا اور وہ پوری قوت سے عقاب کو اپنے چہرے سے الگ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ نجانے میرے ذہن میں کی آئی کہ میں نے ہاتھوں میں پکڑا ہوا بھالا پوری قوت سے مدمقابل کے پہلو میں گھونپ دیا اور اسی وقت عقاب نے اسے چھوڑ دیا۔ پورے مجمع کی سکتے کی سی کیفیت طاری تھی۔

میرا مدمقابل دم توڑ رہا تھا۔ لیکن اسی وقت مجمع جاگ اٹھا۔ چاروں طرف سے شینا، شینا کی آوازیں سنائی دینے لگیں اور لوگ منتشر ہو گئے۔ سب کے سب شینا کو تلاش کر رہے تھے لیکن شینا اور اس کے عقاب کا کوئی پتا نہ تھا۔ ہم تینوں کی سزا آج تک کے لیے ملتوی کر دی گئی۔ وہ سب نئی مجرمہ کو تلاش کر رہے تھے اور یہ کوشش پورے دن جاری رہی۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی۔

آج ہمیں کھانے کو بھی کچھ نہ ملا تھا۔ ہم سب کی آنکھوں میں نیند کہاں سے آتی، سب کی بری حالت تھی۔ پھر رات کا نجانے کون سا پہر تھا کہ جزیرے کے آخری حصے میں آگ بھڑک اٹھی۔ ایک شور بلند ہوا اور کٹہرے کے اطراف پہرے دینے والے بھی آگ کی طرف دوڑ پڑے۔ نجانے کون سی آگ تھی جو جگہ جگہ بھڑک رہی تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے جزیرے کی جھونپڑوں میں آگ بھڑک اٹھی۔ تب ہی کٹہرے کے پاس شینا نظر آئی، اس کے ہاتھ میں ایک مشعل تھی۔ اس نے آناً فاناً کٹہرے کا دروازہ کھول دیا اور شی شی کر کے ہمیں اشارہ کیا۔ پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور ساحل کی طرف بھاگنے لگی۔ ڈیڈی اور انکل غزنوی ہمارے پیچھے سرپٹ دوڑ رہے تھے۔ شینا ہمیں ایک کشتی تک لے گئی، اس نے پوری قوت سے کشتی سمندر میں دھکیل دی اور اب انتظار بے کار تھا۔ ہم لوگ کشتی میں سوار ہو گئے۔ شینا بھی ہمارے ساتھ تھی اور پھر ہم چاروں نے مشعل سمندر میں پھینک دی تھی اور ہم جزیرے سے دور ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں انکل غزنوی کی رہائش گاہ تھی۔ یہاں آ کر شینا نے کھلم کھلا مجھے پیار کرنا شروع کر دیا۔ وہ سب کے سامنے ہی مجھ سے لپٹ جاتی اور میں بوکھلائے ہوئے انداز میں ڈیڈی کو دیکھنے لگتا۔ لیکن ڈیڈی عموماً ایسے موقعوں پر منہ دوسری طرف کر لیتے، گویا مجھے اجازت تھی اور پھر ہم لوگ انکل کے ساتھ اس جگہ سے نکل گئے۔

شینا کے سلسلے میں، میں نے ڈیڈی سے بات کی اور ڈیڈی نے بخوشی مجھے شینا سے شادی کی اجازت دے دی اور آج شینا میری بیوی ہے۔ گو اسے انسان بنانے میں کافی دقتیں پیش آئیں اور بلاشبہ اس میں ڈیڈی نے بھی میری مدد کی، لیکن ایک بات کا مجھے شدت سے احساس ضرور ہے، وہ یہ کہ شینا نے میری چاہت میں خود کو انسان کے روپ میں ڈھال لیا ہے اور اب میں اپنے ڈیڈی اور شینا کے ساتھ ایک خوش و خرم زندگی گزار رہا ہوں۔

☆☆

اعتبار ناتمام

سلمان راحت

رشتوں اور ناتوں کی عمارت اعتماد اور اعتبار پر استوار ہوتی ہے۔ اس کی بنیاد تب ہی مضبوطی اختیار کرتی ہے۔ بد اعتمادی اور دھوکا سازی پل بھر میں عمارت کو مسمار کرکے رکھ دیتی ہے۔ دولت کی چکا چوند اور تباہ کاریوں کی بے شمار داستانوں میں سے ایک منتخب داستان۔

ایک نواب کے قتل سے شروع ہونے والا معاملہ کہاں تک پہنچا

نواب علیم الدین زمانہ شناس انسان تھے، دولت کی ریل پیل تھی چنانچہ دوراندیشی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنی پشتینی زمین پر چھوٹے سائز کے گھر بنوا کر کرائے پر اٹھوا دیے۔ جن کا ماہانہ کرایہ دس ہزار روپے فی کوارٹر تھا۔ دولت کی ریل پیل میں وہ دنیا کی رنگینیوں میں گم ہو گئے تھے اور بیوی بچوں کی طرف سے بے فکر سے ہو گئے، ان کی ایک بیوہ بہن بھی تھیں، انہوں نے بھائی کو سنبھالنے اور سمجھانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی، مگر نواب صاحب جوانی کی رنگینیوں میں ایسے غرق ہوئے تھے کہ دم لینے کے لیے ہی کچھ دیر سطح آب پر آتے تھے، بیوی اسی جلنے کڑھنے میں ختم ہو گئیں اور نواب صاحب کو مزید آزادی مل گئی۔

بچوں کی تربیت پھوپھی کے ذمے پڑ گئی جسے انہوں نے بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا، بچوں میں بڑا بیٹا تھا جس کا نام کلیم تھا اور اس سے چھوٹی بیٹی تھی جس کا نام زارا تھا، کلیم نے کامیابی سے ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کر کے اپنی پریکٹس شروع کر دی، زارا کو بی اے پاس کرنے کے بعد پھوپھی نے گھر میں بٹھا لیا،

نواب صاحب ادھیڑ عمری کے باوجود اپنی رنگینیوں میں [illegible] تھے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مکانوں کے کرا[illegible] بھی کہاں سے کہاں پہنچ گئے تھے اس لیے نواب صاحب کی شاہ خرچیوں کے باوجود جائداد اور بینک بیلنس میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی بلکہ کچھ اضافہ ہی ہوا تھا۔

پھر اچانک نواب صاحب کو نجانے کیا سوجھی کہ انہوں نے ایک نوجوان اور حسین لڑکی مریم کے ساتھ شادی کر لی، نواب صاحب سے اس کی ملاقات کب کہاں اور کیسے ہوئی کسی کو اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ مریم جب کوٹھی میں داخل ہوئی تو اس کے ساتھ ایک نوجوان لڑکا بھی تھا جس کا نام علی تھا اور جسے مریم اپنا بھائی کہتی تھی، کوٹھی میں ان دونوں کی آمد نت نئے جھگڑوں اور ہنگاموں کا سبب بن گئی اور غال[illegible] نواب صاحب نے مریم کے اشارے پر ہی بیٹ[illegible] اور بیٹے کو ہدایت کی کہ وہ کوٹھی چھوڑ کر اپنی پھوپھی کے ساتھ ان کے بنائے ہوئے گھروں میں سے اس گھر میں منتقل ہو جائیں تو جو حال ہی میں خالی ہوا تھا دونوں بچے باپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ وہ کس[illegible]

احتجاج کے بغیر اس گھر میں شفٹ ہو گئے۔

اسی گھر کے بیرونی کمرے میں کلیم نے اپنا کلینک شروع کر دیا، اس کا خیال تھا کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل ہو چکا ہے، یہ حالات عارضی ہیں جیسے ہی اس کی پریکٹس کچھ جمی وہ خود اپنا مکان خریدنے یا بنوانے کی پوزیشن میں آ جائے گا، اس لیے یہ کوئی ایسی بات نہیں جس پر اپنے والد سے رہے سہے تعلقات بھی ختم کر لیے جائیں، نواب صاحب نے ان گھروں کے انتظام کرایوں کی وصولی وغیرہ کا کام ایک وکیل صاحب کے سپرد کیا ہوا تھا۔ تقریباً پندرہ سال تک کامیابی سے انتظام چلانے کے بعد ان کا انتقال ہو گیا تو نواب صاحب نے تعلقات کی بنیاد پر ان کے بیٹے عامر کو وکیل صاحب کی جگہ پر یہ انتظام سونپ دیا، جس نے دو سال قبل وکالت کا امتحان پاس کیا تھا اور تبھی سے اپنے والد کے ساتھ کام کر رہا تھا۔

نواب صاحب اب بھی شکار کے بے حد شوقین تھے اور سال میں دو تین بار شکار پر ضرور جاتے تھے اور ایسے انتظامات کے ساتھ کہ کم سے کم ایک ہفتہ جنگل میں گزار سکیں، اس دفعہ نواب صاحب شکار پر گئے تو ان کی بیگم اور علی بھی ساتھ تھے، شکار کے تیسرے دن ایک حادثہ پیش آ گیا، مریم اور علی جیپ دوڑاتے ہسپتال پہنچ گئے، ہسپتال کے کاؤنٹر پر پہنچ کر اس نے بتایا کہ نواب صاحب کو سانپ نے ڈس لیا ہے اور وہ جیپ کی پچھلی سیٹ پر بے ہوش پڑے ہوئے ہیں۔

نواب صاحب خاصی معروف شخصیت تھے، ہسپتال میں ایک ہلچل سی مچ گئی، وارڈ بوائے اسٹریچر لے کر جیپ کی طرف دوڑے، نواب صاحب جیپ کی پچھلی سیٹ پر بے ہوش پڑے تھے، ان کے بازو پر پٹی کسی ہوئی تھی۔ ان کے جسم کی رنگت نیلی ہو رہی تھی، انہیں فوری طور پر آپریشن تھیٹر میں لے جایا گیا، ڈیوٹی ڈاکٹرز نے انہیں بچانے کی بھرپور کوشش کی لیکن وہ ان کی جان نہ بچا سکے اور تھوڑی ہی دیر میں

نواب صاحب انتقال کر گئے، اس وقت دیکھا گیا کہ سانپ نے انہیں دو تین جگہ ڈسا ہے، ایک ہاتھ پر تو پٹی بندھی ہوئی تھی لیکن دوسرے ہاتھ پر بھی ڈسنے کا نشان تھے اور زہر پورے جسم میں پھیل گیا تھا۔ بہر حال ڈاکٹر نے باہر نکل کر ان کے ساتھ آئے ہوئے ان کی بیوی اور سالے کو اطلاع دی۔

''مجھے افسوس ہے بیگم صاحبہ! ہم ان کو نہیں بچا سکے، زہر پورے جسم میں پھیل چکا تھا۔''

''مگر میں نے بازو پر رومال باندھ دیا تھا۔'' علی جلدی سے بولا۔

''ان کو سانپ نے صرف بائیں بازو پر ہی نہیں بلکہ دائیں کلائی پر بھی ڈسا تھا جس پر شاید آپ لوگوں کا دھیان نہیں گیا اور وہیں سے زہر پورے بدن میں پھیل گیا۔''

''اوہ میرے خدا۔'' بیگم سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

''حوصلے سے کام لیجیے مریم صاحبہ، خدا کو یونہی منظور تھا، جتنی جلدی ممکن ہو سکے تکفین اور تدفین کر دیں ورنہ لاش کی حالت زیادہ خراب ہو جائے گی۔''

''میں عامر صاحب کو فون کرتا ہوں۔'' علی نے کہا اور مریم جلدی سے بولی۔

''ان سے کہنا کہ وہ کلیم اور زارا کو بھی اطلاع کر دیں۔''

☆☆☆

تیسرے دن نواب صاحب کا سوئم تھا، اس کے بعد عامر نے خاندان کے افراد کو ڈرائنگ روم میں جمع کیا، نواب صاحب کی بیوہ بہن شائستہ بھی موجود تھیں۔

''مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ نواب صاحب کی بے وقت موت اگر آپ کے لیے اندوہناک ہے تو مجھے بھی اس سے کم صدمہ نہیں ہوا ہے، مگر اس دنیا کا دستور یہی ہے کہ جو یہاں آیا ہے اسے ایک نہ ایک دن واپس بھی جانا ہوگا، کاروبار دنیا کسی کے آنے یا جانے سے بند نہیں ہوتا میں ابھی یہ تذکرہ کسی تفصیل سے چھیڑنا نہیں چاہتا لیکن نواب صاحب کے وکیل اور ان کے مختار کار کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ ان کی وفات کے بعد جو صورت حال قانونی طور پر پیدا ہوگئی ہے وہ آپ سب کے گوش گزار کر دوں۔''

''اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے عامر صاحب۔'' مریم بولی۔ ''ابھی میرا ذہن کسی اور بات پر غور کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔''

''مجھے آپ کے احساسات کا اندازہ ہے بیگم صاحبہ۔ لیکن میرا فرض مجھے اس گفتگو پر مجبور کر رہا ہے۔'' یہ کہہ کر عامر نے سامنے بیٹھے ہوئے کلیم، زارا اور شائستہ بیگم کی طرف دیکھا اور بولا۔

''آپ لوگوں کو نواب صاحب کے نئے وصیت نامے کے بارے میں کوئی علم ہے؟''

''نیا وصیت نامہ۔'' شائستہ بیگم چونکیں۔ ''ہمیں صرف ایک ہی وصیت نامے کے بارے میں معلوم ہے جس کے مطابق میرے مرحوم بھائی کی وراثت قانونی طور پر ان کے جائز وارثوں میں تقسیم کی گئی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ آپ کو یہ بات نہیں معلوم کہ انہوں نے تقریباً ڈیڑھ سال قبل بیگم مریم سے شادی کے چند ماہ کے بعد پرانا وصیت نامہ منسوخ کرتے ہوئے ایک نئی وصیت لکھی تھی، اس کی تفصیلات تو خاصی زیادہ ہیں مگر ان کا خلاصہ یہ ہے کہ چند مخصوص ہدایتوں اور شرائط کے علاوہ ان کی تمام جائداد اور بینک بیلنس کی وارث مریم بیگم ہی قرار دی گئی ہیں اور یہ ان کی مرضی پر چھوڑا گیا ہے کہ وہ آپ لوگوں کو جتنی رقم یا جتنی جائداد یکمشت یا ماہانہ حساب سے دینا چاہیں دے دیں اور چاہیں تو نہ دیں۔''

''یہ نہیں ہو سکتا۔'' شائستہ بیگم نے جوش سے کہا۔ ''میرا بھائی اتنی بڑی ناانصافی نہیں کر سکتا۔''

''میں خود بھی تمام جائداد پر تنہا قبضہ کرنے کا تصور نہیں کر سکتی۔ میں نے بھی نیا وصیت نامہ نہیں دیکھا لیکن عامر صاحب جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ سچ بھی ہو تب بھی آپ لوگ یقین رکھیں کہ میں کسی کی حق تلفی نہیں کروں گی۔''

''آپ اس سے زیادہ اور کیا کر سکتی ہیں جتنا کر چکی ہیں۔'' کلیم نے کہا۔ ''ہمیں آپ کی کسی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے، میں اور زارا اپنے مرحوم والد کی وصیت کا احترام کریں گے ٹھیک اسی طرح

جس طرح ان کی زندگی میں کرتے رہے ہیں اگر انہوں نے آپ کو جائداد کا وارث بنا دیا ہے تو پوری جائداد آپ کو مبارک ہو، ہمیں اس میں سے کچھ نہیں چاہیے۔''

''کیسے نہیں چاہیے؟'' شائستہ بیگم نے تیزی سے بات کاٹی۔ ''کوئی قانون اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ کوئی شخص اپنی سگی اولاد کو جائداد سے محروم کر کے اس کا مالک کسی غیر کو بنایا جائے۔''

''مگر رائج الوقت قانون ایک فرد کو اتنی اجازت دیتا ہے کہ وہ کسی کو بھی اپنی جائداد کا وارث بنا سکتا ہے۔'' عامر نے نرمی سے جواب دیا۔

''پھوپھی اماں ۔یہاں بحث کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔'' زارا بھی بولی۔ ''اگر اباجان نے کوئی ایسا وصیت نامہ لکھا ہے تو یقیناً وکیل صاحب کے پاس موجود ہوگا اور وہ ہمیں اسے دیکھنے کی اجازت دیں گے۔''

''بڑے شوق سے۔آپ لوگ جب چاہیں اسے میرے دفتر آ کر دیکھ سکتے ہیں، بلکہ مجھے نواب صاحب کی وصیت اور قانون کا منشا پورا کرنے کے لیے وہ وصیت نامہ آپ سب لوگوں کے سامنے پڑھ کر سنانا ہے، میں عنقریب کل پرسوں میں آپ سب کو اپنے آفس آنے کی زحمت دوں گا وہاں پر جس کا دل چاہے وصیت نامہ خود دیکھ کر اپنا اطمینان کر سکتا ہے۔''

''ہمیں اس کی ایک کاپی تو مل جائے گی نا۔'' شائستہ بیگم نے کہا۔

''کیوں نہیں۔''

''تب پھر اپنے دستخطوں اور دفتری مہر کے ساتھ نقل بہ مطابق اصل ہونے کی تصدیق کے ساتھ تیار کرالیں اور میں آپ کو خبردار کرتی ہوں کہ جائداد پر کسی کو قبضہ کرنے یا بینک بیلنس کو ہاتھ لگانے کا موقع نہ دیں۔ وہ کوئی بھی وصیت نامہ ہو ہمارا ارادہ اسے عدالت میں چیلنج کرنے کا ہے۔''

☆☆☆

سوئم کے دوسرے دن مریم اپنی خواب گاہ میں محو استراحت تھی کہ رات کے تقریباً ایک بجے اس کے کمرے سے چیخوں کی آوازیں بلند ہوئیں، ملازمیوں سمیت سارا گھر بیدار ہو گیا، علی جس کا بیڈروم چند کمرے چھوڑ کر واقع تھا بھاگتے ہوئے مریم کے کمرے کے پاس پہنچا، دروازہ بند نہیں تھا اس نے دروازے پر دستک دی اور بلند آواز میں کہا۔

''کیا بات ہے مریم؟''

آواز سنتے ہی مریم نے چیخنا بند کر دیا، اس وقت تک ملازم بھی کمرے کے سامنے جمع ہو گئے تھے، جن میں مالی اور چوکیدار بھی تھے، دونوں کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں، علی نے چند لمحے انتظار کیا اور پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا، کمرے کا تیز بلب جس کا سوئچ بیڈ کے پاس ہی لگا تھا روشن تھا، مریم بستر پر بکھرے ہوئے بال، خوف زدہ آنکھوں کے ساتھ اوڑھنے کی چادر سینے سے لگائے کمرے کے ایک گوشے کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا مریم؟'' علی نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

''وہ وہ وہ......مریم کا سیدھا ہاتھ اٹھ گیا اور سب کی نظریں اس کے کئے ہوئے اشارے کی جانب اٹھ گئیں لوہے کی الماری کے پاس ایک کوڑیالہ سانپ کنڈلی مارے پھن پھیلائے بیٹھا تھا۔علی دفعتاً چونک کر پیچھے ہٹا، چوکیدار نے لاٹھی سنبھالتے ہوئے کہا۔''

''آپ ایک طرف ہو جائیں صاحب۔''

''ٹھہرو میں اپنا ریوالور لے کر آتا ہوں۔'' علی نے کہا۔

''ریوالور کی ضرورت نہیں ہے صاحب اسے تو ہم اپنی لاٹھیوں سے ہی ڈھیر کر دیں گے۔'' چوکیدار نے کہا۔اور مالی کی طرف دیکھا۔ ''شاہد دروازے کے پاس کھڑے ہو جاؤ، خیال رکھنا بچ کر نکلنے نہ پائے۔''

شاہد مالی نے بھی اپنی لاٹھی سنبھالی، چوکیدار محتاط انداز میں آگے بڑھا، اس کی لاٹھی وار کرنے کے لیے بالکل تیار تھی۔ سانپ ابھی تک کنڈلی مارے بیٹھا تھا، مالی نے بھی اپنی لاٹھی سنبھال لی، چوکیدار محتاط انداز میں سانپ کے بالکل نزدیک

پہنچ گیا۔ قریب پہنچ کر چوکیدار نے ایک جچا تلا ہاتھ پوری قوت سے مارا۔ لاٹھی سانپ کے پھن پر لگی، ایک وار میں اس کا پھن کچل گیا، وہ تیزی سے بل کھانے لگا۔ یہ دیکھ کر مالی بھی لپکا، دونوں نے یکے بعد دیگرے لاٹھیاں برسائیں، چند ہی لمحوں میں سانپ بے حس وحرکت ہوگیا، اس کا کچومر نکل گیا تھا، چوکیدار نے مردہ سانپ کو اپنی لاٹھی سے اٹھایا اور باہر پھینکنے چلا۔

''اسے زمین میں گہرا گڑھا کھود کر دبا دینا۔'' علی نے کہا۔ دونوں ملازموں نے اطمینان کی سانس لی مریم کے چہرے کا اڑا ہوا رنگ بھی واپس آنے لگا، علی ایک بار پھر اس کی طرف بڑھا ''یہ کہاں سے آیا؟'' اس نے پوچھا۔

''معلوم نہیں۔'' مریم نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں سو رہی تھی کمرے میں نائٹ بلب روشن تھا، اچانک کوئی چیز مجھ پر آ کر گری، میری آنکھ کھل گئی، سانپ میرے سینے پر بیٹھا ہوا تھا، میں اچھل پڑی اور چیخنے لگی، سانپ میرے اچھلنے سے پلنگ سے نیچے جا گرا اور رینگتا ہوا الماری کی طرف گیا اور کنڈلی مار کر بیٹھ گیا، میں نے جلدی سے بڑا بلب جلا دیا اور خوف سے میری چیخ نکل گئی، پھر مجھے اپنی چیخوں پر قابو پانا ناممکن ہوگیا، اس کے بعد تمہاری آواز سنی تو جان میں جان آئی۔''

علی نے کچھ سوچتے ہوئے بیڈ روم کی کھلی ہوئی کھڑکیوں کو غور سے دیکھا، یہ تینوں کھڑکیاں باہر باغ کی جانب کھلتی تھیں، ان تینوں کے پٹ اس وقت پوری طرح کھلے ہوئے تھے۔

''یہ کھڑکیاں اسی طرح کھلی ہوئی تھیں یا تم نے بعد میں کھولی تھیں؟'' اس نے مریم سے پوچھا۔

''تمہیں معلوم ہے میں کھڑکیاں کھول کر سوتی ہوں۔'' مریم نے جواب دیا۔ ''بند بھی ہوتی تو بھی خوف سے میرا دم نکلا جا رہا تھا، میں بستر سے قدم اتارنے کی ہمت نہیں کر سکتی تھی۔''

''اس علاقے میں تو کبھی کہیں کوئی سانپ نکلتے دیکھا یا سنا نہیں گیا۔ پھر یہ کہاں سے آ گیا، یقیناً کسی نے کھڑکی سے اندر پھینکا ہوگا۔''

''ایسی حرکت بھلا کون کر سکتا ہے۔'' مریم نے تعجب سے پوچھا۔

''کوئی ایسا شخص جو تمہیں زندہ نہیں دیکھنا چاہتا۔''

''مگر کیوں، میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟''

''تم ایک بہت بڑی جائداد پر قبضہ کرنے والی ہو۔''

''اوہ......'' مریم کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ''تمہارا مطلب ہے کہ کلیم۔''

''کلیم یا اس کی پھوپھی یا اس کی بہن، تینوں میں سے کوئی ایک یا پھر تینوں مل کر۔''

''شاید شاید تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو؟'' مریم نے اس انداز سے کہا جیسے اسے خود بھی کوئی بات یاد آ گئی ہو۔

''تم نے کسی کو دیکھا تھا؟'' علی نے جلدی سے پوچھا۔

''ہاں۔''

''کسے؟''

''کلیم کو۔'' مریم نے جواب دیا۔ ''وہ سہ پہر سے شام تک کوٹھی کے کتنے ہی چکر لگا چکا ہے۔''

☆☆☆

ملک صاحب کے انتقال کے ایک ہفتے کے بعد عامر نے اپنے آفس میں سہ پہر پانچ بجے کے بعد جبکہ اس کے عملے کے لوگ چھٹی کر کے چلے جاتے تھے، وصیت نامہ پڑھ کر سنانے کے لیے افراد خاندان کی میٹنگ بلائی، عامر کی پریکٹس تو اتنی نہیں تھی کہ اسے مددگار عملہ کی ضرورت ہوتی یا وہ ان کی تنخواہیں برداشت کر سکتا، لیکن نواب صاحب کی جائداد، کرایوں کی وصولی، وقتاً فوقتاً ضروری مرمت اور دوسرے متعلقہ کاموں کی نگرانی آمد و خرچ کا حساب کتاب رکھنے کے لیے اس نے تین ملازم رکھے ہوئے تھے، ان میں سے ایک کا نام رشید تھا اور وہ ایک طرح سے اس کے نائب کے فرائض انجام دیتا تھا، بہت چالاک اور پھرتیلا آدمی تھا، آنکھوں سے

ڈھڑا تھا، مگر یہ عیب کسی انداز سے بھی اس کی کارکردگی کو متاثر نہیں کرتا تھا، گزشتہ پندرہ دن سے اس نے اپنے کسی نجی کام کا عذر پیش کر کے چھٹی لی ہوئی مگر اس کے باوجود دوپہر میں ایک گھنٹے کے لیے آجاتا تھا اور کچھ ضروری کام ہوتا تو کر کے چلا جاتا تھا۔

ساڑھے پانچ بجے مریم علی کے ساتھ عامر کے دفتر میں پہنچ گئی، اس وقت عامر اپنے آفس میں اکیلا تھا۔

''ابھی ان لوگوں میں سے کوئی نہیں آیا۔'' مریم نے مسکراتے ہوئے کچھ عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

''میں نے کل کلیم کو اس کے کلینک میں فون کیا تھا، اتفاق سے وہ خود موجود نہیں تھا، ریسیور اس کے کسی کمپاؤنڈر نے اٹھایا تھا، چنانچہ میں نے پیغام چھوڑ دیا کہ وہ اپنی پھوپھی اور بہن کو لے کر آج ساڑھے پانچ بجے میرے دفتر میں آجائے۔''

''مجھے اس کی پھوپھی بہت تیز عورت معلوم ہوتی ہے۔'' علی نے کہا۔

''کلیم خود بھی کچھ کم نہیں ہے، بس وہ ذرا اپنے آپ کو چیک کیے رہتا ہے، کھل کر سامنے نہیں آتا۔''

''اور ایسا دشمن زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔'' علی نے جواب دیا، وہ کچھ دیر تک مختلف باتیں کرتے رہے، دفعتہً مریم نے چونک کر اپنی رسٹ واچ دیکھی۔

''چھ بجنے والے ہیں آخر ہم کب تک ان لوگوں کا انتظار کرتے رہیں گے۔''

تقریباً اسی لمحے آفس کا دروازہ کھلا ایک دبلا پتلا طویل قامت آدمی اندر داخل ہوا، اس نے خاکی رنگ کی پینٹ اور جیکٹ پہنی ہوئی تھی، سر کے بال بے حد سیاہ اور حد درجہ گھنگھریالے تھے، بالکل افریقی باشندوں کی طرح، بڑی بڑی جھالر دار مونچھیں جنہوں نے اس کے اوپری ہونٹ کو چھپا رکھا تھا، آنکھوں پر بڑے سے فریم کا دھوپ والا چشمہ تھا، مگر اس کے شیشے آئینے کی طرح چمک دار تھے، ایسے شیشے جن سے صرف ایک جانب دیکھا جا سکتا ہے، یعنی چشمہ پہننے والا سب کو دیکھ سکتا ہے مگر دوسرے لوگوں کو اس کی آنکھیں نظر نہیں آ سکتی تھیں، اس کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا بریف کیس تھا۔

''میرا نام عظیم ہے، میں ڈاکٹر کلیم کے کلینک میں انچارج کی حیثیت سے کام کرتا ہوں، آپ لوگوں میں عامر صاحب کون ہیں؟''

''جی میرا نام عامر ہے۔'' عامر نے کہا۔

''ڈاکٹر صاحب کو آپ کا پیغام مل گیا تھا، وہ اور ان کے عزیز کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں آ سکتے، اس لیے انہوں نے مجھے اپنا نمائندہ بنا کر آپ کے پاس بھیجا ہے، مجھے اس بات کا اختیار دے دیا گیا ہے کہ جو وصیت نامہ آپ سنانے والے ہیں اور جو آپ کے بقول نواب صاحب مرحوم کا آخری وصیت نامہ ہے اسے سنو اور پھر آپ سے اس پہلے والے وصیت نامے کو بھی دیکھنے کا مطالبہ کروں جس کی رو سے جائداد ان کی بیٹی اور بیٹے کو ملنے والی تھی، اور پھر آپ سے درخواست کروں کہ آپ دونوں وصیت ناموں کی ایک ایک مصدقہ نقل مجھے فراہم کر دیں۔''

''آپ کے پاس ڈاکٹر صاحب اور ان کے عزیزوں کی طرف سے نمائندگی کرنے کا کوئی تحریری ثبوت ہے۔'' عامر نے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' عظیم نے جواب دیا اور اپنا بریف کیس میز کے اوپر رکھ کر جیکٹ کی زپ کھولی اور سیدھا ہاتھ اندرونی جیب میں ڈالا۔

☆☆☆

ضرغام احمد صاحب سے باتیں کر رہا تھا کہ ایک طویل قامت چھریرے جسم کا آدمی دکان میں داخل ہوا، اس کی مونچھیں بے حد بڑھی ہوئی تھیں اور اس نے چشمہ لگا رکھا تھا۔

''مجھے کوئی اچھی سی لغت چاہیے۔'' اس نے احمد صاحب سے کہا۔

''دکان کے عقبی حصے میں چلے جائیں، آج میرا سیلز مین نہیں آیا ہے، وہاں آخری دو الماریوں میں اسی قسم کی کتابیں رکھی ہوئی ہیں، جو آپ کو پسند ہو خود انتخاب کر لیں۔''

''شکریہ۔'' چشمے والے نے عقبی حصے کی جانب

بڑھتے ہوئے کہا۔

"بڑا عجیب آدمی معلوم ہوتا ہے، مجھے شبہ ہے کہ یہ وہ نہیں جو نظر آرہا ہے۔"

احمد صاحب نے ایک ہلکا قہقہہ لگایا۔ "آپ کا ذہن تو اب جرم اور جرائم پیشہ افراد میں ایسا الجھ گیا ہے کہ ہر شریف آدمی مشکوک نظر آتا ہے۔" وہ بولے۔

"یہ آدمی جو کچھ بھی ہو مگر شریف ہرگز نہیں ہے۔" ابھی ضرغام کچھ اور بھی کہتا مگر اسی وقت دکان میں ہیڈ کانسٹیبل عادل خان اور عامر داخل ہوئے، عادل خان نے ادھر ادھر دیکھا، دکان کا عقبی دروازے یا کاؤنٹر سے نظر نہیں آتا تھا۔

"ابھی یہاں کوئی آدمی آیا تھا، لمبا سا آدمی چشمہ لگائے ہوئے۔" اس نے احمد کو مخاطب کر کے کہا ابھی اس نے ضرغام کو نہیں دیکھا تھا۔

"ہاں کیوں؟"

"وہ قاتل ہے، کہاں ہے وہ؟" عامر نے کہا۔

"دکان کے عقبی حصے میں....." احمد صاحب قاتل کا لفظ سنتے ہی گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔

عادل خان عقبی حصے کی جانب لپکا، ضرغام اس کے پیچھے تھا، مگر عقبی حصے میں کوئی نہ تھا، البتہ وہ دروازہ جو دوسری گلی میں کھلتا تھا اور عام طور پر بند رہتا تھا اس وقت کھلا ہوا تھا، عادل خان نے دروازے کی طرف قدم بڑھایا۔

"اب اس کے پیچھے جانے کا کوئی فائدہ نہیں۔" ضرغام نے کہا۔ "اسے بھاگنے کے لیے کافی وقت مل گیا ہے۔"

"تمہیں کیسے معلوم؟" عادل خان ضرغام کی طرف پلٹا اور اس وقت پہلی مرتبہ ضرغام کو دیکھ کر چونک گیا۔

"اوہ آپ..... آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"میں ایک کتاب لینے آیا تھا۔"

"آپ نے مجھے اس کا تعاقب کرنے سے روک دیا جس وقت میں دکان میں داخل ہوا ہوں، وہ یقیناً یہاں موجود تھا اور میری آواز سن کر بھاگا ہے، ایسی صورت میں زیادہ دور نہیں جا سکتا تھا۔"

"وہ کوئی ایسا آدمی تھا جسے اس دکان کے بارے میں کافی واقفیت تھی۔" ضرغام نے جواب دیا۔ "اس نے آتے ہی لغت طلب کی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس قسم کی کتابیں دکان کے عقبی حصے میں رکھی ہیں، اسے پتا تھا کہ یہاں ایک دروازہ بھی ہے جو دوسری گلی میں کھلتا ہے اور غالباً اسے یہ بھی معلوم تھا کہ آج دکان کا سیلز مین نہیں آیا ہے، وہ تمہارے آنے سے تقریباً دو منٹ پہلے دروازہ کھول کر نکل گیا ہوگا، مگر یہ اتفاق آج پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہوں کہ کسی جائے واردات پر پولیس اتنی تیزی سے پہنچ جائے کہ مجرم کو بھاگتے ہوئے دیکھ لے۔"

"میں اتفاقاً اس طرف سے گزر رہا تھا۔"

"اوہ..... ویسے قتل کون ہوا ہے؟"

"میرے ایک مؤکل نواب علیم الدین مرحوم کے برادر نسبتی علی حنیف صاحب۔"

قاتل بچ کر نکل گیا تھا، کانسٹیبل عادل خان عامر کے ساتھ اس کے دفتر پہنچا۔ ضرغام بھی ساتھ تھا، دفتر کے اندر بظاہر کوئی بد نظمی نظر نہیں آرہی تھی، علی جس کرسی پر بیٹھا تھا گولی لگنے کے بعد جھک کر میز پر گرا تھا۔ البتہ مریم فرش پر بے ہوش پڑی تھی۔

"یہ نواب صاحب مرحوم کی بیگم مریم ہیں۔" عامر نے بتایا۔ "قاتل نے جب اچانک ریوالور نکال کر علی پر گولی چلائی تو یہ گھبرا کر کرسی سے اٹھیں مگر پھر بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔"

پہلے مریم کو اٹھا کر صوفے پر لٹا دیا گیا، پھر ضرغام نے علی کی لاش کا جائزہ لیا، گولی اس کی پیشانی پر لگی تھی، پھر اس نے عامر سے پوچھا۔

"یہ لوگ یہاں کیا کر رہے تھے اور قاتل کون تھا؟"

"گزشتہ ہفتے نواب صاحب کا انتقال ہو گیا تھا، آج ان کے وارثوں کے سامنے ان کا وصیت نامہ پڑھا جانے والا تھا اس کے لیے میں نے مرحوم کی بیوہ، ان کی بہن، بیٹے اور بیٹی کو بھی بلایا تھا، علی مریم

بیگم کے بھائی تھے، یہ لوگ وقت پر آ گئے، میں نواب صاحب کے بیٹے ڈاکٹر کلیم اور بیٹی زارا کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ آدمی جسے میں بالکل نہیں جانتا تھا دفتر میں داخل ہوا اور بتایا کہ ڈاکٹر کلیم اور مس زارا کسی وجہ سے نہیں آ سکتے اور انہوں نے اسے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے میں نے اس سے اس کے دعوے کا تحریری ثبوت مانگا تو اس نے اپنے جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا، میں سمجھا کہ کوئی کاغذ وغیرہ نکال رہا ہے، مگر جب اس کا ہاتھ باہر آیا تو اس میں سائلنسر لگا ایک ریوالور دبا ہوا تھا، اس نے ریوالور نکالتے ہی علی پر گولی چلا دی اور پھر تیزی سے جھپٹ کر میز پر رکھا ہوا وصیت نامہ اٹھایا اور باہر بھاگ گیا۔‘‘

’’وصیت نامہ اٹھایا۔‘‘ ضرغام چونکا۔

’’جی ہاں، نواب صاحب مرحوم کا وصیت نامہ مگر وہ اپنی گھبراہٹ میں غلط وصیت نامہ لے گیا ہے، یعنی اس صورت میں جب اس کا مقصد اصل اور قانونی وصیت نامہ چرانا رہا ہو تب۔‘‘

’’کیا مطلب؟‘‘ ضرغام نے غور سے عامر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

’’نواب صاحب نے ایک وصیت پہلے لکھوائی تھی جس کے مطابق ان کی جائداد اور ان کی بیٹی اور بیٹے میں تقسیم ہونا تھی، مگر دوسری شادی کے بعد انہوں نے اس وصیت نامے کو منسوخ کر کے دوسری وصیت تحریر کروائی جس کی رو سے اب ان کی تمام جائداد کی جائز اور قانونی وارث ان کی بیگم مریم ہیں، میری میز پر دونوں وصیت نامے موجود تھے کیونکہ ان کے بیٹے نے مطالبہ کیا تھا کہ وہ دونوں وصیت نامے دیکھ کر اپنا اطمینان کرنا چاہتے ہیں، قاتل وہ وصیت نامہ لے گیا ہے جس کی اب قانونی حیثیت نہیں ہے دوسرا وصیت نامہ میز پر موجود ہے۔‘‘ اس نے میز پر سے ایک تہ شدہ کاغذ اٹھا کر ضرغام کو دکھایا۔

’’یہ بریف کیس کس کا ہے؟‘‘ ضرغام نے میز پر رکھے ہوئے بریف کیس کی طرف اشارہ کیا۔

’’اسے قاتل اپنے ساتھ لایا تھا؟‘‘ عامر نے کہا۔ ’’جلدی میں وہ یہ بھی چھوڑ گیا۔‘‘

ضرغام نے بریف کیس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو عادل خان جلدی سے بولا۔

’’آپ اسے ہاتھ نہ لگائیں۔‘‘

’’کیوں؟‘‘

’’اس میں قاتل کے خلاف کوئی ثبوت بھی ہو سکتا ہے آپ پولیس کی شہادتوں کو گڑبڑ کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔‘‘

’’بہت خوب، تب تم خود اسے کھول کر دیکھو، ممکن ہے اس میں ایسی کوئی چیز ہو جس سے قاتل کی شناخت اور اس کی جلد گرفتاری میں مدد مل سکے۔‘‘

عادل خان نے آگے بڑھ کر بریف کیس کھولا وہ مقفل نہیں تھا، دونوں لاک کھل گئے اس نے ڈھکنا اٹھایا، اندر ایک کالا سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا، ڈھکنا کھلتے ہی اس نے پھنکارتے ہوئے اپنا پھن اٹھایا، عادل خان چیخ مار کر پیچھے ہٹا، ضرغام جلدی سے آگے بڑھا اور اس سے پہلے کہ سانپ کوئی حرکت کر سکے اس نے تیزی سے ڈھکنا دوبارہ بند کر کے لاک لگا دیئے۔

ہیڈ کانسٹیبل عادل خان کا فون پاتے ہی انسپکٹر مونس پندرہ منٹ میں جائے واردات پر پہنچ گیا۔ اس نے ضرغام کو دیکھا تو مزاحیہ انداز میں بولا۔

’’اب تم مجھ سے پہلے موقع واردات پر پہنچنے کی عادت ڈالنا چاہتے ہو۔‘‘ اس نے ضرغام سے کہا۔

’’یہ محض ایک اتفاق ہے، اس میں میری نیت یا ارادے کو کوئی دخل نہیں ہے۔‘‘

’’اس کیس میں تمہارا کوئی موکل ہے۔‘‘

’’ابھی تک تو نہیں ہے۔‘‘

’’تب پھر میں نہیں چاہتا کہ تم اپنا قیمتی وقت ضائع کرو۔‘‘

’’جیسی تمہاری مرضی۔‘‘ ضرغام نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ’’امید ہے جلد ہی ملاقات ہوگی۔‘‘

’’وہ کیوں۔‘‘ مونس چونکا۔

’’اس لیے کہ اب تک کی روایت رہی ہے کہ،

کوئی کیس میری مدد کے بغیر حل نہیں ہوا، تم ٹھہرے وضع دار آدمی، روایت سے کیسے انحراف کر سکتے ہو۔"

اتنا کہہ کر وہ آفس سے باہر نکل گیا۔" پولیس سرجن اور دوسرا عملہ اپنی کام میں مصروف تھا، مریم کو ہوش آ چکا تھا اور اسے آفس سے ملحقہ کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا، مونس نے اس کا اور عامر کا الگ الگ بیان لیا تھا، مریم نے کم و بیش وہی باتیں کیں جو عامر نے بتائی تھیں، آخر میں اس نے کہا۔

"میں کسی پر کوئی الزام نہیں لگانا چاہتی، لیکن اتنی بات تو ایک بچہ بھی محسوس کر سکتا ہے کہ اس آدمی عظیم نے یہ سب کس کے اشارے پر کیا ہوگا؟"

"آپ کا مطلب ہے کہ ڈاکٹر علیم اور ان کی بہن زارا۔" مونس نے پوچھا۔

"ظاہر ہے۔" مریم نے جواب دیا "اس کے علاوہ وہ شخص جو بریف کیس لایا تھا اس میں سانپ ہے اور آپ کو یہ سن کر دلچسپی ہوگی کہ آج سے تین دن قبل ایک رات میرے کمرے میں بھی ایک زہریلا سانپ چھوڑا گیا تھا، مگر خوش قسمتی سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا اور گھر کے ملازموں نے اسے مار دیا، میں نے اس دن کلیم کو کئی مرتبہ کوٹھی کے چکر لگاتے دیکھا تھا، پھر اگر آپ یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ میرے مرحوم شوہر کی موت بھی سانپ کے کاٹنے سے ہوئی تھی تو ایک پوری سازش کا تانا بانا سامنے آ جاتا ہے، خاندان میں کوئی بھی میری اور نواب صاحب کی شادی سے خوش نہیں تھا۔"

"لیکن یہاں سانپ لے کر آنے کا کیا مقصد تھا جبکہ اس نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا اور اس کے بجائے ریوالور استعمال کیا۔"

"میرا خیال ہے کہ اسے یہ توقع ہی نہیں ہوگی کہ میں اس سے کوئی گارنٹی مانگ بیٹھوں گا، اس نے سوچا ہوگا کہ اس کا یہ بیان بغیر کسی اعتراض کے قبول کر لیا جائے گا کہ وہ ڈاکٹر کلیم کا نمائندہ ہے، پھر جب وصیت نامہ پڑھا جا رہا ہوتا تو وہ سانپ کو آزاد کر سکتا تھا اور اس سے پیدا ہونے والی گھبراہٹ اور ہڑبونگ سے فائدہ اٹھا کر وصیت نامہ اٹھا کر غائب ہو سکتا تھا، لیکن میرے تحریری ثبوت مانگنے کی وجہ سے اس کا پورا پروگرام خراب ہو گیا اور اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ اپنا آخری حربہ یعنی ریوالور استعمال کرے۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ اس کے پاس ایسا کوئی تحریری ثبوت نہیں تھا۔"

"جی ہاں میرا یہی مطلب ہے۔" عامر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"لیکن عامر صاحب! کلیم کے لیے اس میں کیا قباحت تھی کہ وہ اسے واقعی ایک خط لکھ دیتا وہ اپنا اور باقی سب کا نمائندہ بنا کر عظیم کو بھیج رہا ہے۔"

"آپ ذرا سا غور کریں تو اس کا جواب سمجھ میں آ سکتا ہے۔" عامر نے کہا۔ "جو شخص اتنی ذہانت سے ایک منصوبہ بناتا ہے، وہ ایسی حماقت کس طرح کر سکتا تھا کہ اپنی کوئی تحریر دے کر خود کو پھنسا دے، ابھی تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ کسی عظیم کو نہیں جانتا اور ایک اجنبی آدمی نے اس کے نام کا حوالہ دے کر جو کچھ بھی کیا وہ اسی ذمے دار قرار نہیں دیا جا سکتا، تحریر دینے کا مطلب تو یہ ہوتا کہ وہ گویا اعتراف کر رہا ہے کہ عظیم نے جو کچھ کیا اسی کے کہنے پر کیا۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" مریم نے سر ہلایا۔ "یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔"

انسپکٹر نے جو ان دونوں کی باتیں سنتے ہوئے خود کسی گہری سوچ میں گم تھا دفعتاً پوچھا۔

"کیا آپ نے عظیم کو کبھی کلیم کے کلینک میں کام کرتے دیکھا، اس نے آپ کو یہی بتایا تھا نا کہ وہ اس کلینک میں انچارج ہے۔"

"جی ہاں، لیکن کم سے کم میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"اور میں نے بھی نہیں، لیکن یہ کوئی خاص بات نہیں کیونکہ ان لوگوں سے میرے تعلقات شروع ہی سے اچھے نہ تھے، میں شاید ایک یا دو مرتبہ ہی اس کے گھر گئی ہوں گی اور وہ بھی نواب صاحب کے ساتھ، کلیم نے اپنا کلینک گھر کے ایک کمرے میں ہی بنا رکھا

ہے، بہر حال جب میں وہاں گئی تھی تو میں نے عظیم کو نہیں دیکھا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔" مونس نے کہا اور پھر تمام کاموں سے فارغ ہوکر وہ کلیم کے کلینک جا پہنچا، اس نے رسمی باتوں کے بعد کلیم کو اپنا مدعا بیان کیا اسے بتایا کہ آپ کا ملازم وصیت نامہ لے کر بھاگ گیا ہے، کلیم نے بتایا کہ اس ملازم کو ابھی ایک ہفتہ ہی ہوا ہے اور وہ اس ساری کارروائی کے بارے میں نہیں جانتا، پھر اس نے کلینک کی تلاشی کی اجازت چاہی اور جواب میں کلیم نے کہا۔

"ٹھیک ہے آپ تلاشی لے لیں، مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اس ساری کارروائی سے بے خبر ہوں، تلاشی لینے سے آپ کو تسلی ہوجائے گی تو اچھی بات ہے۔"

ڈاکٹر کی میز پر لیب کی رپورٹس موجود تھیں، لیکن ایک لفافہ سادہ بھی تھا، انسپکٹر نے وہی لفافہ پکڑ لیا اور اسے کھول کر دیکھا، خط عظیم کی جانب سے تھا جس میں اس نے ڈاکٹر کلیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ وکیل کے پاس جارہا ہے، اس نے ڈاکٹر کلیم کی تمام ہدایات ذہن نشین کرلی ہیں اور انہیں اطمینان رکھنا چاہیے کہ تمام کام ان کی مرضی کے مطابق ہی ہوگا۔ اس نے آخر میں یہ بھی لکھا کہ وصیت نامہ حاصل کرکے وہ آج رات یا کل دن میں کسی وقت انہیں پہنچادے گا اور تین یا چار دن وہ کلینک نہیں آئے گا، پولیس یا کوئی اور اسے پوچھے تو ڈاکٹر صاحب جو جواب مناسب سمجھیں دے دیں۔

ڈاکٹر کلیم نے ہر چند کہا کہ انہیں اس خط کا کوئی علم نہیں تھا اور اس میں لکھی گئی تمام باتیں غلط ہیں اور یہ کہ اسے ناکردہ جرم میں پھانسنے کی کوشش کی جارہی ہے، لیکن انسپکٹر مونس اتنا واضح ثبوت ملنے کے بعد کوئی ضد یا دلیل سننے کے لیے تیار نہیں تھا، اس نے واضح الفاظ میں کہا کہ وہ نواب صاحب اور علی حنیف کے قتل کے الزام میں حراست میں لے رہا ہے اور اب وہ جو کچھ بھی زبان سے نکالے گا اسے خود اسی کے خلاف استعمال کیا جاسکے گا۔

☆☆☆

ضرغام اپنے کمرے میں آ گیا تھا، احمد صاحب کی دکان سے لائی ہوئی کتابوں میں سے وہ لغت نکال لی جو اس نے کسی خاص مقصد کے تحت حاصل کی تھی، اس نے جلد کھولی تو اس میں سے دو تین تہہ کیے ہوئے کاغذ نکل کر زمین پر گر پڑے، ضرغام نے جھک کر وہ کاغذ اٹھالیے، پھر اس نے تہ کھولی تو یہ ٹائپ شدہ اسٹامپ پیپر تھے، ضرغام نے انہیں پڑھا، یہ وصیت نامہ تھا لیکن اس میں لکھے ہوئے ناموں کو دیکھ کر وہ چونک پڑا، اس میں کلیم اور زارا کا نام صاف صاف لکھا ہوا تھا اور تمام جائداد نواب علیم الدین کی طرف سے کلیم اور زارا کے نام منتقل کردی گئی تھی۔ ضرغام نے احمد صاحب کی دکان والے واقعات کا جائزہ لیا، وہ عجیب وغریب آدمی اس دکان میں اندر گیا، اس طرف جہاں لغت وغیرہ رکھی ہوئی تھیں، اس نے جلدی سے ایک لغت کھولی اور اس میں وہ کاغذ تہ کر کے جلدی سے رکھ دیے اور باہر نکل گیا، لیکن اس کاغذ کو چرانے کا مقصد کیا تھا، اس وکیل عامر نے بتایا تھا کہ اس قاتل نے کچھ کاغذ بھی چرائے تھے، کیا یہ وہی کاغذ ہیں جو اس عجیب وغریب آدمی نے چرائے تھے، اس کا مطلب ہے کہ وہ قاتل ضرور ان کاغذات کی تلاش میں یہاں آئے گا اور اگر وہ یہاں پہنچ گیا تو ہوسکتا ہے بہت سے رازوں سے پردہ اٹھ جائے، بہر حال وہ اپنے طور پر تحقیقات کرتا رہا اور پتا چلا کہ کچھ دن پہلے ہی نواب صاحب کو سانپ نے ڈس لیا تھا، ضرغام کے سامنے اس بریف کیس میں سے بھی سانپ برآمد ہوا تھا، نواب صاحب نے کچھ ہی عرصہ پہلے مریم سے شادی کی تھی اور پھر انہوں نے نئی وصیت بنوائی تھی، اس نئی وصیت کے مطابق ان کی بیوی مریم ہی اس تمام جائداد کی وارث تھی، یہ تمام معلومات اسے یزدانی صاحب کے ذریعے زارا سے حاصل ہوئی تھیں جو کہ کلیم کے وکیل کے طور پر اس کا کیس لڑ رہے تھے۔

پھر وہ رات بھی آ پہنچی جب ضرغام اپنے کمرے میں ایک کونے میں رکھی کرسی پر دراز تھا، اس

نے کرسی کا زاویہ ایسا رکھا تھا کہ کسی بھی طرح وہ نظر نہ آ سکے، اس کے آگے ایک پردہ بھی تھا۔
لیکن ایسے کہ وہ کسی کو نظر نہ آ سکے، بہر حال رات کے ایک بجے کمرے کے دروازے میں تار گھومنے کی آواز آئی اور وہ چوکنا ہو گیا، پھر کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک لمبا تڑنگا آدمی اندر داخل ہوا، اس نے اندر داخل ہو کر نہایت آہستگی سے دروازہ بند کیا اور آگے بڑھ آیا، اس نے ایک کونے میں رکھی الماری کی درازوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا اور اسی وقت ضرغام کرسی سے اٹھا اور اپنے سائلنسر لگے ریوالور کا رخ اس کی جانب کر کے بولا۔
''اگر کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی تو میرے ریوالور کی گولی تمہارے سر میں سوراخ کر دے گی۔'' وہ تیزی سے مڑا اور اس نے مڑتے ہی ضرغام کی طرف چھلانگ لگا دی، لیکن شاید ضرغام اس کی ہر حرکت سے واقف تھا، اس نے پھرتی سے اس لمبے شخص کو جھکائی دی اور اس کی ایک ٹانگ ضرغام کے ہاتھ میں آ گئی، ضرغام نے پوری قوت سے اسے لاک لگایا تھا، وہ شخص تکلیف سے بلبلا گیا، پھر ضرغام اس کی ٹانگ چھوڑ کر اس کے اوپر پہنچ گیا اور پوری قوت سے اس کے منہ پر دو تین مکے رسید کر دیے مگر وہ بھی کوئی ڈھیٹ ہی تھا، اس نے ہاتھوں کا بہترین استعمال کرتے ہوئے ضرغام کو اپنے اوپر سے پھینکا، ضرغام سائڈ میں گر گیا تھا، لیکن وہ جانتا تھا کہ اگلا وار کیا ہوگا چنانچہ اس نے لمبے آدمی کا وار خالی دیا اور ایک بار پھر اس کی ٹانگ پکڑ لی، پھر اندرونی لباس سے لوہے کی ایک بڑے سائز کی ہتھکڑی نکالی اور اس کی ٹانگ میں پھنسا کر لاک کر دیا، پھر اس نے ہتھکڑی کا دوسرا سرا ایک مضبوط میز سے باندھ دیا، حملہ آور شاید اس کے لیے تیار نہیں تھا، ضرغام جلدی سے سنبھلا اور اس نے کمرے کے ایک خفیہ حصے سے دوسری ہتھکڑی نکالی اور اس کی دوسرے پاؤں میں جکڑ دی، پھر اس کے منہ پر دو تین مکے رسید کر دیے جس کی وجہ سے وہ بالکل ہی ادھ موا ہو گیا تھا، ضرغام نے جلدی سے اس ہاتھ بھی جکڑ دیے تھے، اس نے لمبے شخص کے منہ میں کپڑا ٹھونسا اور اس کی طرف سے اطمینان کرنے کے بعد انسپکٹر مونس کے نمبر ڈئل کرنے لگا۔
انسپکٹر مونس نے ضرغام کے پاس پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی، پھر دونوں نے اس کا جائزہ لینا شروع کر دیا، مونس کے سامنے ضرغام نے اس کی وگ اتار دی اور پھر زور لگا کر اس کی مونچھیں اور چشمہ بھی اتار دیا، پھر ضرغام نے کہا۔
''جانتے ہو تم کون ہو، تم وکیل عامر کے آدمی ہو۔ پہلی بات اب آگے تم بتاؤ گے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم نے سب کچھ سچ بتا دیا تو میں کم از کم تمہیں پھانسی نہیں ہونے دوں گا۔''
وہ شخص پورے ہوش و حواس میں تھا، اس نے کچھ دیر سوچا اور پھر بولا۔ ''یہ سچ ہے کہ میں عامر کا ہی آدمی ہوں، اس نے پہلے ڈاکٹر کلیم کے کلینک سے وہ بندہ غائب کروایا اور اسے ایک بھاری رقم دے کر واپس گاؤں بھیج دیا۔ پھر اس نے عامر کے ایماء پر علی کو قتل کیا کیونکہ وہ مریم کا شوہر تھا اور جسے مریم نے اپنا بھائی بتایا ہوا تھا۔ اس نے بھی مریم کو تنگ کیا ہوا تھا، وہ علی سے بھی چھٹکارا چاہتی تھی، چنانچہ اس نے عامر کے ساتھ مل کر پلاننگ کی، پہلے علی کے ذریعے نواب صاحب کو زہریلے سانپ سے ڈسوایا گیا۔ پھر ان کی موت کے بعد اگلے مرحلے پر عظیم کو کلینک پر رکھوایا گیا، پھر سازش کے تحت عظیم وکیل عامر کے آفس پہنچا اور اس نے وصیت نامہ چرایا لیکن جلدی میں وہ اصلی وصیت نامہ لے گیا جس میں تمام جائداد کلیم اور زارا کے نام کی گئی تھی، جبکہ دوسرا وصیت نامہ جعلی طور پر تیار کروایا گیا تھا، عظیم اس وصیت نامے کے ذریعے عامر کو بھی بلیک میل کر سکتا تھا، دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی تھی کہ وہ ڈاکٹر کلیم اور اس کی بہن سے رابطہ کرتا اور انہیں رقم کے بدلے وہ اصلی وصیت نامہ دے سکتا تھا۔ بہر حال اس بیان کے بعد تمام بات واضح ہو گئی تھی، چنانچہ ریڈ کر کے عامر کو اور مریم کو گرفتار کر لیا گیا اور کیس چلنے کے بعد دونوں کو سزا ہو گئی جبکہ ڈاکٹر کلیم کو باعزت طور پر بری کر دیا گیا تھا۔

☆☆

یہ جہالت ہے......یا اندھا اعتقاد !...... آپ کے لیے ایک سوال

ہمارے ہاں بہت سے لوگ نفسیاتی یا جسمانی بیماری کا شکار ہوتے ہیں اور وہ ان عوارض کا علاج نام نہاد، نیم حکیم، جعلی ڈاکٹروں اور عاملوں کے آستانوں پر تلاش کرتے ہیں۔ وہ لوگ بجائے آسرا دینے کے، ان کی تشفی کرنے کے انہیں مالی نقصان پہنچاتے ہیں۔ جو خود کسی نہ کسی ذہنی عارضے، ہوس زر و دیگر برائیوں کا شکار ہوتے ہیں۔

گرداب

نویرہ زہیر

آج کل کے دور میں پڑھے لکھے نوجوانوں کیلئے نوکریوں کا حصول مشکل تر ہوتا جا رہا ہے، نوکریاں کم ہیں اور امیدوار زیادہ ہر جگہ سفارش کا دور دورہ ہے اور نوکریاں مشکل سے ہی ملتی ہیں۔ یہی کچھ صورت حال علی کے ساتھ بھی تھی۔ اچھے نمبروں میں گریجویشن کیا تھا لیکن کافی عرصے سے ملازمت کی تلاش میں تھا اور ملازمت نہیں مل رہی تھی۔ پھر ایک اشتہار کے جواب میں وہ دوسرے شہر ایک جگہ پہنچا۔ اشتہار میں اسسٹنٹ مانگا گیا تھا۔ ساتھ ہی لکھا تھا تنخواہ معقول اور رہائش بھی دی جائے گی۔ جب اس جگہ پہنچا تو پتا چلا کہ وہ ایک پیر صاحب کا آستانہ تھا اور انہیں کچھ امور کے لیے ایک اسسٹنٹ کی ضرورت تھی، پیر صاحب نے بذات خود اس کا انٹرویو کی اور جب علی کو تنخواہ بتائی تو اس نے فوراً حامی بھر لی، پیر صاحب نے کہا۔

”بھئی تو پھر آج سے ہی شروع کردو۔ تھوڑی دیر کے بعد ملاقات کا وقت شروع ہو جائے گا۔ کچھ ضروری امور تمہیں سمجھائے دیتا ہوں۔“ اور پیر صاحب نے علی کو تمام باتیں سمجھادیں اور علی نے تمام باتیں سمجھنے کے بعد کہا۔

”پیر صاحب گھر فون کر کے بتادوں۔“

”ہاں میاں، یہ ٹیلی فون رکھا ہے، فون اٹھاؤ اور بتادو کہ تمہاری نوکری لگ گئی ہے اور آج سے بلکہ ابھی سے تم نے نوکری شروع کردی ہے۔“

علی نے گھر فون کر کے بتادیا اور اپنے کام کا آغاز کردیا۔ لوگ آتے بابا صاحب کو اپنے مسائل بتاتے اور بابا ان کا حل بتادیتے تھے۔ علی کا کام ان لوگوں کو بابا صاب تک پہنچانا اور ان سے فیس وصول کرنا تھا۔ پھر علی نے یہ کام سنبھال لیا اور اسے کافی عرصہ گزر گیا۔ وہ بابا صاحب کے مزاج کو بھی کافی حد تک سمجھ گیا تھا، بابا صاحب کے آستانے کے آفس میں ہی اس کی رہائش کا بندوبست کردیا گیا تھا اور اس طرح اسے کام کرتے ہوئے کافی عرصہ گزر گیا۔

ایک دفعہ بابا صاحب کا موڈ خراب ہوگیا۔ اب ہمہ وقت ان کی تیوریاں چڑھی رہتی تھیں۔ علی کو حکم دیا گیا کہ تھا کہ کم سے کم لوگوں کو ملاقات کرنے کے لیے بھیجا جائے اور زیادہ سے زیادہ افراد کو ٹالتا رہے۔ علی نے بابا سے کئی بار اس صورت حال کے بارے میں بات کرنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے حسب عادت آنکھوں ہی آنکھوں میں ٹال دیا۔ یوں تو علی اس نئی صورت حال کا سبب کسی حد تک جانتا تھا مگر بابا اپنی زبان سے کہہ دیتے تو علی کے خیال کی تصدیق ہو جاتی اور پھر دونوں اس سلسلے میں باہم مشورے سے کسی نتیجے تک پہنچتے، کوئی فیصلہ کرتے اور اس فیصلے پر عمل کر کے کچھ نہ کچھ حاصل کر لیتے۔ مگر بابا صاحب لب کھولنے پر تیار ہی نہ تھے اور انہیں لب کھولنے پر آمادہ کرنا ابھی علی کے بس میں نہیں تھا۔

ان ہی دنوں ایک شام کو جب آستانے میں بابا اور علی رہ گئے تو علی نے دھیمی آواز میں کہا۔

”اگر چائے کا موڈ ہو تو بناؤں۔“

”ہاں چائے پلادو۔ آج نہ معلوم کیوں تھکن سی ہوگئی ہے۔ حالانکہ زیادہ لوگوں سے باتیں بھی نہیں کیں۔“

”جب ذہن الجھا ہوا ہو تو تھوڑا سا کام بھی بدن کو تھکا دیتا ہے۔ میرا خیال ہے آپ جس انداز میں لوگوں کی خدمت کررہے ہیں جتنے لوگ آپ کے پاس آتے ہیں، آپ سے عقیدت رکھتے ہیں اور آپ کے کہے کو پتھر کی لکیر سمجھتے ہیں۔ ان حقائق کو سامنے رکھ کر تو آپ کو کسی اور سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے نا معلوم اس شہر میں کتنے ہی لوگ اپنی دکانیں سجائے بیٹھے ہیں۔“

”میں کسی سے خوف زدہ نہیں ہوں۔“ بابا نے زیر لب کہا۔ ان کے چہرے پر چھائے ہوئے تاثرات اور لہجے کا دھیما پن چغلی کھا رہا تھا کہ ان کے ذہن پر خوف سوار ہے۔ ”وہ عورت میرے مقابلے میں تنکے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی ہے۔ لوگ اس کی طرف محض اس لیے متوجہ ہو رہے ہیں کہ اس کا تعلق بنگال سے ہے، بنگال کا جادو آج بھی لوگوں کے سروں پر سوار ہے۔ پھر میرے خیال میں اس کے پاس جانے والے لوگوں میں ان کی تعداد زیادہ ہے جو اپنے دشمنوں کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔“

”تو پھر مسئلہ کیا ہے؟“ علی نے جزبز ہو کر کہا۔

"لوگ اس کے پاس جاتے ہیں تو جانے دیں۔ آپ کے خیال میں وہ کچھ نہیں جانتی ہے تو پھر لوگوں کا کوئی کام نہیں کر سکے گی اور لوگ خود ہی دل برداشتہ ہو جائیں گے اس کے بعد بنگالن مائی کے خلاف باتیں کریں گے۔ اس کے خلاف ہونے والا پروپیگنڈا خود ہی اسے میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کر دے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" بابا نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔ "مجھے یقین ہے جیسا کہ تم نے کہا بالکل ایسا ہی ہوگا، لیکن میری خواہش ہے کہ ایسا نہ ہو۔"

"یہ تو آپ نے عجیب بات کر دی، ایسا بھلا کیوں نہ ہو؟" میں نے استعجابیہ انداز میں بابا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "خیر پہلے تم چائے پلاؤ اس کے بعد اس مسئلے پر بات کریں گے۔"

چائے تیار کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی، بابا ہمیشہ چائے پیتے ہوئے علی سے پوچھا کرتے تھے کہ کیا تم چائے نہیں پیو گے اور علی نفی میں گردن ہلا دیتا۔ اس بار بھی جب انہوں نے چائے کی پیالی ہاتھ میں لے کر لبوں کے قریب لے جاتے ہوئے کہا۔

"کیا تم چائے نہیں پیو گے؟"

علی نے مسکراتے ہوئے نفی میں گردن ہلا دی اور پھر اس انتظار میں بیٹھا رہا کہ کب بابا وہ بات شروع کریں پھر بابا صاحب نے چائے ختم کر کے کپ رکھتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس جو لوگ آتے ہیں میری کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور غیر مطمئن نہ ہوں، انسان نا امید ہو جائے تو اس کا اعتماد ہر شے سے اٹھ جاتا ہے۔ جب کسی شخص کا اعتماد دوا سے اٹھ جاتا ہے تو پھر وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیتا ہے خدا تک رسائی حاصل کرنے کیلئے وسیلے تلاش کرتا ہے۔ اپنی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشنے کے لیے وہ زندہ یا مردہ پیروں فقیروں کے دروں کے چکر لگاتا ہے۔ اس طرح مزارعات پر حاضریاں ہم جیسے لوگوں کے آستانوں کے چکر اور تعویذ گنڈوں کا ایک لامتناہی سلسلہ نکل چلتا ہے۔ لیکن ہم جیسے لوگ اسے بجائے آسرا دینے دلاسا دینے، اس کی تشفی کرنے اور اس کا اعتماد اور اعتقاد قائم رکھنے اسے توڑ دیں اور اسے ایسا مالی نقصان پہنچائیں کہ وہ اسے واقعی نقصان سمجھ لے تو پھر وہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ جائے گا، نفسیاتی کیس بن جائے گا۔ پھر کسی کے بھی کام کا نہیں رہے گا۔"

"آپ باتیں تو عقل میں آنے والی کر رہے ہیں۔" علی نے دھیمی آواز میں کہا۔

"یہ بنگالن مائی لوگوں کو اندر سے توڑ پھوڑ رہی ہے۔ لوگوں کے کسی کام آنا تو خیر اسے آتا ہی نہیں ہے، اس پر مستزاد یہ کہ وہ لوگوں کی تسلی، تشفی کیے بغیر ہی ان کی جیبوں پر ڈاکا ڈال رہی ہے۔ یہی نہیں، اس کے ڈاکا ڈالنے کا انداز لوگ سمجھ بھی رہے ہیں۔ انہیں اب اپنے مالی خسارے اور کام نہ ہونے کا احساس ایک ساتھ ہوگا تو پھر ان کے ذہن کی کیا کیفیت ہوگی؟"

علی بابا کے اس سوال کا جواب یہی دے سکتا تھا کہ بہت بری ہوگی لیکن خاموش ہی رہا۔ بابا نے اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے علی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ سارے ہی ہمارے خلاف ہو جائیں گے، یہ عورت تو چند دنوں میں اپنا الو سیدھا کر کے چلی جائے گی، لیکن ہمیں تو یہاں رہنا ہے اور بدنامی کے ساتھ نہیں، نیک نامی کے ساتھ رہنا ہے۔"

"لیکن اسے یہاں سے بھگایا بھی تو نہیں جا سکتا۔"

"اس سلسلے میں میں ابھی غور کر رہا ہوں۔" بابا نے بارعب آواز میں کہا۔ "میرے مخبروں نے معلوم کیا ہے کہ وہ ایک چھوٹے شہر سے آئی ہے۔ ظاہر ہے وہ چھوٹے چھوٹے شہروں میں اپنے غلط طریقہ کار کی وجہ سے پیروں کے خلاف زہر گھول آئی ہوگی۔ ہمارا شہر بہت بڑا ہے۔ یہاں ایک محلے کی خبر دوسرے محلے تک دیر میں پہنچتی ہے، پھر بھی ہمیں اس کو کھلی چھوٹ نہیں دینی چاہیے۔"

"اگر میں اس کے پاس جا کر صورت حال کا جائزہ لوں تو......"

کم ہیں، وہ اکیلی نہیں ہے، اس کے کارندے بھی اس کے ساتھ ہیں، ہمارے محلے میں ڈیرہ جمانے سے قبل انہوں نے یہاں کا جائزہ لیا ہوگا اور تم یقینی طور پر ان کی نظر میں آئے ہوگے۔ پھر ان میں سے کوئی اس طرف کا چکر ضرور لگاتا ہوگا جیسے کہ میرے لوگ وہاں کا چکر لگاتے ہیں، بہرحال میں نے ایک ترکیب سوچ لی ہے اور بہت جلد میں اسے بھگانے والے منصوبے پر عمل درآمد کروں گا۔"

پھر بابا صاحب نے علی کو جو منصوبہ بتایا وہ قابل تعریف تھا اس منصوبے کے تحت سانپ بھی مرجاتا اور لاٹھی بھی سلامت رہتی۔

"کل ہی میرا ایک پرستار اس سے ملاقات کرے گا۔ وہ پراثر انداز میں گفتگو کرنے کا فن جانتا ہے مجھے یقین ہے کہ چند ہی ملاقاتوں میں وہ اس عورت کو اس مقام پر پہنچا دے گا۔ جہاں سے اس کی واپسی کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔"

"وہ نوجوان آج پھر آیا تھا؟" علی نے دوسری بات چھیڑ دی۔

"کون نوجوان؟" بابا نے چونک کر کہا۔

"وہی جس کا کیس گزشتہ کئی ماہ سے ہمارے پاس ہے، فہیم الدین۔"

"تم نے کیا کہا اس سے؟"

"میں نے اسے کل بلایا ہے۔ وہ اپنے چھٹے عشق کی روداد بتانے کے لیے بہت بے چین ہے۔" علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شاید اب اس کا کام بن جائے۔" بابا نے پرخیال انداز میں کہا۔ "اگر اس نے اپنے ہی پڑوس کی لڑکی سے رجوع کیا ہے تو نتائج میری مرضی کے مطابق ہی برآمد ہوں گے۔ ورنہ اسے ایک اور عشق کرنا پڑے گا۔" بابا کی سرخ سرخ آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی، "کل وہ کتنے بجے آئے گا؟"

"میں نے اسے تین بجے بلایا ہے۔"

"ٹھیک ہے، اس وقت تک مجھے اپنے پرستاروں اور اس عورت کا احوال بھی معلوم ہوجائے گا۔ ابھی واپس نہ جانا ہوسکتا ہے مجھے تمہاری پھر ضرورت پڑ جائے۔"

"ٹھیک ہے، یہ کہہ کر علی اپنے کمرے میں آگیا اور پھر اپنی کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔ آنکھیں بند کرتے ہی پردہ تصور روشن ہوگیا اور اس پر مختلف چہرے ابھرنے لگے، مختلف مناظر لمحے بھر کے لیے ابھرتے اور پھر غائب ہوجاتے۔ پھر اچانک فہیم الدین پردہ تصور پر ابھر آیا۔

فہیم الدین خوب صورت، اسمارٹ، مردانہ وجاہت کا مکمل نمونہ تھا۔ گورا رنگ ستواں ناک، بھرے بھرے گال، کشادہ پیشانی، سیاہی مائل بھورے بال، لمبا قد اور بڑی بڑی آنکھوں میں تیرتی ہوئی اداسی اس کی شخصیت کو دوبالا کرنے کے لیے کافی تھی۔ جب وہ پہلی بار آستانے میں داخل ہوا تو بہت گھبرایا ہوا تھا علی نے اسے کرسی پیش کی اور پوچھا کہ وہ اتنا گھبرایا ہوا کیوں ہے تو اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا تھا۔

"بس آپ مجھے جلدی سے بابا صاحب سے ملادیں، میں بہت دور سے آیا ہوں، میں اپنی پریشانی صرف بابا ہی سے بیان کروں گا۔"

"میں یہاں لوگوں کو بابا سے ملانے کے لیے ہی بیٹھا ہوں، لیکن آپ کا نمبر چار آدمی کے بعد ہے۔ آپ کو ایک ڈیڑھ گھنٹہ انتظار کرنا پڑے گا، اس سے پہلے بابا سے ملنا ممکن نہیں ہے۔"

"ڈیڑھ گھنٹہ تو بہت ہے۔" اس نے زیر لب کہا۔ "خیر میں انتظار کرلوں گا۔"

علی نے اسے اپنے قریب آکر بیٹھنے کا اشارہ کیا، وہ کچھ سمجھے بغیر علی کے قریب رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ علی چند لمحوں تک اس کا بغور جائزہ لیتا رہا پھر اس نے پوچھا۔ "آپ بابا صاحب سے کیوں ملنا چاہتے ہیں، اگر آپ کی حاجت اتنی ہی اہم ہوئی تو میں آپ کو ان آدمیوں سے پہلے ہی بابا کے پاس بھیج دوں گا۔"

"میں اہم ضرورت کے تحت ہی ان سے ملنا چاہتا ہوں لیکن وہ میں صرف انہی کو بتاؤں گا۔"

''ٹھیک ہے میں آپ کو ان چار ضرورت مندوں سے پہلے ہی بابا تک پہنچادوں گا۔'' علی نے پرخیال انداز میں کہا۔

فہیم الدین بابا صاحب سے مل کر رخصت ہوگیا تھا، لیکن اس نے بابا سے کیا بات کی تھی اس کا علم بابا صاحب سے ہی ہوا تھا، نجانے کیوں اس نوجوان سے ہمدردی کے جذبات علی کے دل میں ابھر رہے تھے چنانچہ جب شام کو تنہائی میسر آئی تو علی نے بابا سے اس کے بارے میں پوچھا۔ بابا نے حسب عادت زیرلب مسکراتے ہوئے کہا کہ وہ اپنے چچا کی لڑکی سے شادی کسی صورت بھی کرنے کے لیے تیار نہیں ہے، مجھ سے ایسا تعویذ طلب کر رہا تھا جسے باندھ لینے کے بعد وہ اپنے چچا اور اس لڑکی کی نظر سے گر جائے اور وہ لوگ شادی سے انکار کردیں، بابا اس کام کے لیے تیار ہوگئے اور اس سے کہا کہ وہ کل باطہارت آئے تاکہ وہ اس پر عمل کریں اور اسے بازو پر باندھنے کے لیے تعویذ دیں۔ بابا نے اپنی کاروباری مصلحت کے عین مطابق اس سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ اپنے چچا کی لڑکی سے شادی کیوں نہیں کرنا چاہتا۔

دوسرے دن جب وہ آیا تو بابا نے اس سے کہا کہ وہ اپنے خاندانی حالات سے اسے آگاہ کرے، اپنے دوستوں اور دشمنوں کے بارے میں بتائے، ممکن ہے کہ وہ جس عارضے میں مبتلا ہے وہ کسی دشمن کی کارستانی ہو، فہیم الدین نے بابا کو اشارتاً بھی اپنے کسی عارضے کا حوالہ نہیں دیا تھا، اس کے باوجود بھی اس نے اپنے خاندانی حالات کم وبیش بیان کرنے کے بعد کہا۔

''بس آپ کچھ ایسا عمل کریں کہ میرے چچا اس شادی سے انکار کردیں، میں اپنی زبان سے انکار نہیں کرنا چاہتا، اگر انہوں نے شادی سے انکار کردیا تو میں حسب حیثیت آپ کی خدمت کے لیے تیار ہوں۔''

دیر تک باتیں کرنے اور غور کرنے کے بعد بابا نے پوچھا کہ وہ کسی لڑکی سے محبت تو نہیں کرتا، اس نے نفی میں گردن ہلادی۔

''تو پھر چچا کی لڑکی سے شادی کرنے میں حرج ہی کیا ہے؟'' بابا صاحب نے اس سے پوچھا۔

''بہت ہرج ہے، لیکن میں آپ سے اس بارے میں کچھ نہیں کہوں گا، ویسے یہ ایک حقیقت ہے کہ میں کسی بھی لڑکی سے عشق نہیں کرتا ہوں، اور نہ آئندہ کروں گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ میں سمجھتا ہوں انسان کو پہلے اپنا مستقبل بنانا چاہیے اس کے لیے محنت کرنا چاہیے اور جب وہ اس طرف پوری توجہ دیتا ہے تو اسے محبت کرنے کا وقت ہی کہاں ملتا ہے۔''

فہیم الدین نے ان دو ملاقاتوں میں جس انداز میں گفتگو کی تھی اس سے بابا نے یہ معلوم کرلیا تھا کہ یہ نوجوان نیک خو، خوش گفتار اور اپنی ذات تک محدود رہنے والا ہے۔ دیگر نوجوانوں کی طرح کالج کی لڑکیوں میں دلچسپی لینا یا ان کے پیچھے دم ہلاتے پھرنا اسے آتا ہی نہیں ہے، ''اگر میں تم سے کہوں کہ تم کسی لڑکی کو پسند کرلو تو......'' بابا نے جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''کیوں...... کیوں پسند کرلوں...... میں اس انداز کا کوئی کام نہیں چاہتا۔''

''بعض اوقات ضرورتاً بھی کچھ کام اپنی مرضی کے خلاف کرنے پڑتے ہیں۔'' بابا نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ ''ویسے تو میں تمہیں ایک نقش بھر کر دے سکتا ہوں، اگر تم اسے اپنے چچا کو پلا دو گے تو ان کا دل تمہاری طرف سے ہٹ جائے گا، لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ کام تمہارے مستقبل کے لیے بہتر نہیں ہے۔ اگر تم مجھے کسی ایسی لڑکی کا نام بتاؤ گے جو تمہارے ساتھ ہی کہیں پڑھتی ہو تو میں تمہیں اس کے نام کا نقش بھر دوں گا، وہ لڑکی تمہاری طرف مائل ہوجائے گی، تم اسے اپنے قریب آنے دو، اس کے ساتھ گھومنے پھرنے لگو، لیکن یہ سب دکھاوے کا ہوگا۔ ظاہر ہے تم اس لڑکی سے پیار کرنا تو پسند نہیں کرو گے، چند دنوں میں بات تمہارے چچا کے کانوں تک بھی پہنچے گی اور پھر وہ تمہارے اس روپ کو دیکھ کرا

اپنے پیٹے پر شکر تائی کریں گے۔

''ہاں بات تو آپ کی ٹھیک ہی معلوم ہوتی ہے، لیکن اس طرح تو اس لڑکی کا مستقبل برباد ہو جائے گا۔''

''تم اس کے مستقبل کی پروا مت کرو، میں اسے سنبھال لوں گا۔'' بابا نے آنکھیں بند کر کے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔ ''تم غور کر کے ابھی کسی لڑکی کا نام بتا دو تاکہ میں نقش بھر کر اسی وقت تمہیں دے دوں۔''

فہیم دیر تک غور کرتا رہا پھر اس نے کہا۔ ''میرے کالج کی ایک لڑکی ہے میری نظر میں ہے سارہ ہے اس کا نام، ہے بہت تیز طرار۔''

''تمہیں وہ اچھی لگتی ہے۔'' بابا نے زیر لب کہا۔

''اچھی تو وہ کالج کے سبھی لڑکوں کو لگتی ہے، لیکن وہ کبھی کسی کی طرف مائل نہیں ہوتی ہے، وہ کسی لڑکے کی طرف بھی مائل نہیں ہوتی ہے۔ وہ کسی لڑکے کی طرف دیکھتی بھی ہے تو یوں جیسے اس نے کچھ کہا تو وہ بغیر کسی تاخیر کے ہاتھ مار دے گی۔'' فہیم نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''کیا نام بتایا تم نے اس کا؟'' بابا نے اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''سارہ، بڑے باپ کی بیٹی ہے۔''

''بابا نے اشارے سے علی کو اپنے قریب بلایا اور فہیم کو باہر لے جانے کا کہا اور ساتھ ہی ایک مخصوص اشارہ بھی کیا، اس اشارے کا مطلب علی خوب سمجھتا تھا، علی اس نے لڑکے فہیم کو بابا کے کمرے سے اپنے کمرے میں لے آیا، اس کے بعد فہیم کی جیب خالی کرنے میں اس کو کوئی دیر نہیں لگی تھی۔ اب وہ آستانے سے باہر جا رہا تھا تو اس کے بازو پر ایک تعویذ بندھا ہوا تھا اور ایک نقش اس کی جیب میں تھا۔ جیب والے نقش کو صاف ستھرے پانی میں گھول کر کسی نہ کسی انداز میں سارہ کو پلانا تھا۔

فہیم ڈیڑھ ہفتے کے بعد دوبارہ بابا کے پاس پہنچا اور اس نے بابا کو صورت حال بتائی۔

''بابا میں تو اس لڑکی سے بے حد خوف زدہ ہو گیا ہوں، اس کے بھائی شریف غنڈے ہیں، وہ مجھے جان سے بھی مار سکتے ہیں۔ میرے خیال میں تو اس لڑکی کے نزدیک جانا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا۔''

''گویا تم اسے نقش پلانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔''

''کہہ تو رہا ہوں بابا صاحب کہ میں تو اس کے قریب بھی نہیں جا رہا۔''

''خیر چھوڑو اس لڑکی کو، کوئی اور لڑکی تمہاری نگاہ میں ہے۔'' بابا نے آنکھیں بند کرتے ہوئے پوچھا۔

فہیم الدین نے بہت غور کرنے کے بعد ایک اور لڑکی کا نام بتایا، بابا نے اس لڑکی کے نام کا تعویذ دیا اور علی نے ایک بار پھر فہیم کی جیبیں خالی کرا لیں اور اسے یہ یقین دلا کر رخصت کر دیا کہ اس بار وہ ضرور کامیاب ہوگا۔ لیکن دوسرے عشق کی بیل بھی نہیں چڑھ سکی کیونکہ وہ لڑکی تعویذ کے اثر سے بجائے فہیم کی طرف مائل ہونے کے شہر سے ہی رخصت ہو گئی۔ وہ کسی سرکاری افسر کی بیٹی تھی اور اس کا تبادلہ دوسرے شہر ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ بھی اپنے گھر والوں کے ساتھ دوسرے شہر چلی گئی۔

اس لڑکی کے جانے کے بعد فہیم نے بابا صاحب کو ایک تیسری لڑکی کا نام بتایا اور بابا صاحب نے اسے تیسری لڑکی کے لیے تعویذ دیا، لیکن تیسری لڑکی پہلے ہی سے کسی کے عشق میں گرفتار تھی اور فہیم اسی لڑکے کا دوست تھا چنانچہ اپنے دوست کی محبت کے تاج محل میں دراڑ اور شگاف نہیں ڈالنا چاہتا تھا، تیسری لڑکی بھی بابا کے نقش کا پانی نہیں پی سکی۔ بابا نے فہیم سے کہا کہ اب جس لڑکی کا بھی نام بتائے اس کے بارے میں پہلے تمام معلومات حاصل کر لے اس کے بعد ہی کچھ کیا جائے گا۔

فہیم نے چوتھی لڑکی کے بارے میں چھان بین کا سلسلہ شروع کیا اور اسے کسی حد تک کامیابی بھی

ڈرامہ رچایا جائے تو بات بہت جلد کالج میں پھیل جائے گی اور اس کی بو باس گھر تک پہنچنے میں بھی زیادہ دن نہیں لگیں گے۔ لیکن برا ہوا حالات کا کہ انہوں نے فہیم کو محبت کا اظہار کرنے کا موقع نہیں دیا۔ دوسرے دن وہ لڑکی کالج نہیں آئی تھی۔ معلومات کرنے پر پتا چلا کہ پچھلی رات اس لڑکی کی منگنی ہو چکی تھی اور اب وہ کالج سے مسلسل رخصت لے چکی تھی۔

"تمہارے نصیب ہی کچھ خراب معلوم ہوتے ہیں۔" فہیم کی ساری بات سننے کے بعد علی نے کہا۔ "آج اور کل بابا بہت مصروف ہیں، تم بدھ کے دن آؤ، پھر ان سے ملاقات کرنا اب دیکھو وہ کیا مشورہ دیتے ہیں۔"

فہیم ساری بات سننے کے بعد بہت دیر تک استقبالیہ کمرے میں بیٹھا رہا، علی محسوس کر رہا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ لیکن اس نے اس خیال سے اس سے کچھ نہیں پوچھا کہ ممکن ہے اس کے دل میں کوئی وہم بیٹھ جائے، تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ بدھ کے دن آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

بدھ کے روز وہ وقت پر پہنچ گیا، علی نے فوراً اس کی ملاقات بابا سے کرادی، اس وقت بابا کے کمرے میں سوائے اس کے اور کوئی نہیں تھا۔ جب تک فہیم بابا کے کمرے میں رہتا علی کسی اور کو اندر نہیں جانے دیتا تھا، آدھے گھنٹے سے بھی کم وقت میں فہیم بابا کے کمرے سے باہر آ گیا، علی نے محسوس کیا کہ اس کا بجھا ہوا چہرہ کھل گیا تھا، آنکھوں میں چمک بھی آ گئی تھی۔

"کیا مشورہ دیا بابا نے؟" علی نے پوچھا۔

"آپ کو بلایا ہے، شاید میرے ہی بارے میں کوئی بات کریں۔" فہیم نے کہا۔

"کوئی آ جائے تو اسے یہیں بٹھانا، بابا کے کمرے میں مت بھیج دینا۔"

"ٹھیک ہے، میں کسی کو بھی اندر نہیں بھیجوں گا۔" اس نے میز کے سامنے رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ بابا کے کمرے میں داخل ہو کر علی نے دروازہ بند کیا اور ان کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔

"یہ لڑکا بہت شریف ہے، اسے زمانے کی ہوا نہیں لگی ہے۔ اس نے میرے سامنے ایک لڑکی کا نام لیا ہے جس کے بارے میں اس نے تمام معلومات حاصل کی ہیں، میں نے اسے نقش دے دیا ہے۔ اب تمہارا کام یہ ہے کہ تم مکمل طور پر اس کی رہنمائی کرو۔ ممکن ہے کہ وہ اس لڑکی کو نقش پلانے میں کامیاب ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے۔" علی نے کہا اور واپس اپنے کمرے میں آ گیا، اس وقت فہیم کے علاوہ دو اور افراد وہاں موجود تھے علی نے دونوں افراد کو اندر بھیج دیا اور فہیم سے بولا۔

"بابا کا دیا ہوا نقش تم نے حفاظت سے تو رکھ لیا ہوگا۔"

"ہاں میں نے اسے رومال میں لپیٹ کر رکھ لیا ہے۔"

"کیا نام ہے اس کا؟"

"رابعہ۔"

"کیا عمر ہوگی اس کی؟"

"لگتی تو بیس سال کی ہے۔"

"بیس سال عمر ہے اس کی، کیا خیال ہے تم اسے اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔"

"بابا کا تعویذ ہے نا میرے پاس۔"

"اس کا اثر تب ہوگا جب تم اسے گھول کر رابعہ کو پلاؤ گے اور اس سے پہلے تمہیں رابعہ کی قربت حاصل کرنا ہوگا۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔" فہیم نے پرخیال انداز میں کہا۔ "میں کوشش کر کے دیکھتا ہوں۔"

"بس اس کا خیال رکھو کہ کام نہ بگڑ جائے اگر اس سلسلے میں میرے مشورے کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں، تم مجھ سے اس مسئلے پر کھل کر بات کر سکتے ہو گو میں عمر میں تم سے بڑا ہوں لیکن تم مجھے اپنا ہم عمر دوست ہی سمجھنا، میں یہاں صبح سے رات نو بجے تک

ہوتا ہوں۔ اس کے درمیان تم کسی بھی وقت میرے پاس آسکتے ہو۔"

اس کے بعد فہم نے اپنے دل کی کچھ باتیں علی سے کیں اور علی نے اسے چند مشورے دیے وہ بہت دیر تک علی کے پاس بیٹھا رہا اور اس موضوع پر باتیں ہوتی رہیں پھر وہ رخصت ہو گیا اور علی کافی دیر تک اس کے بارے میں سوچتا رہا تھا، فہیم الدین نے رابعہ کو اپنی جانب مائل کر لیا تھا اور ایک دن موقع پا کر بابا کا نقش بھی اسے گھول کر پلا دیا تھا۔ چوتھے دہی دن اس نے رابعہ کا لکھا ہوا خط لا کر علی کو دکھایا جس میں لکھا تھا کہ میں تمہاری نظروں کا مطلب سمجھ رہی ہوں، کالج میں میری طرف ایسی نظروں سے مت دیکھا کرو اور نہ ملنے کی کوشش کرو، ویسے آج شام کو زیڈ کراس اسٹاپ پر میں تمہارا انتظار کروں گی۔

خط پڑھنے کے بعد علی نے اسے مشورہ دیا کہ وہ لڑکی سے مل لے۔ پھر فہیم اور رابعہ کی ملاقاتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ اس دوران علی نے فہیم سے کہا کہ وہ کالج میں بھی اس سے بات کرے، اسے اپنے گھر بھی لے جائے۔ فہیم نے اس کے مشورے پر عمل کیا لیکن اس سے پہلے ہی لڑکی نے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دی جو فہیم نے قبول کر لی اور اس کے گھر بھی پہنچ گیا، وہاں لڑکی نے اس کے ساتھ ایسی نازیبا حرکات کیں کہ اسے بھاگنا پڑا۔ فہیم نے علی کو تمام باتیں بتائیں اور علی نے ساری باتیں بابا کے گوش گزار کر دیں بابا نے کہا۔

"لڑکے کے ستارے گردش میں ہیں۔ اسے کہو کچھ دن کے لیے رک جائے۔" اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی اور علی جلدی سے اپنے کمرے میں آ گیا۔ فون اٹھایا دوسری طرف رفیق تھا۔

"بابا صاحب موجود ہیں۔"

"ہاں رفیق بیٹھے ہیں اپنے کمرے میں۔"

"ٹھیک ہے میں پہنچ رہا ہوں۔" یہ کہہ کر رفیق نے فون بند کر دیا اور علی واپس بابا کے کمرے میں پہنچ گیا اور بابا کو بتایا کہ رفیق پہنچ رہا ہے۔ بابا نے کہا۔

"لگتا ہے رفیق نے اپنا کام شروع کر دیا ہے تم یوں کرو کہ باہر ہی بیٹھو اور جو بھی آئے اس سے کہنا کہ بابا صاحب اب کل ہی ملاقات کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" علی نے کہا اور باہر آ کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ پھر کچھ ہی دیر کے بعد رفیق آ گیا علی نے اسے بابا صاحب کے پاس بھیج دیا، کافی دیر تک اندر باتیں ہوتی رہیں۔ پھر رفیق باہر آ گیا تھا، علی کے پوچھنے پر اس نے بتایا۔

"اس بنگالن مائی کا پتا صاف کر دیا ہے۔ اسے میں نے ایک کام کے لیے کہا اس نے مجھے الٹے سیدھے عمل بتائے۔ چوتھی ملاقات میں میں نے اسے خوش خبری دی کہ میرا کام ہو گیا ہے، اور میرے کچھ جاننے والے ہیں جو بہت امیر کبیر لوگ ہیں، ان کے مسائل بڑے زیادہ ہیں اور وہ علاج چاہتے ہیں، لیکن اس جگہ آنا ان کے لیے ممکن نہیں ہے۔ وہ اگر چاہے تو ایک بڑے ہوٹل میں کمرہ کرائے پر لے لے اور ساتھ ہی اخبار میں اشتہار بھی دے تا کہ وہ بڑے لوگ اس کے پاس پہنچ سکیں۔ بنگالن مائی کو میرا آئیڈیا پسند آیا ہے کل سے وہ اس علاقے میں نظر نہیں آئے گی۔" علی بھی اس کی بات سے عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا، کیسی عجیب بات تھی کہ لوگوں کو مسلسل بے وقوف بنایا جا رہا تھا اور لوگ بن رہے تھے۔

پھر دوسرے دن فہیم پھر آیا اور اس نے علی سے کہا کہ اب وہ مزید کسی لڑکی سے محبت کا ڈرامہ نہیں رچائے گا اسے خوف آتا ہے۔ اس نے شرم وحجاب سے اپنا مسئلہ صحیح طور پر نہیں بتایا تھا۔ پھر اس نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر علی کو دیا اور کہا کہ اس نے اپنا مسئلہ اس پر لکھ دیا ہے۔ اسے پڑھ لے اور اگر ممکن ہو سکے تو اس کے لیے کچھ کیا جائے۔ یہ کہہ کر وہ باہر چلا گیا۔

علی نے وہ پرچا پڑھا اور فوراً ہی بابا کے پاس پہنچ گیا اس نے وہ پرچا بابا کو دیا، بابا نے پرچا پڑھا جس میں لکھا تھا کہ وہ نارمل مرد ہی نہیں ہے۔ وہ اپنی اس کمزوری کو چھپانا چاہتا ہے۔ اگر اس نے اپنے چچا کی

کرنی سے شادی کرنی تو معاملہ کھل جائے گا اور پھر وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔ اس نے جب سے ہوش سنبھالا ہے وہ اس کرب میں مبتلا ہے۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ مکمل مرد نہیں ہے۔ مردانگی کو جگانے کے لیے اس نے چپکے چپکے بہت سے کام کیے لیکن افاقہ نہیں ہوا، اس نے کئی ڈاکٹروں کو بھی دکھایا اور ڈاکٹروں نے اسے لاعلاج بتا کر زیادہ مایوس کر دیا۔

''اب کیا جائے؟'' علی نے پوچھا۔

''نقش اور عمل میں بہت طاقت ہے، میں اسے ایسا نقش دوں گا جس سے وہ ہرا بھرا ہو جائے گا۔''

''کتنا وقت لگ جائے گا اس میں؟''

''روحانی علاج میں تو کم از کم چالیس روز لگیں گے، اس کے لیے صبر و سکون ضروری ہے۔''

''لیکن اس کے گھر والے تو شادی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اس دوران اس کے گھر والے وہی کچھ کریں گے جو وہ مجبوراً پسند نہیں کرتا ہے۔''

''تو پھر تمہارے خیال میں اسے بچانے کے لیے اور کیا کیا جا سکتا ہے؟'' بابا نے علی سے پوچھا۔

''میرے خیال میں یہ خط جو اس نے آپ کے لیے لکھا ہے کسی طرح اس کے باپ کو دکھایا جائے اور اس سے کہا جائے کہ وہ اپنے لڑکے کی شادی کا خیال دل سے نکال دے۔ اس سے کہا جائے گا کہ اگر وہ لڑکے کی شادی کرنے سے باز نہ آیا تو اس کا بیٹا شادی سے پہلے ہی خودکشی کر لے گا کیونکہ وہ شادی کے بعد اپنی بدنامی کسی طور بھی نہیں ہونے دے گا۔ پہلے ہی وہ احساس کمتری کا شکار ہے۔ اگر ایسا ہو جاتا کہ اس کی شادی بھی رک جائے اور اسے یہ احساس بھی نہ ہونے دیا جائے کہ شادی رکنے کی وجہ کیا ہے تو زیادہ بہتر ہے۔''

''بہتر خیال ہے۔ دیکھو علی۔ میرا مقصد صرف مال کمانا نہیں ہے۔ اگر اس طرح اس لڑکے کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے تو تم دیر کیے بغیر فوراً اس کے باپ کے پاس جاؤ، اس سے بات کرو۔ تم نے فہیم کو کب بلایا ہے؟''

کل ہی۔

''ٹھیک ہے میں اسے سمجھاؤں گا کہ تمہارے والد کے لیے میں نے ایک عمل شروع کیا ہے۔ جلد ہی اس کا والد اس شادی کو اس کی پڑھائی پورے ہونے تک ٹال دے گا اور دوبارہ اس کے بارے میں بات نہیں کرے گا۔''

''بہت اچھا عمل ہے یہ تو بابا صاحب۔''

''کوشش کر کے میں اس کا روحانی علاج کرنے کی کوشش ضرور کروں گا۔ ہو سکتا ہے وہ بالکل ٹھیک ہو جائے۔'' دوسرے دن فہیم نہ آیا۔ پھر تیسرا دن بھی گزر گیا تو علی نے بابا صاحب سے بات کی۔ ''فہیم کو اب تک تو آ جانا چاہیے تھا۔''

''ہاں اسے آنا تو چاہیے تھا۔'' بابا نے بھی تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

'' آپ اجازت دیں تو میں اس کے گھر جاؤں؟''

''اس کے گھر تو بہرحال تمہیں جانا ہے، لیکن اس کی غیر موجودگی میں، کل کا دن اور انتظار کر لو پھر اس کے گھر جانا، اگر وہ مل جائے تو کوئی بہانہ کر دینا اور اگر وہ گھر پر نہیں ہوا تو پھر اپنے منصوبے کے مطابق اس کے باپ سے بات کرنا ہے۔''

دوسرے دن بھی وہ نہ آیا اور رات کو آٹھ بجے علی اس کے گھر پہنچ گیا، مکان کو دیکھنے کے بعد علی کو اندازہ ہو گیا کہ وہ صاحب حیثیت خاندان کا فرد ہے۔ چند لمحے علی گیٹ کے قریب کھڑا رہا اور پھر اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا، تھوڑی دیر کے بعد ایک ملازم گیٹ پر آیا اور اس نے علی کا نام پوچھا۔ علی نے جواب میں پوچھا کہ کیا فہیم کے والد گھر پر ہیں۔''

''جی ہاں وہ گھر پر ہیں، لیکن......''

''لیکن کیا؟'' علی نے قدرے تیز آواز میں کہا۔

''وہ بیمار ہیں، آپ نام بتاؤ میں جا کر کہتا ہوں۔''

چند لمحات غور کرنے کے بعد علی نے کہا۔ ''ان سے کہو فہیم کا دوست علی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔'' اس

ملازم نے غور سے علی کو دیکھا اور پھر اندر چلا گیا، پھر جلد ہی باہر آگیا اور بولا۔

''آپ میرے ساتھ آئیں صاحب۔ ملازم لڑکے نے قریب آکر کہا۔'' صاحب آپ کو اندر بلاتے ہیں۔''

''آپ اس سے پہلے تو کبھی ہمارے گھر نہیں آئے؟'' جب علی ڈرائنگ روم میں پہنچا تو فہیم کے والد نے کہا وہ ڈبل صوفے پر نیم دراز سے تھے۔

''ہاں میں پہلی بار آیا ہوں۔'' علی نے کھڑے کھڑے ہی کہا۔

''آپ اس طرف والے صوفے پر بیٹھ جائیں۔''

''آپ کو کیا ہوگیا ہے۔ بہت کمزور محسوس ہو رہے ہیں؟'' علی نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ہونا کیا ہے۔ پروردگار میرا امتحان لے رہا ہے، لیکن شاید میں اس امتحان پر پورا نہیں اتروں گا۔''

''آپ تو بہت مایوسی کی باتیں کر رہے ہیں۔''

''جب آس کا ہر پھول مرجھائے تو آدمی مایوس ہو جاتا ہے۔'' انہوں نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

ان کی آواز پر علی چونکا، اسے فوراً ہی حالات کی سنگینی کا احساس ہوا، چند لمحے ان کے چہرے سے دل کی بات پڑھنے کی کوشش کرنے کے بعد علی نے کہا۔

''وہ انکل دراصل میں کچھ عرصہ شہر سے باہر تھا اور کئی دنوں سے فہیم سے ملاقات نہیں ہوئی اس لیے آج......''

''اب اس سے ملاقات کبھی نہیں ہوسکے گی۔'' فہیم کے والد نے کہا۔ ان کی ڈبڈبائی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے تھے۔'' وہ ہمیں چھوڑ کر ایسی جگہ چلا گیا ہے جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔''

فہیم سکتے کے سے عالم میں نامعلوم کتنی دیر خاموش رہا اور پھر افسوس کا اظہار کرنے کے بعد پوچھا۔'' یہ سانحہ کب ہوا؟''

''آج چوتھا دن ہے، ڈاکٹروں نے بہت کوشش کی لیکن وہ نہیں بچ سکا، اس کی شریانیں پھٹ گئی تھیں۔''

''شریانیں......مگر کیسے؟'' علی نے پوچھا۔

''نجانے اس بے وقوف لڑکے نے پارے کا کشتہ کیوں کھالیا تھا؟''

''پارے کا کشتہ''

''ہاں...... جب اس کی حالت بہت خراب ہوگئی تب اس نے بتایا۔ اس کا بدن اچانک پھٹنے لگا تھا۔ ناک منہ اور کانوں سے خون بہنے لگا تھا۔ میں جتنی دیر میں اسے اسپتال لے کر پہنچتا اتنے میں وہ اللہ کو پیارا ہوگیا مجھ سے اس کا تڑپنا نہیں دیکھا جا رہا تھا، وہ مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا۔''

''معلوم نہیں اسے کس نے مشورہ دیا تھا کہ کشتہ کھانے کا؟'' علی نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

''یہ کشتہ تو عیاش اور بوڑھے لوگ کھاتے ہیں۔''

''مگر کیوں...... کیورہ مشورہ دیا کسی دوست نے؟''

''پتا نہیں جناب، میرے ساتھ تو اکثر پڑھائی کی باتیں ہوتی تھیں۔ بس میں اس کا پتہ لینے یہاں آیا تھا مجھے نہیں معلوم تھا کہ مجھے اتنی بری خبر سننے کو ملے گی۔''

علی کو وجہ سمجھ میں تو آگئی تھی، اصل جواب تو علی کے پاس موجود تھا۔ لیکن علی نہیں چاہتا تھا کہ فہیم مرنے کے بعد خاندان بھر میں رسوا ہو جائے۔ شاید وہ کسی نیم حکیم کے چکر میں پڑ گیا تھا جس نے اس سے بھاری قیمت لے کر کشتہ دیا ہوگا یہ کہہ کر وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ فہیم کا باپ کہہ رہا تھا۔

''وہ بہت شریف لڑکا تھا، اس کے دوست بھی کم تھے۔ پھر وہ صرف اپنی ہی ذات میں مگن رہتا تھا۔ گھر میں بھی وہ کسی سے زیادہ باتیں نہیں کرتا تھا، لیکن گزشتہ دنوں سے وہ گھر میں کم ہی رہ رہا تھا۔ پھر بھی مجھے یقین ہے کہ اس نے کوئی غلط راہ نہیں اپنائی ہوگی۔''

وہ بول رہا تھا اور علی سوچ رہا تھا کہ کب تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا اور نیم حکیم، جعلی ڈاکٹر، پیر عامل اپنے مفادات کے لیے نوجوانوں کو موت کے گھاٹ اتارتے رہیں گے۔

☆☆

اصول پرست

صدف بنت راحت

ہر عورت اپنے گھر اور اپنی زندگی کے بارے میں کچھ خواب دیکھتی ہے کہ جس مرد سے اس کی شادی ہو وہ اتنا مضبوط ہو کہ اس کی حفاظت کرسکے۔ اس کی عزت کرے...... اس سے محبت کرے...... کمزور سے کمزور عورت کی بھی اس وقت دنیا کی مضبوط اور طاقت ور عورت بن جاتی ہے جب اسے ایک اصول پرست اور با اعتبار مرد کا ساتھ نصیب ہوجائے۔ ایک حسینہ کا احوال جس کے سامنے ایسا ہی مرحلہ آگیا تھا کہ ایک طرف اس کی محبت تھی اور دوسری طرف اس کے اصول۔

محبت کا اولین قانون اعتبار ہے

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں تھا کہ میکشاں جیسی حسین اور تروتازہ لڑکی اور شہر یار جیسا نوجوان پورے قصبے میں کوئی نہیں تھا، میکشاں کی روشن آنکھوں تروتازہ ہونٹ اور دلکش مسکراہٹ کی کوئی مثال نہیں تھی تو شہر یار کے چوڑے چکلے بدن، چیتے کی طرح پتلی کمر اور وجیہہ چہرے اور نیلی آنکھوں کی پوری بستی میں مثال نہیں ملتی تھی۔ دونوں کے والدین کھاتے پیتے لوگ تھے، لیکن جب سے میکشاں کی منگنی شہر یار سے ہوئی تھی دونوں ہی فکر مند تھے، اکثر دونوں کے مستقبل کے بارے میں گفتگو کرتے تھے، میکشاں اکثر کہتی تھی۔

''شہر یار! کیا شادی کے بعد بھی تم اس بستی میں زندگی بسر کرو گے، کیا ہم دونوں بھی زندگی کے شب و روز اسی انداز میں گزاریں گے جس طرح ہمارے والدین گزارتے رہے۔ میری خواہشات کچھ اور تھیں شہر یار میری سہیلیاں اکثر کہتی تھیں کہ میں جس قدر حسین ہوں اس کو مدنگاہ رکھتے ہوئے تو مجھے کسی بہت بڑے شخص کی شریک حیات ہونا چاہیے، جس کی رہائش سوئٹزرلینڈ میں ہو، جس کا کاروبار امریکا اور پیرس میں ہو جس نے تبدیلی آب و ہوا کے لیے وینس کی کسی آبی شاہراہ کے کنارے ایک خوب صورت کوٹھی بنوا رکھی ہو۔ تمہارے پاس تو یہ سب کچھ نہیں ہے شہر یار۔ تم مجھے کس طرح خوش رکھ سکو گے، میرے خواب کیسے پورے کرو گے؟''

''میں بھی تمہارے لیے یہی سب کچھ چاہتا ہوں میکشاں، لیکن بدقسمتی میرے وسائل محدود ہیں، لیکن میری جان کیا میری محبت تمہارے لیے کافی نہیں ہے، کیا تم مجھ سے پیار نہیں کرتیں؟''

''اگر میں تمہیں نہ چاہتی شہر یار تو تم سے منگنی پر کیسے راضی ہو جاتی، سچ پانو تو یہ تمہاری محبت ہی تھی جس کی وجہ سے میں نے تمہیں جیسے ہو اور جس حال میں ہو قبول کر لیا تھا۔''

''تو پھر فکر مند کیوں ہو میری روح، ہم شادی کرنے کے بعد کچھ وقت باہر گزاریں گے، پر فضا اور پر سکون مقام پر [illegible] ہے۔ وہاں ہمارا ذہن گزارا ہو گا، ہمیں سوچنے کے بہتر مواقع میسر ہوں گے اور ہم بہتر طور پر مستقبل کے بارے میں سوچ سکیں گے۔''

''تم مستقبل میں مستقبل بنانے کی باتیں کرتے ہو شہر یار، حالانکہ ہمیشہ حال میں مستقبل کے بارے میں سوچا جاتا ہے۔''

''تو پھر تم کیا چاہتی ہو۔'' شہر یار جھنجلا کر کہتا۔

''یہی کہ تم جدوجہد کرو، کچھ کرو، کچھ سوچو اور وہ سب کچھ کر ڈالو جو میری خواہش ہے۔''

''صرف سوچنے سے کچھ نہیں ہوتا میکشاں، راستے سامنے ہونے چاہئیں۔''

''تو تم راستے تلاش کرو۔''

''کہاں تلاش کروں، تمہیں معلوم نہیں میں دن رات اسی فکر میں غلطاں رہتا ہوں۔''

''اس کا مطلب ہے تمہاری ذہنی صلاحیتیں محدود ہیں؟''

''یونہی سمجھ لو۔'' شہر یار جھنجلا اٹھتا۔

''اوہ۔ معاف کرنا شہر یار، تمہاری دل آزاری مقصود نہیں تھی۔''

میکشاں کو ایک دم شہر یار کی جھنجلاہٹ کا احساس ہو جاتا اور پھر یہ جھنجلاہٹ میکشاں کے ہونٹوں کا ایک رس بھرا بوسہ ہی دور کرتا تھا۔

☆☆☆

تو اس دن وہ دونوں آقائے محمودی کے ہاں دعوت میں شریک تھے، صرف وہ دونوں نہیں بلکہ ان کے والدین بھی اس دعوت میں موجود تھے، بلکہ دعوت ہی انہیں دی گئی تھی معہ اہل و عیال موجود تھے۔ بستی کے تقریباً سارے ہی معززین جمع تھے، آقائے محمودی کی صاحب زادی نے طویل علالت سے نجات پائی تھی اور یہ اس کی رسم صحت تھی، چاروں طرف قہقہے فضا میں پرواز کر رہے تھے، گلاس کھنک رہے تھے، ویسے بے شمار حسین آنکھیں شہر یار کے گرد رقصاں تھیں، بے شمار بھوکی نگاہیں میکشاں کے حسین

رخساروں پر پھیل رہی تھیں، دونوں قسم کی آنکھوں میں رقابت تھی، کچھ شہریار سے برگشتہ تھیں اور کچھ میکشاں سے...... ایسی بھی تھیں جو اس حسین جوڑے کو تحسین آمیز انداز میں دیکھ رہی تھیں۔ ان کی درازی عمر کی دعا کر رہی تھیں، سوچ رہی تھیں کہ بلاشبہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ شہریار نہ ہوتا تو میکشاں کا حسن تنہا ہوتا اور میکشاں نہ ہوتی تو شہریار کی وجاہت بیکار تھی، یوں یہ جوڑا ہر تقریب میں مقبولیت رکھتا تھا۔ چونکہ دونوں کی نسبت ہو گئی تھی، اس لیے ان کے یکجا ہونے پر کسی کو کوئی اعتراض بھی نہیں تھا۔ چنانچہ اس وقت بھی چند لڑکوں اور لڑکیوں کے جھرمٹ میں وہ دونوں بھی بیٹھے ہوئے تھے، ہر شخص اپنے طور پر مصروف تھا، تقریباً سارے مہمان آ چکے تھے۔

لیکن نہیں، بڑے ہال کے دروازے میں ایک اور آنے والا نظر آیا، اور یقیناً وہ ایسی ہی شخصیت تھی کہ ایک لمحے کے لیے ہال میں آوازوں کی گنگناہٹ ختم ہو گئی، سب آنے والے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ یہ ایک تنومند اور کسرتی جسم کا مالک شخص تھا، جسم پر بھورے رنگ کی جیکٹ تھی اور اسی رنگ کی چست پتلون پہنے ہوئے تھا، جیکٹ کے کھلے ہوئے بٹن کی وجہ سے اس کے سینے کا اوپر کا حصہ نظر آ رہا تھا جو آگے سے کافی ابھرا ہوا تھا، اس کے سڈول بازو اور موٹی پنڈلیاں بھی نمایاں تھیں، مجموعی حیثیت سے اس کا حلیہ امریکن گوالوں کا سا تھا، جس کی رہی سہی کسر اس کا عجیب ساخت کا ہیٹ اور کمر سے لٹکا ہوا قدیم طرز کا لمبی ناک والا پستول پوری کر دیتا تھا۔

''آخاہ...... ہشام بعدی، میرے آنے والوں میں تمہارا نام سرفہرست ہے، اس لیے ہمیں تمہارے اس وقت پہنچنے سے حیرت نہیں ہوئی ہے۔'' آقائے محمودی نے اس کے استقبال کے لیے اٹھتے ہوئے کہا۔

''میرے اصول آقائے محمودی، کیا مہمانوں میں آخری آدمی آ گیا؟''

''ہاں اور وہ تم ہی ہو۔''

''اوہ، بہرحال آپ کو یہ سن کر خوشی ہو گی آقائے محمودی، کہ میں نے دیر کے یہ لمحات بھی فلاح کے کام پر صرف کیے ہیں۔''

''میں جانتا ہوں تم بااصول انسان ہو۔'' آقائے محمودی نے کہا اور وہ ان کے ساتھ چلتا ہوا دوسرے لوگوں کے پاس پہنچا ان کے قریب پہنچ کر وہ جھکا اور پھر ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے لگا۔

''کسے تلاش کر رہے ہو ہشام؟'' آقائے محمودی نے پوچھا۔

''ہسابینا کو جس کی صحت پر میں اسے مبارک باد دوں گا۔''

''اوہ، وہ سامنے موجود ہے۔'' آقائے محمودی نے لڑکے اور لڑکیوں کے ایک جھرمٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور ہشام بعدی اس طرف بڑھ گیا، لڑکے اور لڑکیاں سنبھل کر بیٹھ گئے، بہرحال وہ ایک بڑے آدمی سے ہم کلام ہونے جا رہے تھے۔

''گو بیماری جسمانی اعضاء کی اوور ہالنگ کا کام دیتی ہے، ایک بار بیمار ہونے سے بہت سے اجزاء جو زنگ خوردہ ہو گئے ہوتے ہیں پھر سے نکھر آتے ہیں، تاہم اسے برا سمجھا جاتا ہے کیونکہ یہ انسان کو تکلیف میں مبتلا کر دیتی ہے، چنانچہ اس تکلیف سے نجات پانے پر میری طرف سے مبارک باد قبول کر ہسابینا۔''

''شکریہ ہشام۔'' ہسابینا نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کے لیے ایک سیٹ مہیا کر دی۔

''نہیں شکریہ، میں اپنے ہم عصروں میں بیٹھوں گا۔''

''لیکن تمہاری باتیں ہمارے لیے بھی دلچسپ ہوتی ہیں، ہم تمہارے ساتھ کمپنی چاہتے تھے۔''

''ان لوگوں کے پاس کچھ وقت گزارنے کے بعد۔'' ہشام بعدی بولا۔

''اوہ، ہم انتظار کریں گے۔''

''میں وعدہ ایفاء کروں گا۔'' ہشام جھکا اور پھر

ان لوگوں کی طرف واپس چلا گیا، نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اسے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے اور پھر جب وہ آقائے محمودی کے نزدیک ایک کرسی پر بیٹھ گیا تو نوجوان فریدی نے کہا۔

”یہ شخص بھی درحقیقت بے حد پراسرار شخصیت کا انسان ہے۔“

”اور دلکش بھی۔“ ایک لڑکی نے تبصرہ کیا۔

”لیکن نجانے کیوں اس نے خود پر بزرگی مسلط کرلی ہے، میرے خیال میں اس کی عمر چالیس سال سے کسی طرح زیادہ نہیں ہے۔“

”اس سے زیادہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“

”اور پھر ابھی کنوارہ بھی ہے۔“

”ہاں لیکن وہ خود کو نوجوانوں کی عمر سے دور کا سمجھتا ہے اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ اس کے جسم میں کوئی بوڑھی روح حلول کر گئی ہے۔“ ایک نوجوان نے ہشام کے تذکرے سے بیزار ہو کر کہا۔

”بوڑھی روح کسی طور نہیں کہی جاسکتی، اس کے عزائم نوجوانوں سے زیادہ بلند ہیں۔“ ایک لڑکی نے اس کی طرف داری کی۔

”اور اس نے بلاشبہ عام نوجوانوں سے کہیں زیادہ جوانمردی کا ثبوت دیا ہے، اس کی داستان حیات نوجوانوں کے لیے سبق ہے۔“ دوسری لڑکی نے کہا۔

”بے شک بے شک......“ بہت سی آوازوں نے تائید کی۔

”اس کا مطلب ہے کہ وہ بستی کی دوسری مقبول ترین شخصیت ہے، میرا مطلب ہے مردوں میں۔“

”بلکہ ایک لحاظ سے پہلی۔“

”وہ کس طرح؟“

”پہلی شخصیت تمہارے خیال میں شہریار کی ہوگی۔“

”یقیناً اس سے کسے انکار ہے۔“

”بلاشبہ شہریار ایک خوب صورت نوجوان ہے، لیکن وہ اعلا صفات کا مالک نہیں ہے۔ قدرت نے اسے حسن بخش دیا ہے اس میں اس کا کوئی کمال نہیں ہے۔ دوسرے معاملات میں وہ صفر ہے۔ جبکہ ہشام بعدی مردانہ جدوجہد کی ایک اعلا مثال ہے۔“

”اس میں کوئی شک نہیں ہے۔“ لڑکیوں نے تائید کی۔

اور بلاشبہ اس میں کوئی شک نہیں تھا ہشام بعدی عجیب و غریب شخصیت کا مالک تھا، اس کا باپ نعمان بعدی ایک بہت بڑا سیاح تھا، اس نے تقریباً ساری دنیا چھان ماری تھی، ایک رات وہ ایسے وقت اس بستی میں داخل ہوا تھا جب سخت برف باری ہو رہی تھی، اس کے ساتھ اس کی بیمار بیوی ننھا سا بچہ تھا، اس کے ساتھ خچر بھی تھے جن پر نجانے کیا سامان لدا ہوا تھا، لیکن بعد میں وہ سامان اس کے ساتھ نہیں دیکھا گیا۔ البتہ دوسری صبح اس نے بستی والوں سے ملاقات کی تھی۔

بستی میں اسے ایک مکان فراہم کردیا گیا، جس کی قیمت اس نے خالص سونے سے ادا کی تھی۔ اس کے علاوہ اس نے لوگوں کو دوست بنانے کے لیے انہیں سونا پیش کیا تھا جس سے یہ اندازہ لگایا گیا کہ وہ بے حد مالدار شخص ہے۔ لیکن وہ اپنی بیوی کی حالت سے سخت پریشان تھا، نجانے کیوں وہ شہر جاکر اس کا علاج کرانا پسند نہیں کرتا تھا، بہرحال کچھ ہفتوں کے بعد اس کی بیوی مرگئی اور غم زدہ نعمان بعدی نیم پاگل سا ہوگیا۔ اس نے اپنی زندگی کے دس سال اسی کیفیت میں گزارے اور پھر خاموشی سے مرگیا، کسی کو نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں سے آیا، کہاں رہتا تھا، لیکن بستی والوں پر اب اسے بچے کی پرورش کا بوجھ آپڑا تھا۔

ہشام بعدی بے حد ذہین اور ہونہار تھا، بہت جلد اس نے تعلیم حاصل کی، بچہ تھا لیکن بے حد خود دار، اس نے گھر کی ایک ایک چیز فروخت کرکے اپنا خرچ چلایا اور کسی سے کچھ لینے دینے کے معاملے میں وہ بے حد سنجیدہ تھا، بزرگ تک اسے بزرگی کے رعب میں لے کر اس پر کوئی احسان کرنے کی جرات

اس کے بارے میں پتا چلا کہ وہ ایک عظیم مہم جو تھا، خزانوں کی تلاش اس کی زندگی کا مقصد تھا اور انتہائی باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ اس نے ایک عظیم خزانہ حاصل کرلیا تھا اور اسے لے کر ہی اس بستی میں آیا تھا، لیکن خزانہ کہاں گیا اس بارے میں کسی کو کچھ نہیں معلوم ہوسکا۔

ہشام بعدی بہت چھوٹا تھا، چند لوگوں نے اس سے خزانے کے بارے میں معلومات بھی حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے اس سے ناواقفیت کا اظہار کردیا۔ وقت گزرتا رہا، ہشام بعدی نے بھی دوسرے لوگوں کی طرف کاشت کاری شروع کردی، وہ بھی سبزی اور ترکاری کا تاجر بن گیا، وہ کافی محنتی تھا، لوگ اس کی عزت کرنے لگے۔ اس وقت ہشام بعدی کی عمر تقریباً انتیس سال تھی جب بستی زلزلے کا شکار ہوئی، بے شمار لوگ مرگئے بے شمار زخمی ہوئے بہت سے بے گھر ہوگئے۔ ہشام نے جو کچھ تھا دوسروں کو دے دیا۔ لیکن قیامت خیز زلزلے نے صرف اسی بستی کو متاثر نہیں کیا تھا بلکہ بے شمار گاؤں بے شمار شہر اس کا شکار ہوئے تھے۔ حکومت حتی الامکان اپنے وسائل سے کام لے رہی تھی، لیکن وہ کہاں تک پورا کرتی۔ تب اس نے لوگوں سے درخواست کی کہ وہ اپنی مدد آپ کریں۔

اس بستی کے بے گھر لوگوں کے لیے گھروں کی ضرورت تھی، بیماروں کے لیے ہسپتال کی ضرورت تھی۔ بستی کے مخیّر حضرات نے حسب توفیق دیا لیکن وہ اتنا بھی نہ تھا کہ چند مکان تعمیر ہوجاتے، تب ایک شام ہشام بعدی بستی کے سب سے معمر شخص سے ملا اور اس نے ایک انوکھی بات کہی۔

''محترم بزرگ میں بستی کی تعمیر کے لیے ایک بڑا سرمایہ دینے کو تیار ہوں۔''

''تم ہشام بعدی تم، لیکن تمہارے پاس کیا ہے؟''

''آپ کو علم ہوگا کہ میرے باپ کے نام سے

''خزانہ ہاں وہ کہانی میں نے بھی سنی تھی۔''

''وہ کہانی نہیں حقیقت ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''ایک عظیم خزانہ میرے علم میں یہ جو میرے باپ کی ملکیت تھا اور اب میری ملکیت ہے، میں اس خزانے میں سے کچھ آپ کے حوالے کرنے کو تیار ہوں، تاکہ بستی تعمیر ہوسکے، ہسپتال بن سکے، میرے خیال میں خزانے کے ایک معمولی حصے کا وہ جائز استعمال ہوگا۔''

''لیکن ہشام بیٹے، کیا وہ خزانہ اتفاقیہ طور پر تمہارے علم میں آگیا ہے؟''

''نہیں مرتے وقت میرے باپ نے مجھے اس کے بارے میں بتایا تھا، لوگوں نے مجھ سے طرح طرح سے اس کے بارے میں پوچھا، لیکن میں لاعلمی کا اظہار کرتا رہا کہ وہی میرے لیے بہتر تھا کیونکہ میں کمزور تھا، کم عقل تھا، اگر میں خزانے کا اعتراف کرلیتا تو لوگ اسے حاصل کرنے میں کوشاں ہوجاتے، اب میں مضبوط ہوں، اس کی حفاظت کرسکتا ہوں، اس لیے اب اس کی تشہیر سے بھی مجھے خوف نہیں ہے۔''

''لیکن، لیکن کیا تم درست کہہ رہے ہو؟'' بوڑھے نے حیرت سے کہا۔

''آپ جانتے ہیں میں جھوٹ نہیں بولتا۔''

''تو پھر تم نے اب تک اس خزانے کو استعمال کیوں نہیں کیا؟''

''میرا ایک نظریہ ہے، اس کے بارے میں پھر کبھی بتادوں گا۔''

''لیکن بیٹے، جب تم خزانے کا وہ حصہ لے آؤ گے، تب میں لوگوں کو اس کے بارے میں بتاؤں گا، ممکن ہے خود میرا مذاق بن کررہ جائے۔''

اور جب ہشام بعدی نے چمڑے کی لاتعداد تھیلیاں جو تمام اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیں، بوڑھے کے سامنے رکھیں تو وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچا، اس کی مسرت کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔

''آہ، اس سے تو ایک حسین بستی تعمیر ہو جائے گی۔'' اس نے کہا۔

''کیا یہ پورا خزانہ ہے؟''

''اس عظیم خزانے کا ایک حصہ جس سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔'' ہشام بعدی نے کہا اور بوڑھا خوشی سے ناچنے لگا۔

تب نیک دل بوڑھے نے ایک ایک پائی بستی کی تعمیر پر خرچ کردی اور بلاشبہ نئی تعمیر ہونے والی بستی پرانی بستی سے کہیں زیادہ خوب صورت تھی۔ اس کے ساتھ ہی ہشام بعدی لوگوں کی نگاہوں میں ایک پراسرار شخصیت بن گیا۔ لوگوں نے طرح طرح سے اس کے قریب آنے کی کوشش کی، اسے طرح طرح سے پھسلانے کی کوشش کی، اس سے خزانے کے بارے میں معلوم کیا، لیکن اب ہشام بعدی کے پاس ایک لمبا اور پرانی ساخت کا پستول نظر آنے لگا تھا اور اس نے لوگوں سے کہا۔

''ہاں خزانے کے بارے میں ساری اطلاعات درست ہیں، میں جانتا ہوں وہ کہاں ہے، میں نے اس میں سے صرف وہ لیا تھا جو بستی کی تعمیر میں کام آیا اور اس خزانے سے اپنے لیے میں نے یہ پستول حاصل کیا ہے تاکہ یہ خزانے کی حفاظت کے سلسلے میں استعمال ہو سکے اس کے علاوہ وہ سارے کا سارا خزانہ جوں کا توں محفوظ ہے۔''

بہرحال اس کے بعد کی زندگی بھی ہنگاموں سے پر تھی، ہشام کو اغواء کرنے کی کوشش کی گئی، لیکن وہ بے حد توانا اور نڈر انسان تھا، اس کے دشمن زخمی ہو کر بھاگ نکلے اور ہشام بعدی کا کوئی کچھ نہ بگاڑ سکا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ ہشام بعدی مضبوط ہونے کے بعد خزانہ نکالے گا اور پھر نہ صرف بستی میں بلکہ دور دور تک علاقوں میں اس سے زیادہ مالدار شخص نہ ہوگا، لیکن طویل عرصہ گزر گیا، ایسا نہ ہوا، ہشام بعدی بدستور کام کرتا رہا، ہاں اس کے بعد حالات بدل گئے، نزدیک کے علاقے میں تیل نکل آیا، بستی کے بہت سے نوجوان تیل کے چشموں پر کام کرنے لگے اور ہشام بعدی بھی وہیں ملازم ہو گیا لیکن دیکھتے ہی دیکھتے ہشام بعدی کہیں سے کہیں پہنچ گیا، اب وہ تیل تلاش کرنے والے ماہرین کی جماعت میں شامل تھا اور دور دور کے دورے کرنے لگا تھا، اسے انتہائی معقول تنخواہ ملتی تھی جس سے بستی میں اس نے عمدہ سا مکان تعمیر کرا لیا تھا۔

لوگ جانتے تھے کہ ہشام بعد قصبہ کا امیر ترین آدمی ہے۔ سب کی حیثیت اس کے سامنے ہیچ ہے۔ لیکن ہشام اسی طرح خوش اخلاق اور ملنسار تھا، اس نے اپنی امارت کا رعب کبھی نہیں گانٹھا تھا، اس کے علاوہ وہ صرف اپنی حلال کمائی ہی خرچ کرتا تھا، لیکن یہ بھی اتنی تھی کہ وہ مال دار لوگوں کے انداز میں زندگی بسر کرتا تھا۔

اس تقریب میں شہریار نے ہشام بعدی پر نظر ڈالی، اس وقت بھی وہ نزدیک بیٹھی میکشاں کے بارے میں سوچ رہا تھا، اسے تشویش تھی کہ میکشاں کے خواب وہ کیسے پورے کر سکے گا اور ہشام بعدی پر نگاہ ڈالنے کے بعد ایک خیال اس کے ذہن میں آیا تھا اور اس کے خیال سے شہریار کا دل دھک سے اڑ گیا تھا، اس نے بے چین نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا، کوئی اس کے خیالات کو پڑھ تو نہیں رہا ہے۔

لیکن خیالات کو کون پڑھ سکتا ہے، میکشاں بھی نہیں اور میکشاں تو اس وقت دوسری طرف جھکی ہوئی اپنی کچھ دوستوں سے گفتگو کر رہی تھی۔ تب شہریار کو اس انوکھے خیال پر سوچنے کا موقع مل گیا، اس نے اس بھری محفل میں خود کو تنہا محسوس کر کے سوچنا شروع کر دیا۔ وہ اپنے پروگرام پر خوب غور کرتا رہا، اتفاق سے اس دوران اسے کسی نے ٹوکا بھی نہیں۔ کون ہے جو میکشاں کے حسن سے متاثر نہیں ہے، بڑے بڑے معززین اس کے قرب کے خواہاں ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ سب کے سب یہ سمجھ بیٹھے ہوں کہ شہریار کے سامنے کسی کی دال نہیں گل سکتی، کیونکہ شہریار خود میکشاں کی پسند ہے۔ لیکن اگر خود میکشاں

کی سے اظہار عشق کرے تو، تو کیا وہ بھٹک نہ جائے گا، یقیناً بھٹک جائے گا۔ اور وہ بھٹکنے والا شخص ہشام بعدی بھی ہوسکتا ہے۔ یقیناً وہ ہشام بعدی بھی ہوسکتا ہے، یقیناً وہ ہشام بعدی بھی ہوسکتا ہے، یقیناً وہ ہشام بعدی...... اس کا ذہن ایک ہی گردان کیے جا رہا تھا، اس کا دماغ گھومنے لگا، اس کی آنکھیں ہشام بعدی پر جمی ہوئی تھیں اور ذہن خلاؤں میں بھٹک رہا تھا۔

آقائے محمودی کے یہاں ہونے والی اس تقریب میں شہریار نے ایک انوکھا پروگرام بنایا اور یہ حقیقت تھی کہ وہ پروگرام پر عمل کرنے کے لیے سنجیدہ تھا۔ گویا پروگرام اس کے ذہن میں مضبوط ہوگیا تھا۔ اب صرف اس کے دوسرے تانے بانے درست کرنے کی ضرورت تھی۔ اور پھر میکشاں نے ہی اس کے خیالات کا تسلسل توڑا۔

''شہریار۔''

''ہوں......'' وہ چونک پڑا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟''

''کچھ نہیں میکشاں۔''

''اس انوکھے ں کو دیکھا۔''

''ہشام بعدی۔'' شہریار کے منہ سے نکلا۔

''ہاں اسی کی بات کررہی ہوں۔''

''بے شک وہ انوکھا ہے۔''

''انوکھا اور پراسرار...... نجانے اس شخص میں کیا کشش ہے شاید یہ اس کی شخصیت سے منسوب روایات کا نتیجہ ہے کہ لڑکیاں اس کی جانب زیادہ متوجہ ہوتی ہیں۔''

''ہاں اس نے بہرحال اپنے بدن پر سونے کا رنگ خوب چڑھایا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''ملمع سمجھتی ہونا، سفید اور بھدی چیز کو سونے کی مانند چمکا دیتا ہے۔''

''اوہ، تو تمہارا خیال ہے شہریار کہ وہ خزانے کے بارے میں جھوٹ بولتا ہے۔''

''عقل یہی دلیل دیتی ہے میکشاں ورنہ ایک اتنا دولت مند انسان اس طرح ملازمت کیوں کرتا پھرے گا، تم خود غور کرو، اس کی شخصیت میں کیا کشش ہے، بیکار سا بے ڈھنگا، میرا خیال ہے عام حالات میں کوئی اس کے نزدیک چند لمحات بھی گزارنا پسند نہیں کرے گا اور یقیناً میکشاں اسے اپنی کمی کا احساس تھا تب اس نے اس بارے میں سوچا ہوگا۔ ہاں وہ ذہین ہے، اس نے اپنی ذہانت سے ایسا پروگرام مرتب کیا کہ بہرحال وہ نگاہوں میں ایک مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔''

''مجھے تمہاری رائے سے اختلاف ہے شہریار۔''

''کیوں؟''

''تم بھول رہے ہو اس نے بستی کی تعمیر کے لیے اتنا بڑا سرمایہ دیا تھا کہ پوری بستی پھر سے آباد ہوگئی، ورنہ لوگ برے حال میں ہوتے۔''

''یہ واقعہ میرے لیے حیرت انگیز ہے، لیکن تم انسان کی نفسیات کو نہیں سمجھتیں میکشاں، انسان بڑی عجیب چیز ہے، مجھے تو صرف یہ حیرت ہے کہ اس اتنی بڑی چوری کا آج تک کوئی تذکرہ نہیں ہوا۔''

''چوری......'' میکشاں شدید حیرت سے بولی۔

''میں انسانی نفسیات کے بارے میں کہہ رہا تھا، کیا یہ بات ناممکنات میں سے ہے میکشاں کہ اس نے بستی میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے کوئی بڑا ڈاکا ڈالا ہو اور......''

''شہریار، تمہاری سوچ اتنی گھٹیا نہیں ہونی چاہیے، تم بچوں کے سے انداز میں ہوائی قلعے بنا رہے ہو، وہ چوری ہرگز نہیں تھی، حکومت اتنی احمق تو نہیں ہے، اس کی خدمات کا بہرحال اعتراف کیا گیا ہے۔''

شہریار ایک لمحے کے لیے چڑ گیا، پھر اسے اپنے پروگرام کا خیال آیا، پھر اس نے سوچا کہ اسے براہ راست ہشام بعدی کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے، ہاں اس گفتگو میں ہی کوئی کام کی بات نکل آئے تو زیادہ بہتر ہے، چنانچہ وہ ہنس پڑا۔

''ہاں میں ابھی بچہ ہوں میکشاں، بعض اوقات تو میرا دل چاہتا ہے کہ معصومانہ گفتگو کروں۔''
''میں جانتی تھی کہ تم شرارت کر رہے ہو، آؤ اس سے گفتگو کریں۔'' میکشاں نے کہا اور شہریار جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا، یہ موقع عمدہ تھا ممکن ہے اس کے پروگرام کا پہلا مرحلہ یہاں مکمل ہو جائے۔ چنانچہ وہ دونوں اٹھ کر ہشام بعدی کی طرف چل پڑے جہاں وہ حسب معمول نوجوانوں کے جھرمٹ میں بیٹھا دلچسپ گفتگو کر رہا تھا، یوں بھی وہ عمدہ گفتگو کرنے والوں میں شمار ہوتا تھا۔
''آ خاہ ...... آ گئے جن کے آنے سے رنگ پھیکے پڑ جاتے ہیں جو ذہنوں میں انتشار برپا کرتے ہیں، آؤ حسین لوگو، آؤ میں تمہیں تمہارے حسن کے دائم رہنے کی قیمتی دعا دیتا ہوں۔''
''شکریہ ہشام بعدی۔'' دونوں نے بیک وقت کہا اور پھر کرسیاں گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔
''کیا موضوع ہے۔'' شہریار نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
''بات تیل کے کنوؤں کی ہو رہی تھی، لیکن میں اسے ختم کرنا چاہتا تھا کیونکہ میں حسین چہروں پر بیزاری کے آثار دیکھ رہا تھا، ظاہر ہے ان حسین لڑکیوں کو تیل کے کنوؤں کی کھدائی سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔'' ہشام نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''یقیناً موضوع بدل دیا جائے۔'' شہریار نے کہا۔
''اور نیا موضوع شہریار ہوگا۔'' ہشام بعدی نے کہا۔
''میرا خیال ہے میرے موضوع میں کوئی نئی بات نہیں ہوگی، میرے بارے میں ساری باتیں کی جا چکی ہیں۔''
''لیکن تمہاری شخصیت اتنی پرکشش ہے کہ اس کے بارے میں جتنی بار گفتگو کر لی جائے بیزاری نہیں ہوتی۔''
''میرے بارے میں ضرور گفتگو کرو ہشام، لیکن ایک شرط ہے۔''
''وہ کیا؟''
''اس کے بعد تمہارے بارے میں گفتگو ہو گی۔''
''مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے دوستو! اجازت ہے، شرط منظور ہے۔''
''تو گفتگو کا آغاز ہو جائے۔'' شہریار نے کہا۔
''میرا پہلا سوال۔'' ہشام نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''مس میکشاں! آپ دونوں کو الگ نہیں تصور کیا جا سکتا، اس لیے اگر ذکر شہریار ہو تو ذکر میکشاں اس میں شامل ہوتا ہے۔''
''میں سمجھتی ہوں۔'' میکشاں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''تو پہلا سوال یہ ہے کہ کیا آپ نے آپ دونوں نے اپنی پسند اپنی چاہت کا کوئی اوزان مقرر کیا، کیا کبھی اس انداز میں سوچا گیا کہ شہریار میکشاں کو زیادہ چاہتا ہے یا میکشاں شہریار کو۔''
''واہ ......'' دوسرے لوگوں نے بے ساختہ داد دی اور پھر ایک شخص شہریار سے بولا۔
''تمہارا دعوا تھا شہریار کہ تمہارے بارے میں کوئی نئی بات نہیں کہی جا سکتی لیکن کیا تم ہشام کے اس سوال کو پرانا کہہ سکتے ہو؟''
''نہیں یہ نیا اور انوکھا سوال ہے؟'' شہریار نے اعتراف کیا۔
''شکریہ شہریار، اس کا جواب آپ دونوں میں سے کوئی دے سکتا ہے؟''
''میں جواب دوں گی۔'' میکشاں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ''شہریار میرے منگیتر ہیں، میں انہیں چاہتی ہوں، یہ مجھے چاہتے ہیں، ہم نے چاہت کا ایک معیار مقرر کیا اور اپنے طور پر دوسرے کو اس پر پرکھا تو پتا چلا کہ ترازو کے دونوں پلڑے برابر ہیں، کسی کا جھکاؤ کسی سمت نہیں ہے، چنانچہ جب محبت کا اوزان درست نکلا تو ہم مطمئن ہو گئے، اس کے بعد کسی کی

طرف سے ایسی کوئی بات نہیں ہوتی جس سے دوسرے کو اپنی چاہت کا وزن کرنا پڑتا، گویا یہ موضوع ہی ختم ہو گیا، کیونکہ ہم دونوں ایک دوسرے کی محبت سے مطمئن ہیں۔"

"میں اس جواب کی داد دوں گا، بے شک بڑی ذہانت سے بہت بڑے مسئلے کو بے اثر بنا دیا گیا، دوسرا سوال خالص شہریار سے ہے، کیا شہریار جواب دیں گے؟"

"ضرور۔" شہریار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میکشاں بے حد حسین ہے، حسن عبادت چاہتا ہے، حسن حفاظت چاہتا ہے حسن کی پیشانی کی ایک لکیر ایک بڑا الزام بن سکتی ہے، شہریار کیا تم خود کو مکمل انسان سمجھتے ہو، کیا تم میکشاں کی بھرپور حفاظت کر سکتے ہو، کیا تم اس کی پیشانی پر کسی لکیر کے جرم کے مرتکب ہو گے؟"

بڑا بھیانک سوال تھا شہریار چکرا گیا، سمجھ گیا تھا کہ ہشام بعدی نے زبردست وار کیا ہے، اس کا مناسب جواب دینا ضروری ہے، چند لمحات الجھا رہا، پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"میکشاں میرے اوپر بھروسا کرتی ہے۔"

"جواب نامکمل ہے، کیا تم بھی خود پر بھروسا کرتے ہو؟"

"ہاں میکشاں کو خوش رکھنے کے لیے میں سب کچھ کر سکتا ہوں۔"

"سب کچھ۔"

"ہاں سب کچھ۔"

"جواب گو نامکمل ہے، تاہم مذاق میں کوئی حادثہ نہ ہو جائے، چنانچہ میں میکشاں سے ایک سوال کر کے اپنے سوالات ختم کرتا ہوں۔" ہشام نے کہا اور میکشاں مسکرانے لگی۔

"میکشاں ...... کیا تمہیں شہریار پر بھروسا ہے، مکمل بھروسا...... کیا تم اس کی بیوی کی حیثیت سے مطمئن رہو گی؟"

"شہریار ایک اولوالعزم انسان ہے، میں جانتی ہوں یہ سب کچھ کر سکتے ہیں؟" میکشاں نے جواب دیا۔

شہریار جو ہشام کے سوال سے الجھ گیا تھا خود کو اس بھنور سے نکالنے میں کوشاں تھا، تاکہ ہشام سے اپنے سوالات کر سکے، اس نے میکشاں کے جواب پر بھی غور نہیں کیا تھا، لوگ ہنسنے اور مسکرانے لگے۔

"اب تمہاری باری ہے۔" ہشام نے کہا۔

"ہاں۔" شہریار خود کو یکسو کرتے ہوئے بولا...... "تو مسٹر ہشام بعدی آپ کے بارے میں سب سے دلکش سوال جو ہے وہ یہی ہے، میرا خیال ہے میرے دوست سمجھ گئے ہوں گے۔"

"لیکن سوال دلچسپ ہونا ضروری ہے۔" ایک نوجوان نے کہا اور دوسروں نے اس کی تائید کی۔

"ہشام تمہاری عمر کیا ہے؟"

"میری بستی کے بزرگوں کے حساب سے اڑتیس سال۔"

"اور تمہارے حساب سے؟"

"مجھے بزرگوں پر بھروسا ہے۔"

"کیا یہ جوانی کی عمر کہلاتی ہے؟"

"نہیں...... اس میں سے تیس سال نکال دو، باقی آٹھ سال تجربات کے سال ہیں، مجھے دنیا کا آٹھ سالہ تجربہ ہے گویا بڑھاپے کی ابتداء کو آٹھ سال گزر چکے ہیں۔" ہشام نے کہا۔

"کیا ان آٹھ سالہ تجربات میں کوئی خاص بات شامل ہے؟"

"بہت سی خاص باتیں۔"

"ہمیں معلوم ہو سکیں گی؟"

"یہ باتیں کسی کو بتائی نہیں جاتیں، اس سلسلہ میں سب کے ذاتی تجربات ہوتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، لیکن مسٹر ہشام جوانی کی عمر اور تجربات کی عمر میں کیا کبھی آپ نے اپنے مستقبل کا فیصلہ کیا؟"

"مستقبل...... ایک سنہری دھوکا ہے، اس کی کوئی شکل نہیں ہوتی، انسان بڑی ناپائیدار شئے ہے،

وہ مستقبل پر بھروسا کر کے بڑے حماقت کرتا ہے، جو کچھ ہے حال ہے صرف حال۔“

”میرا مطلب کچھ اور ہے۔“

”یا تو تم بیان نہیں کر پا رہے یا تکلف کر رہے ہو۔“

”ہاں ایسی ہی بات ہے، میری مراد کسی لڑکی سے تھی۔“

”لڑکی......“

”ہاں وہ لڑکی جو تمہارے دل کے دروازوں پر دستک دیتی، جو تمہیں اپنے بارے میں غور کرنے پر مجبور کر دیتی۔“

”عورت آدم کی ضرورت تھی۔ میری ضرورت ہے میں اس ضرورت سے منکر نہیں ہوں۔ لیکن میری فطرت مجھے تلاش پر آمادہ نہیں کرتی۔ ہاں اگر کوئی عورت میری زندگی میں داخل ہوئی، میں نے اس کی صفات قبول کر لیں تو میں اسے اپنا لوں گا۔“

”گویا کوئی عورت تمہیں متاثر نہیں کر سکی، کوئی تمہارے معیار پر پوری نہیں اتری۔“

”تمہارا تجزیہ غلط ہے شہریار، میں بتا چکا ہوں کہ عورت میری جستجو نہیں رہی اور کسی عورت نے میرے قریب آنے کی کوشش نہیں کی، مجھے انتظار ہے، انتظار رہے گا ممکن ہے آخری سانس تک۔“

”حالانکہ تم عورت کے لیے بہت دلکش ہو۔“

”اگر یہ میرا مذاق ہے تب بھی میں برا نہیں مانوں گا۔“

”میں تمہارے خزانے کی بات کر رہا ہوں۔“

”سونے کی چمک سے محبت کرنے والے شاید مجھے پسند نہ آئیں۔“

”لیکن اگر کوئی عورت تمہیں پسند آجائے اور تم محسوس کر لو کہ وہ تمہارے خزانے کے بجائے صرف تمہیں چاہتی ہے تو زندگی کے کسی موڑ پر تم اپنا خزانہ دے سکتے ہو۔“

”خزانہ میری نگاہوں میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔“

”لیکن اگر تمہاری پسندیدہ عورت اسے طلب کرے۔“

”اگر وہ اس کی ضرورت مند ہوئی تو میں گریز نہ کروں گا، ہاں اس کی خواہشات اگر خود میں پوری کر سکا تو اس سے معذرت کر لوں گا۔“

”آخر تم اس خزانے کا کیا کرو گے؟“

”کچھ نہیں وہ میرے لیے بے کار شے ہے۔“

”کیوں؟“

”میرا باپ اسے نجانے کہاں سے لایا تھا، اس خزانے نے میرے باپ کو کیا دیا، وہ مر گیا اور خزانہ کسی اور کے لیے چھوڑ گیا، میں بھی مر جاؤں گا اور خزانہ کسی اور کے لیے چھوڑ جاؤں گا۔“

”اوہ کوئی اور کیا تمہاری اولاد ہوگی؟“

”ممکن ہے۔“

”ہوں۔“ شہریار خاموش ہو گیا۔

سوالات میں اس کے دل کی سیاہی نمایاں تھی، لیکن اس کا راز ابھی اس کے سینے میں تھا، اس سے کوئی بھی واقف نہیں تھا، اس لیے کسی کو شبہ بھی نہیں ہو سکا، یوں اس محفل کی دلچسپ گفتگو جاری رہی اور پھر رات گئے لوگوں نے آقائے محمودی سے اجازت طلب کی اور اپنے اپنے گھروں کو چل دیے۔

شہریار کئی دن تک اپنے پروگرام پر غور کرتا رہا وہ اس کے ایک ایک پہلو کا جائزہ لے رہا تھا، بات صرف میکشاں کی تھی، یہ شوخ اور اکھڑ لڑکی اس سنجیدگی سے پورا کام کر سکے گی جس کی ضرورت تھی اور آیا وہ شہریار سے اتفاق بھی کرے گی یا نہیں۔ اور...... اگر اس نے شہریار کی بات کو پسند نہ کیا تو بڑی خرابی کی بات ہے، خواہ مخواہ شہریار اس کی نگاہوں میں ذلیل ہو جائے گا، لیکن بہر حال اس خطرے کے پیش نگاہ اتنے عمدہ پروگرام کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ اس نے ایک روز اس سلسلہ میں گفتگو کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

☆☆☆

میکشاں ہر شام پانچ بجے ایک پرفضا مقام پر اس سے ملاقات کرنے آتی تھی۔ وہ اس کا منگیتر تھا ان کی ملاقات پر کوئی پابندی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا، چنانچہ اس شام بھی میکشاں آئی اور شہریار نے حسب معمول ایک پرجوش بوسے سے اس کا استقبال کیا، پھر اس نے پھولوں کے کنج میں میکشاں کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

"تمہاری واپسی کے فوراً بعد سے میں تمہارا انتظار شروع کر دیتا ہوں میکشاں۔"

"کوتاہی ہے تمہاری شہریار۔"

"کیوں؟"

"یہ انتظار ختم کیوں نہیں کر دیتے؟"

"اوہ ...... میکشاں مجھے خدشہ ہے کہ کسی دن اس روح کو اذیت دینے والے تصور سے میں جان نہ کھو بیٹھوں۔"

"کیا تصور شہریار؟"

"یہی کہ ...... یہی کہ ممکن ہے تم میرے ساتھ خوش نہ رہ سکو۔"

"ایسی باتیں کیوں سوچتے ہو شہریار؟"

"میں اس احساس کو دل سے نہیں نکال سکتا میکشاں۔"

"تو اس پر عمل کرنے کے لیے جدوجہد کرو۔"

"میں کیا کروں میکشاں، تم ہی میری مدد کرو۔"

"میں ہر طرح سے تیار ہوں، لیکن سوچنا تمہارا کام ہے۔"

"اگر میں تم سے گری ہوئی بات کروں میکشاں تو تم ناراض ہو جاؤ گی، ممکن ہے تم ہمیشہ کے لیے مجھے نگاہوں سے گرا دو، لیکن اتنا سوچ لو میکشاں میں جو کچھ سوچتا ہوں صرف تمہارے لیے سوچتا ہوں۔"

"میں جانتی ہوں شہریار۔ میں تمہارے اوپر بھروسا کرتی ہوں۔"

"تو میرے ذہن نے ایک پروگرام بنایا ہے میکشاں، میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کے بارے میں تم سے ضرور بات کروں گا، خواہ اس کا نتیجہ کچھ بھی ہو، ہوسکتا ہے یہ شام ہماری ملاقات، ہمارے تعلقات کی آخری شام بن جائے۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہو شہریار؟"

"ہاں میکشاں، ٹوٹے ہوئے دل نے جو کچھ سوچا ہے اس میں تمہاری مدد اور تمہاری پسند کی ضرورت ہے۔"

"بے خوف و خطر بتاؤ شہریار میں تم سے الگ رہ کر نہیں سوچ سکتی۔" میکشاں نے محبت سے اس کی گردن میں بانہیں ڈال دیں۔

"میکشاں ...... میں نے ایک ایسی بات سوچی ہے جو شاید تمہیں پسند نہ ہو۔"

"شہریار، کیا میری محبت کا امتحان لے رہے ہو، کیا مجھے آزمانا چاہتے ہو مجھے ہر وہ بات پسند ہے جو تمہیں پسند ہے۔"

"اچھا میکشاں، تم نے مجھے اس قدر ہمت دلا دی ہے کہ میں بتا رہا ہوں، سنو میں چاہتا ہوں میری خواہش ہے کہ ہشام بعدی کا وہ خزانہ حاصل کرلوں جو بے مقصد پڑا ہوا ہے، وہ نیم پاگل انسان اس خزانے سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا رہا، وہ اسے ضائع کر دے گا۔ تم دیکھ لینا، بالآخر کوئی گروہ کوئی فرد اس اغواء کر لے گا، اسے اذیتیں دے کر ہلاک کر دے گا، اس سے خزانے کا راز معلوم کر لے گا اور کسی کو ہشام کی کہانی معلوم نہ ہو سکے گی، کوئی نہیں جان سکے گا کہ خزانے کا راز کیا تھا، لوگ ہشام کو بھول جائیں گے خزانے کی کہانی بھول جائیں گے، تو ایسی صورت میں ہم وہ خزانہ کیوں نہ حاصل کرلیں میکشاں۔"

شہریار خاموش ہو گیا، میکشاں حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی، وہ سوچ رہی تھی کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ ہشام بعدی خزانے کا راز شہریار کو کیوں بتا دے گا، شہریار اس سے یہ راز کیسے معلوم کر سکے گا اور شہریار اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا، وہ اندازہ

لگا رہا تھا کہ میکشاں پر اس گفتگو کا کیا ردعمل ہوا، وہ ناراض تو نہیں ہوئی، اس کے چہرے پر شہریار کی طرف سے نفرت کے آثار تو نمودار نہیں ہوئے۔ اور وہ کسی قدر مسرور ہوا کیونکہ میکشاں کے چہرے پر نہ تو نفرت کے آثار تھے نہ وہ ناراض معلوم ہوتی تھی۔ البتہ اس کی آنکھوں میں حیرت ضرور تھی، تب شہریار نے کہا۔

''یہ خزانہ ہماری قسمت بدل دے گا میکشاں، ہم خاموشی سے والدین کی رضا سے شادی کر لیں گے، شادی سے قبل میں یہ خزانہ شہر منتقل کر دوں گا۔ اس کے بعد ہم شہر میں نئی زندگی گزارنے کی اجازت طلب کریں گے اور پھر شہر چلے جائیں گے۔ پہلے ہم کرائے پر ایک خوب صورت سا مکان حاصل کریں گے، اس کے بعد اپنی پسند کی کوٹھی بنوائیں گے۔ پھر میں دنیا کو دکھانے کے لیے کوئی کاروبار کروں گا اور پھر کاروبار پر کچھ منتظم مقرر کر کے ہم دنیا کے سفر پر نکل کھڑے ہوں گے۔ میکشاں، ہم پوری دنیا دیکھیں گے پوری دنیا۔''

اور شہریار نے میکشاں کی آنکھوں میں مسرت کے آثار دیکھے، اس کی آنکھیں خوابوں میں ڈوب گئی تھیں، وہ تصور میں نجانے کہاں کہاں کی سیر کر رہی تھی۔ شہریار کو یقین ہو گیا کہ میکشاں سنہری جال میں گرفتار ہو گئی ہے، اس نے سنجیدگی سے شہریار کی باتوں کو سنا ہے اور اس پر کوئی غلط ردعمل نہیں ہوا۔ وہ خوشی سے پھولے نہیں سمایا۔

''کچھ بولو میکشاں، کوئی سوال کرو۔''

''صرف ایک سوال شہریار، صرف ایک سوال۔''

''پوچھو میکشاں، جلدی پوچھو۔''

''کیا یہ سب کچھ اسی طرح ممکن ہے جس طرح ہم سوچ رہے ہیں، کیا یہ سب کچھ اسی طرح ممکن ہے۔''

''بالکل ممکن ہے میکشاں، لیکن اس کے لیے تمہاری مدد درکار ہوگی۔''

''میری مدد۔''

''ہاں یہ سارا کام تمہیں کرنا ہوگا میکشاں۔''

''مجھے؟'' میکشاں گھبرا کر بولی۔

''تمہیں اور صرف تمہیں، میرے لیے میکشاں اپنے شہریار کے لیے۔''

''لیکن میں، میں......''

''میں تمہیں بتاؤں گا میکشاں، میں تمہاری رہنمائی کروں گا، جس طرح میں کہوں کرتی رہو، بس وہی ہوگا جو ہم سوچ رہے ہیں یقیناً وہی ہوگا۔''

''مگر کس طرح شہریار؟''

''میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا میری زندگی، میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا، بس میرے اوپر بھروسا کرو۔'' اور میکشاں شہریار کی حسین آنکھوں میں دیکھنے لگی، شہریار نے اپنی مضبوط بانہوں میں اسے بھینچ لیا۔

☆☆☆

. ابتداء ایک اور محفل سے ہوئی تھی۔ بستی کے لوگ ایک دوسرے کے بغیر کچھ نہیں کرتے تھے، کسی کے ہاں کوئی تقریب ہو، سب شریک ہوتے تھے، وہ ایک شادی کی محفل تھی، حسب معمول سب موجود تھے اور اسی محفل میں شہریار نے ایک نیا گل کھلایا، لڑکیاں تو یونہی اس کی دیوانی تھیں، عالیہ اشک نے اپنی نظم سنائی اور شہریار سرشار ہو گیا۔

''تمہارا تصور عام لڑکیوں سے اجنبی اور اچھوتا ہے عالیہ...... تمہارے الفاظ دل کے تاروں کو جھنجھوڑ دیتے ہیں۔'' شہریار نے ایک عجیب سی بے خودی سے عالیہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''تمہارے دل کے ہر تار سے تو میکشاں کی آواز ابھرتی ہے شہریار۔'' عالیہ نے حسرت سے کہا۔

''لیکن آج تمہاری حسین آواز تمہارے خوب صورت الفاظ نے مجھے الجھا دیا ہے عالیہ، میں سوچتا ہوں ایسی حسین نظم جس دل سے ابھری ہے وہ دل کتنا

حسین ہوگا۔"
"دل کے حسن کی کون قدر کرتا ہے شہریار؟"
"یہ نہ کہو عالیہ، یہ نہ کہو مجھے بتاؤ اپنے دل کی اس کروٹ کو کہاں سلا دوں، میری تو دنیا ہی بدل گئی عالیہ۔"
"شہریار۔" عالیہ نے بے خود ہو کر اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔
"شہریار مجھے کیوں حیران کر رہے ہو؟"
"نہیں عالیہ، میں دل سے تمہاری قدر کرتا ہوں، عالیہ آج تم نے میرے سینے میں وہ مقام حاصل کر لیا ہے جو شاید کوئی لڑکی کبھی نہ حاصل کر سکے۔"
"شہریار......" عالیہ اس کے سینے آ لگی "شہریار میرا کیا ہوگا؟"
"اگر اگر تم پسند کرو عالیہ تو یہ سینہ ہمیشہ کے لیے تم پر وا ہو جائے۔" شہریار نے کہا۔
"میں مر جاؤں گی شہریار۔"
"میں تمہیں زندگی دوں گا عالیہ میں میں بھی تمہارے بغیر زندہ نہ رہ سکوں گا عالیہ۔"
"لیکن تم......تم تو میکشاں۔"
"میکشاں بے حد حسین ہے عالیہ، لیکن باہر سے وہ تمہارے حسن کے مقابل کہاں؟"
"آہ......لیکن وہ تمہاری منگیتر ہے۔"
"میں تمہارے لیے سارے جہاں کو چھوڑ سکتا ہوں عالیہ۔" شہریار نے کہا اور اس نے عالیہ کے ہونٹوں پر بوسہ ثبت کر کے اپنی محبت کا یقین دلا دیا۔

تب عالیہ ہر شام شہریار سے ملنے لگی، میکشاں کی اداسی بھی سب نے دیکھی اور پھر بہت جلد یہ بات ہر کان تک پہنچ گئی کہ شہریار نے میکشاں سے بے وفائی کر کے عالیہ کو اپنا لیا ہے۔ بہت جلد میکشاں کی منگنی ٹوٹنے اور عالیہ سے رشتہ استوار ہونے کی اطلاع لوگوں کو مل جائے گی۔ کسی کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی تھی، یہ کیسے ممکن ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے، لیکن آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکیں، یہ ہو گیا تھا، ہو رہا تھا، ناممکن کوئی بات نہیں ہے، سب کچھ ممکن ہے۔

اور اس شام ایک اور تقریب میں عالیہ اور شہریار یکجا ہوئے تھے جبکہ میکشاں تنہا اور اداس ایک طرف بیٹھی تھی۔ نوجوان اس کے گرد منڈلا رہے تھے، لیکن میکشاں نے تھوڑی دیر کے بعد اہل خانہ سے معذرت کر لی اور وہاں سے نکل آئی۔ جس وقت وہ ایک خوب صورت پگڈنڈی سے گزر کر اپنے گھر جا رہی تھی تو دوسری طرف سے اسے ہشام بعدی آتا نظر آیا، دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تھا، ہشام بعدی چند ساعت کے بعد اس کے قریب پہنچ گیا۔
"اوہ، حسین لڑکی کہاں سے آ رہی ہو؟" اس نے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔
"سرور کے یہاں سے۔"
"کیوں......کیا تقریب ختم ہو گئی، کیا لوگوں نے واپسی شروع کر دی، اس کا مطلب ہے کہ مجھے دیر ہو گئی، لیکن وقت تو ابھی زیادہ نہیں گزرا ہے۔"
"سب لوگ وہاں موجود ہیں۔" میکشاں نے اداسی سے جواب دیا۔
"تب پھر تم کیوں جا رہی ہو؟"
"بس میرا دل نہیں لگا۔"
"اوہ، تو کیا شہریار وہاں موجود ہے؟"
"ہے۔"
"ہوں، حسین لڑکی مجھے یہ بات پوچھنے کا حق تو نہیں ہے لیکن اجازت دو تو سوال کر لوں۔ کیا افسانہ عالیہ درست ہے۔" ہشام نے پوچھا۔
"آپ بھی میرے دل کو دکھانا چاہتے ہیں؟" میکشاں نے پوچھا۔
"ہرگز نہیں، دلوں کو دکھانے سے مجھے نفرت ہے، اگر میرے سوال نے تمہیں تکلیف پہنچائی ہے تو میں شرمندہ ہوں اور اپنا سوال واپس لیتا ہوں۔" ہشام نے کہا۔ میکشاں عجیب سی نگاہوں سے اسے

دیکھنے لگی، دیکھتی رہی اور پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی۔
"کیا میں آپ سے درخواست کر سکتی ہوں ہشام؟"
"ضرور، ضرور......"
"کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ اس محفل میں شریک نہ ہوں؟"
"ممکن ہے۔" ہشام نے کہا اور وہ چل پڑے، انہوں نے پگڈنڈی چھوڑ دی اور پھر وہ کوہ کساد کے پہلو میں جا بیٹھے، ہشام کے چہرے پر ایک انوکھا تاثر تھا، جسے میکشاں محسوس کر رہی تھی۔ میکشاں گردن جھکائے بیٹھی رہی اور ہشام نے بھی کوئی بات نہیں کی، تب میکشاں نے ہشام کے چہرے کی طرف دیکھا۔
"آپ اس قدر خاموش کیوں ہیں ہشام۔"
"گفتگو کا انتخاب نہیں کر پا رہا میکشاں، میں نہیں جانتا کہ میں کیا بات کروں، تمہارے دل کو دکھانا میرے بس سے باہر ہے۔"
"کیا، کیا عالیہ مجھ سے زیادہ خوب صورت ہے ہشام؟"
"بلا مبالغہ ہرگز نہیں۔"
"پھر شہریار، پھر شہریار اس کی طرف مائل کیوں ہو گیا؟"
"افسوس اس بات کا جواب میرے لیے ممکن نہیں ہے میکشاں کیونکہ اس سے میرے ذہن میں ایک سوال ابھرتا ہے۔"
"کیا سوال ہے؟"
"تم اسے پسند نہ کرو گی۔"
"میں اسے پسند کروں گی۔"
"کیا میکشاں تم دونوں، کیا صرف تم شہریار پر اس قدر اعتماد کر بیٹھی تھیں کہ محبت کی تمام منازل سے گزر گئیں۔"
میکشاں پہلے تو اس کے سوال کا مقصد نہیں سمجھی اور سمجھی تو شرم سے سرخ ہو گئی، تاہم جواب دینا ضروری تھا چنانچہ اس نے دھیمی اور شرمائی ہوئی آواز میں کہا۔
"میں اتنی گری ہوئی نہیں ہوں ہشام۔"
"مجھے اس جواب سے بے پناہ مسرت ہوئی تب پھر یہی کہا جا سکتا ہے میکشاں کہ شہریار کو حسن کی تمیز نہیں ہے، تم تو ریشم کے قطروں سے ترتیب پا ہوا ایک گہر ہو، جس کی آب کے سامنے کائنات ماند ہے، کاش شہریار تمہارے حسن کی توہین کرتا۔"
"کیا میں اس سے محبت کی بھیک مانگوں گی ہشام، ہرگز نہیں، میں اب اس ہرجائی سے بے پنا نفرت کرتی ہوں، مجھے اب اس کی ذرہ برابر پروا نہیں ہے۔"
"اصول کی بات ہے۔"
"اس نے میری توہین کی ہے۔"
"یقیناً۔"
"میں اس سے انتقام لینا چاہتی ہوں۔"
"اوہ...... یہ جذبہ ذہن سے نکال دو تو بہتر میکشاں اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔"
"اور میں لوگوں کی مسکراہٹوں کا نشانہ بنی رہوں۔"
"لیکن تم کیا کرنا چاہتی ہو میکشاں؟" ہشام نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔
"میں بھی اپنی منزل کا تعین چاہتی ہوں ہشام سنو، میں عورت ہوں کمزور و ناتواں، میں کسی مضبوط سہارے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، شہریار نے میری توہین کی ہے، ہشام اس نے مجھے ٹھکرا دیا ہے کیا میں اتنی ہی گئی گزری ہوں۔ تم جانتے ہو ہشام میری ایک نگاہ پر بہت سے نوجوان میری طرف متوجہ ہو جائیں گے، لیکن بستی کا کوئی بھی نوجوان اس خصوصیت کا حامل نہیں ہے جو میری توجہ حاصل کر سکے، ہشام مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" میکشاں نے کہا۔
"کک...... کیا مطلب میکشاں؟" ہشام نے

بکارہ گیا۔
''شہریار صرف ایک خوب صورت نوجوان ہے لیکن اگر اس کی مقابل شخصیت تم بن جاؤ تو بتاؤ کہ اس کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے، وہ صرف نوجوان لڑکیوں میں مقبول ہے، اس کے علاوہ اس کی اور کیا شخصیت ہے، اس کے برعکس تم بستی کا ہر فرد تمہاری عزت کرتا ہے، تمہارا دلدادہ ہے، اگر تم مجھے اپنا لو تو میری گری ہوئی حیثیت پھر سے بحال ہو جائے گی اور شہریار کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔''
''میکشاں۔'' ہشام شدید حیرت سے بولا۔
''تم نے ایک بار کہا تھا ہشام یاد کرو، تم نے ایک بار کہا تھا کہ اگر کوئی لڑکی تمہاری دولت کے بجائے صرف تمہاری شخصیت سے متاثر ہوئی تو تم اسے اپنا لو گے۔''
''میکشاں۔''
''کہو...... کہو ہشام کیا کہنا چاہتے ہو، تم بھی کہہ دو میں تمہیں قبول نہیں ہوں۔''
''میکشاں غور کرو سوچو میکشاں کیا کہہ رہی ہو؟'' ہشام کے منہ سے عجیب انداز میں نکلا۔
''کیا تم سمجھ رہے ہو میں جذبات میں پاگل ہو رہی ہوں۔ اپنی توہین سے دل برداشتہ ہو کر احمقانہ گفتگو کر رہی ہوں۔ نہیں ہشام، ایسی کوئی بات نہیں ہے، میں پورے ہوش و حواس میں ہوں، ہاں اگر تم نے مجھے ٹھکرا دیا تو پھر میں شاید ہوش و حواس کھو بیٹھوں۔''
''میکشاں ایک بار پھر سوچ لو اگر شہریار کو اپنی حماقت کا احساس ہو جائے، اگر وہ تمہارے قدموں میں آ گرے تو تو کیا تم اسے معاف نہیں کر دو گی؟''
''ہرگز نہیں ہشام، عورت کا دل نازک شیشہ ہوتا ہے ایک بار بال پڑ جائے تو کبھی نہیں جاتا۔''
''ایک بار پھر غور کر لو میکشاں، میں پوری زندگی خوشیوں سے محروم رہا ہوں، سنو میکشاں میں عرصہ دراز سے تمہیں چاہتا ہوں، لیکن یقین کرو تم دونوں کو یکجا دیکھ کر میں نے ہمیشہ دعائیں دی ہیں، میں نے خود کو کبھی اس قابل نہیں سمجھا کہ تمہارے حصول کی تمنا کروں۔''
''ہشام مجھے اپنا لو ہشام، مجھے اپنا لو۔'' میکشاں اس سے لپٹ گئی۔
''میکشاں۔'' ہشام نے اسے اپنے فولادی بازوؤں میں جکڑ لیا۔
''اگر کبھی کسی مرحلے پر تم نے مجھے ٹھکرا دیا میکشاں تو یاد رکھو میں خودکشی کر لوں گا یا کہیں روپوش ہو جاؤں گا، بستی والے پھر میری مشکل نہ دیکھ سکیں گے، اگر ایسا ہوا میکشاں تو میں یہ نہ سن سکوں گا کہ ''ہونہہ، چلے تھے قصبہ کی سب سے حسین لڑکی کے عاشق بن کر۔''
''ایسا کبھی نہ ہوگا ہشام۔''
''میکشاں لوگ خزانوں کی بات کرتے ہیں، کیا محبت سے بڑھ کر اور کوئی خزانہ ہو سکتا ہے، کوئی میرے دل سے پوچھے۔''
بستی والوں نے بہت مختصر عرصے میں یہ حیرت کی دوسری خبر سنی کہ ہشام اور میکشاں ایک دوسرے میں دلچسپی لے رہے ہیں، خوب دن گزر رہے تھے آج کل بھی بڑی دلچسپ خبریں سننے کو مل رہی تھیں، اب ہشام اور میکشاں آزادانہ ہر پارٹی میں شریک ہوتے اور بلاشبہ یہ جوڑا بھی کم سنسنی خیز نہیں تھا۔ لوگوں نے شہریار پر اس کا ردعمل دیکھنے کی کوشش کی، لیکن شہریار نے کسی خاص ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ لوگوں کے سوالات پر اس نے بتایا۔
''مجھے عالیہ مل گئی، ٹھیک ہے میکشاں کو اپنی زندگی پر اختیار ہے۔''
چنانچہ یوں ہشام اور میکشاں کے عشق کی داستانیں عام ہوتی رہیں۔ ہشام بہت خوش نظر آتا تھا، وہ منتظر تھا کہ شہریار اور میکشاں کی منگنی ٹوٹنے کا اعلان ہو تو وہ خود میکشاں سے اپنی منگنی کا اعلان کرے، وقت گزرتا رہا، ہشام اور میکشاں روزانہ

ملاقات کرتے رہے اور یہ ایک حسین شام کی بات ہے، آسمان پر سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے، کبھی کبھی ننھی ننھی بوندیں ہوا کے جھونکوں کے ساتھ آتیں اور پھر روپوش ہو جاتیں۔ ہشام میکشاں کی آغوش میں سر رکھے لیٹا تھا، اس کے چہرے سے بے پناہ خوشی کا اظہار ہو رہا تھا، میکشاں کی شوخ آنکھیں اس وقت کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں، ہشام نے اسے دیکھا اور بولا۔

"کیا سوچ رہی ہو میکشاں؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"پھر بھی یہ موسم اور یہ خاموشی۔"

"میں سوچ رہی ہوں ہشام کہ اپنے والدین سے بات کروں وہ اپنی طرف سے منگنی توڑنے کا اعلان کر دیں، شہریار کو تو کوئی پرواہ ہی نہیں ہے۔"

"میکشاں، بہت دنوں سے یہ بات میری زبان پر تھی لیکن میں تم سے نہ کہہ سکا۔"

"جلدی کرو میکشاں۔ اب میں تم سے دور رہ کر زندگی نہیں گزار سکتا۔"

"شادی کے بعد تم کیا کرو گے ہشام؟"

"تمہیں لے کر کسی پرفضا مقام پر زندگی گزاروں گا، جہاں رہوں گا تمہیں ساتھ رکھوں گا۔"

"میں جانتی ہوں ہشام تم کبھی جھوٹ نہیں بولتے، ایک بات تو بتاؤ۔"

"پوچھو میری زندگی۔"

"خزانے کی بات درست ہے۔"

"سو فیصدی۔"

"کیا بلاشبہ وہ اتنا بڑا خزانہ ہے کہ ہم دنیا کے امیر ترین انسان کہلائیں گے؟" میکشاں نے پوچھا۔

"اس سے بھی کہیں زیادہ میری جان۔"

"لیکن تم اسے استعمال کیوں نہیں کرتے ہشام۔"

"انسانوں کی قسمیں ہوتی ہیں میکشاں، کچھ لوگ گیدڑ صفت ہوتے ہیں ہمیشہ دوسروں کی پھینکی ہوئی ہڈی پر نگاہ رکھتے ہیں، اپنے آپ کو ناکارہ بنا لیتے ہیں، ہاتھ پاؤں ہلا کر کسی کے لیے کچھ نہیں کر سکتے، کچھ شیر صفت ہوتے ہیں، خود شکار کرتے ہیں اور خود کھاتے ہیں، بے شک یہ عظیم خزانہ ہے، میکشاں، ہم یہ خزانہ نکال لیتے ہیں، رکھ دیتے ہیں سیلاب آتا ہے تو پوری بستی ڈوب جاتی ہے اگر میرے اندر شیر کی صفت ہے میکشاں تو میں خزانہ چھوڑ کر تمہیں سیلاب سے نکال لے جانے کی کوشش کروں گا، کیونکہ میرے بازو میرا سب سے بڑا خزانہ ہے...... اور اگر میں گیدڑ صفت ہوں گا تو خزانہ میرے لیے تم سے زیادہ اہمیت رکھے گا کیونکہ اس وقت میں سوچوں گا کہ خزانہ مجھے دوبارہ نہیں ملے گا۔ میں خزانے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا، میں جانتا ہوں کہ میں تمہیں خوش رکھ سکتا ہوں، خزانہ ہو نہ ہو، میں جہاں ہوں گا تمہارے لیے خزانہ مہیا کر دوں گا، میری پوری زندگی دیکھ لو میکشاں اور تم اعتراف کرتی ہو کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔ یہ خزانہ میرے باپ نے نجانے کہاں سے حاصل کیا تھا، وہ چھوڑ کر مر گیا، میں ابھی جوان ہوں، طاقتور ہوں، بوڑھا ہونے کے بعد ممکن ہے مجھے اس کی ضرورت پڑے، اس وقت دیکھا جائے گا، ورنہ میں بھی اسے اپنے بیٹے کے لیے چھوڑ جاؤں گا، ممکن ہے وہ میری طرح شیر صفت نہ ہو۔" آخر میں ہشام بعدی مسکرانے لگا۔

اور میکشاں منہ کھولے بیٹھی تھی، کافی دیر تک وہ منہ پھاڑے خاموش بیٹھی رہی، اس کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات تھے اور پھر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا پھر وہ عجیب سی آواز میں بولی۔

"ہشام۔"

"جان ہشام۔"

"تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟"

"بے پناہ۔" ہشام نے محبت سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرے اوپر اعتماد کرتے ہو؟''
''خود سے زیادہ۔''
''تو ہشام، کل میں وہ خزانہ دیکھنا چاہتی ہوں۔''
''کیوں؟''
''بس میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں، میں جانتی کہ تم نے اس راز کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھا ہے، میں یہ راز جاننا چاہتی ہوں۔''
''ہوں......'' ہشام کی آنکھوں میں گہری سوچ کے آثار تھے، پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔
''ٹھیک ہے ہم کل چلیں گے۔''
''شکریہ ہشام۔ اب اجازت دو۔''
''چلو......'' ہشام نے کہا اور دونوں واپس چل پڑے۔

☆☆☆

بارش موسلا دھار تھی، شہریار سوچ رہا تھا کہ کیا اس بارش میں میکشاں آسکے گی، مشکل ہی تھا وقت بھی ہوگیا تھا، روزانہ رات کو اسی وقت دنیا کی نگاہوں سے بچ کر میکشاں اس سے ملاقات کرنے آتی تھی، وہ دونوں مل کر ہشام کے بارے میں گفتگو کرتے، میکشاں شہریار کو بتاتی کہ آج ہشام نے اس کے کتنے بوسے لیے کیسی کیسی گفتگو کی اور دونوں مل کر خوب قہقہے لگاتے، لیکن آج سرِ شام ہی بادل چھا گئے تھے اور پھر بارش شروع ہوگئی تھی اور شہریار سوچ رہا تھا کہ شاید آج میکشاں نہ آسکے، لیکن مقررہ وقت پر اس نے میکشاں کو آتے دیکھا، وہ برساتی میں لپٹی چلی آرہی تھی۔

اوہ، وہ مجھے کس قدر چاہتی ہے، کیسی محبت کرنے والی لڑکی ہے، اب بہت کم وقت رہ گیا ہے وہ میری ہوگی، ہم دولت سے کھیلنے والوں میں شمار کیے جائیں گے، کتنا خوش نصیب ہوں میں، حسین بیوی اور بے پناہ دولت ایک ساتھ ملیں گی۔ میکشاں قریب آگئی اور شہریار دیوانہ وار اس کی طرف لپکا۔

''آہ، میکشاں میں مایوس ہونے لگا تھا۔''
''بارش بہت تیز ہے شہریار۔''
''ہاں مجھے احساس ہے اور اپنے پیار پر ناز بھی۔''
''میں فوراً واپس جاؤں گی۔''
''کیوں؟''
''گھر کے لوگ پریشان ہوں گے۔''
''اوہ ٹھیک ہے۔''
''سنو شہریار، بالآخر میں اسے خزانہ دکھانے پر آمادہ کرہی بیٹھی۔''
''کیا، کیا مطلب؟''
''کل وہ مجھے خزانہ دکھانے لے جائے گا۔''
''اوہ، کیا تم ٹھیک کہہ رہی ہو میری روح؟''
''ہاں......''
''تب، تب پھر؟''
''تم ہمارا تعاقب کروگے، لیکن نہایت ہوشیاری سے۔''
''آہ کتنی بڑی خوشخبری تم نے کتنی سادگی سے مجھے سنا دی ہے، میں تمہیں کیا انعام دوں میکشاں۔'' شہریار میکشاں کو گود میں لے کے ناچنے لگا۔
''لیکن تمہارا کیا پروگرام ہے شہریار، مجھے بتاؤ تمہارا کیا پروگرام ہے؟''
''خزانہ دیکھنے کے بعد تم ہشام کے ساتھ واپس چلی آنا، میں وہیں پوشیدہ ہوجاؤں گا اور پھر میں کل راتوں رات خزانہ وہاں سے منتقل کردوں گا، بس یہ کام میرے لیے بہت آسان ہوگا۔''
''خوب مناسب پروگرام ہے، لیکن کیا تم اس پروگرام میں اپنے دوستوں کو بھی شامل کروگے؟''
''توبہ کرو میکشاں، ایسے راز دوسروں کو نہیں بتائے جاتے، دوست دشمن بن جاتے ہیں۔''
''ٹھیک کہتے ہو شہریار، بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میکشاں نے تائید کی اور پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ شہریار سے رخصت ہوکر چلی گئی، شہریار کی خوشی کا کوئی

ٹھکانا نہیں تھا۔

☆☆☆

ہشام منتظر تھا، میکشاں کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوگئی، وہ والہانہ انداز میں آگے بڑھا۔

''تم آگئیں میری روح۔''

''میں وقت پر آگئی ہوں ہشام۔'' میکشاں نے کہا۔ ''تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے نا۔''

''تم سے کیا ہوا وعدہ بھول سکتا ہوں۔'' ہشام نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہمیں کتنی دور چلنا پڑے گا؟''

''کوہ کسار کے اس سرے پر پسپا کے غاروں میں۔''

''اوہ، بڑی پراسرار جگہ ہے۔''

''میں تمہارے ساتھ ہوں، تمہیں خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟'' ہشام نے پیار سے کہا۔

''تو پھر آؤ چلیں۔''

میکشاں نے کہا اور ہشام اس کا ہاتھ پکڑ کر چل پڑا پتھریلے راستے عبور کر کے کافی دیر کے بعد وہ بالآخر پسپا کے غاروں کے نزدیک پہنچ گئے، میکشاں درحقیقت خوف زدہ نظر آرہی تھی۔

''ہشام۔'' اس نے لرزتی آواز میں کہا۔ ''مجھے خوف محسوس ہورہا ہے۔''

''ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے میکشاں میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

''اپنا پستول مجھے دے دو ہشام۔''

''اوہ یہ لو۔'' ہشام نے سادگی سے اپنا پستول نکال کر اس کے حوالے کر دیا اور پھر وہ غاروں میں سے ایک غار میں داخل ہوگئے، اس کے بعد ایک کھلی جگہ آگئی۔ لیکن یہ جگہ ایک کنوئیں کی مانند تھی، اوپر بلندی تک سیدھی اور سپاٹ دیواریں تھیں اور پھر اسی پراسرار جگہ ایک سوراخ کے اندر ہاتھ ڈال کر ہشام نے ایک کڑا گھمایا اور سامنے کی ایک چٹان اپنی جگہ سے سرک گئی، اس چٹان کے پیچھے ایک پوشیدہ غار تھا اور اس غار میں بہت سے صندوق چنے ہوئے تھے، ہشام نے اسے اندر آنے کا اشارہ کیا اور میکشاں اندر داخل ہوگئی۔ تب ہشام نے اسے صندوق کھول کر دکھانے شروع کر دیے۔

میکشاں کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں، اس کا چہرہ دھواں دھواں ہوگیا تھا، ہشام نے اسے ایک ایک صندوق دکھایا اور پھر تمام صندوق دیکھ لینے کے بعد میکشاں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور وہ لرزتے قدموں سے باہر نکل آئے، لیکن باہر قدم رکھتے ہی میکشاں چونک پڑی، شہریار سینہ تانے کھڑا تھا، اس کے ہاتھ میں پستول نظر آرہا تھا جس کا رخ ہشام کی طرف تھا۔ ہشام حیران رہ گیا۔ اس نے حیران نگاہوں سے شہریار کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''شہریار تم......''

''ہاں میرے دوست دراصل میرا انداز فکر تم سے کچھ مختلف ہے، ہشام بعدی تم نے کچھ احمقانہ اصول تراش رکھے ہیں اور میں ان اصولوں کا مخالف ہوں، دولت اس لیے نہیں ہوتی کہ اسے پہاڑوں میں پوشیدہ رکھا جائے، وہ انسان کی اہم ضرورت ہے، اسے باہر آنا چاہیے، میں نے سوچا کہ دولت کے اس سانپ کو ہلاک کر دوں اور اسے استعمال میں لے آؤں۔''

''لیکن تم یہاں کیسے پہنچ گئے شہریار؟''

''سب تمہاری طرح احمق نہیں ہوتے، ہمیں یعنی مجھے اور میکشاں کو بہتر زندگی گزارنے کے لیے دولت کی ضرورت تھی اور دولت تمہارے پاس تھی، چنانچہ اسے حاصل کرنے کے لیے ہم نے ایک پروگرام بنایا، میں نے عالیہ سے محبت کا کھیل کھیلا تاکہ میکشاں کی مجھ سے علیحدگی کا جواز پیدا ہو سکے اور پروگرام کے مطابق میکشاں نے تم سے محبت کا کھیل رچایا، مقصد صرف اس خزانے کا حصول تھا۔''

''اوہ، بلاشبہ تم دونوں کامیاب کھلاڑی ہو

شاید میکشاں نے مجھ سے پستول اسی لیے لے لیا تھا۔"

"ہاں وہ خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین بھی ہے۔"

"کیا تم یقین کرو گے میرے دوست خزانے کے جانے کا مجھے کوئی افسوس نہیں ہے، لیکن میکشاں نے میرے اصولوں سے اتفاق نہیں کیا، بس اس بات کا غم ہے خیر اب تم کیا چاہتے ہو؟"

"بس تم سے تھوڑی سی گفتگو کریں گے اس کے بعد تمہیں قتل کر کے اسی غار میں دفن کر دیں گے، خزانہ نکال لے جائیں گے، شادی کریں گے اور عیش کریں گے۔" شہریار نے مزے سے کہا۔

"لیکن یہ تبدیلی کیوں شہریار تمہارا پروگرام تو کچھ اور تھا۔" میکشاں نے کہا۔

"اپنے اپنے اصول ہیں میکشاں، میں سانپ کو زخمی کر کے چھوڑنے کا عادی نہیں ہوں، ممکن تھا ہشام کبھی ہمارا سراغ نکال لیتا۔"

"اصول کی بات ہے شہریار، تو میرا خیال ہے سب کے کچھ نہ کچھ اصول ہوتے ہیں، سنو شہریار ہشام دولت مند ہونے کے باوجود انسانیت پسند ہے اور مجھے اس کی شخصیت بہت مستحکم نظر آتی ہے، اگر یہ بات تھی تو تم نے رات ہی مجھے اپنے پروگرام سے آگاہ کیوں نہ کر دیا۔" میکشاں نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم عورت ہو میکشاں، شاید میرے پروگرام سے اتفاق نہ کرتیں۔"

"گویا دولت کے لیے تم نے مجھ سے جھوٹ بولا۔"

"میں تم سے معافی مانگ لوں گا، لیکن سانپ کا مر جانا ہی ٹھیک ہوتا ہے۔"

"بات اصول کی ہے شہریار چنانچہ......"

اچانک میکشاں نے پستول کا رخ شہریار کی طرف رخ کر کے اس کا ٹریگر دبا دیا اور شہریار کی پیشانی میں ایک بڑا سا سوراخ ہو گیا، پستول اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ اس نے چیخنے کی کوشش کی لیکن آواز نہ نکل سکی۔ "ہر انسان کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔"

"میکشاں۔" ہشام دبی دبی آواز میں چیخا، میکشاں نے پستول ہشام کے سامنے پھینک دیا اور سرد لہجے میں بولی۔

"اس میں شک نہیں ہے ہشام کہ میں نے شہریار کے ساتھ مل کر یہ سازش کی تھی، لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب میں نے تمہارے اندر چھپا ہوا حقیقی انسان نہیں دیکھا تھا، پھر میں تمہارے اصولوں سے متاثر ہو گئی اور فیصلے کے لیے میں نے اسی جگہ کا انتخاب کیا، بات اصول کی ہے تمہارے خزانے کے راز سے میں واقف ہو گئی ہوں۔ عورت ہوں، ممکن ہے کسی سے اس کا تذکرہ کر بیٹھوں، چنانچہ مناسب یہ ہے کہ مجھے ابھی گولی مار دو اور خزانے کے اس راز کو راز رہنے دو۔" ہشام نے آگے بڑھ کر پستول اٹھا لیا۔ "ہاں بات اصول کی ہے۔" اس کی پستول کی نال کا رخ میکشاں کی طرف کر دیا۔

"میں بھی اصول پسند ہوں۔" میکشاں نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا، وہ ابھی سے اپنے پہلو میں چبھن محسوس کر رہی تھی، پھر اس نے دونوں آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

"آہ، مجھے پستول سے خوف محسوس ہوتا ہے، جلدی سے گولی چلا دو، تاکہ میں خوف کی اذیت سے نجات حاصل کر لوں۔" اس نے دونوں آنکھیں زور سے بھینچ لیں۔ لیکن چند ساعت کے بعد اسے اپنے ہونٹوں پر ایک گداز، جانی پہچانی نمی کا احساس ہوا اور اس نے آنکھیں کھول دیں، تب ہشام کے مضبوط ہاتھ اس کی کمر کے گرد لپٹ گئے، طویل بوسے سے فارغ ہو کر ہشام نے کہا۔

"بات اصول کی ہے میکشاں، تم نے شہریار کو اس کی لااصولی کی سزا دی ہے، مجھے کیا اعتراض ہے، میری محبت تو اپنی جگہ قائم ہے۔" اور میکشاں کے بازو اس کی گردن میں حمائل ہو گئے۔

☆☆

مشترکہ جرم

مریم نواز

کچھ جرائم کے منصوبے اتنی باریک بینی سے بنائے جاتے ہیں کہ ان کی ناکامی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ایک چالاک حسینہ کی کمائی جس نے بڑی ذہانت سے ایک منصوبہ تشکیل دیا اور اس کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد بڑی مستقل مزاجی سے عمل بھی کیا مگر انجام کار ہاتھ کچھ نہیں آیا۔

ایک چالباز حسینہ کی مشکوک فنکاریوں کا انجام

بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو عالم جوانی ہی میں اپنی ذاتی کوششوں سے کچھ بن جاتے ہیں، ورنہ عموماً جب ذمہ داریوں کا بوجھ حد سے زیادہ بڑھ جاتا ہے اور جوانی آنے سے پہلے ہی رخصت ہونے لگتی ہے تو انسان دولت کمانے کی جدوجہد میں کامیاب ہو پاتا ہے اور اس وقت کی دولت اس کی اولاد یا دوسرے لواحقین کے لیے کارآمد ہوتی ہے۔

ہارون بھی ان خوش نصیبوں میں سے ایک تھا۔ جو ابتدائی جدوجہد سے ہی اپنا مستقبل تابناک بنانے میں کامیاب ہو گیا تھا، والدین بچپن ہی میں سدھار گئے تھے، بڑے بھائی پرویز نے سات سال اس پر صرف کیے اور جب اس کی جیب میں بھائی کی کفالت اور چھوٹے سے مکان کی خریداری کے باوجود پانچ لاکھ روپے جمع ہو گئے تو اس نے شادی کر لی، معمولی سی تنخواہ میں ایسی ہی بیوی مل سکتی تھی، جس کے گھرانے میں کبھی لاکھ روپے بھی جمع نہ ہوئے ہوں۔ وحیدہ کے والدین نے صاف صاف کہہ دیا کہ لڑکی کے علاوہ ان کے پاس اور کچھ نہیں چنانچہ پرویز نے لڑکی پر ہی اکتفا کیا۔ لیکن اس کی بیوی نے اس چھوٹے سے گھر میں اتنی ذمے داریاں پسند نہ کیں، پرویز کی تنخواہ میں مستقبل بھی بنانا تھا اور آنے والے دنوں کا خیال بھی کرنا تھا، آج دو کل تین اور پھر چار، گھر کے اخراجات میں اور تو کوئی کمی نہیں کی جا سکتی تھی بس ہارون کی کمی کر دی گئی۔

ہارون شروع ہی سے حساس تھا، دل میں اس نے سوچ رکھا تھا کہ بس دو سال اور پڑھ لے اس کے بعد بھائی کے کاندھے سے کاندھا ملا کر کھڑا ہو جائے گا، لیکن بھاوج گھر میں آئی تو بھائی کے اطوار ہی بدل گئے، پھر جب پرویز نے کہا۔ ”ہارون اب تم پڑھنا چھوڑ دو، میٹرک کر چکے ہو کوئی نوکری کرو، تم کہو تو میں تمہارے لیے کوشش کروں، ہارون حیران رہ گیا تھا۔ ”بھائی جان بس دو سال بعد۔“

”کیسی باتیں کر رہے ہو ہارون، یہ دو سال کیسے گزریں گے، نہ تن پر کپڑا نہ پیٹ میں روٹی، پہلے اور بات تھی ہارون اب حالات بدل گئے ہیں، میں تمہارے لیے فاقے بھی کر سکتا ہوں، لیکن تمہاری بھابھی۔“

”مگر میرا مستقبل بھائی جان۔“

”مستقبل تو ہمارے سامنے بھی ہے ہارون۔“

”بھائی جان۔“

”نہیں ہارون، یقین کرو گنجائش نہیں ہے، ورنہ میں تم سے یہ بات نہ کہتا، میں بالکل مجبور ہوں۔“ پرویز نے کہا اس کے بعد ہارون کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں رہا، اس نے پڑھائی چھوڑ دی اور نوکری کی تلاش شروع کر دی، لیکن نوکری ملنا اتنا آسان تو نہیں ہے۔ اس کا بھائی بھی کوشش کر رہا تھا لیکن تقدیر ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ تب ایک شام بھابھی برس پڑی۔

”نوکری کبھی نہیں ملے گی، کوئی مزدوری بھی تو کی جا

سکتی ہے، اتنی سی تو تعلیم ہے کوئی افسری تو ملنے سے رہی۔''
''کوشش تو ہو رہی ہے بیگم۔'' پرویز نے دھیمے لہجے میں کہا۔
''زندگی بھر ہوتی رہے گی اور ہمیشہ ناکامی ہوگی۔''
''تو پھر کیا کیا جائے؟'' بھائی نے پوچھا۔
''یہ تو خود ہارون کو سوچنا چاہیے کہ اب بھائی پر بوجھ نہ بنے تو بہتر ہے ہماری بھی ضروریات ہیں، ہمارے بھی ارمان ہیں، آپ کان کھول کر سن لیں اگر اب ہارون یہاں رہا تو میں یہاں نہیں رہوں گی۔'
اور ہارون کی غیرت بھی جاگ اٹھی۔ ''نہیں بھابھی آپ یہیں رہیں گی، خدا حافظ۔'' وہ اسی وقت گھر سے نکل گیا وہ طبعیتاً نیک فطرت اور سادہ لوح تھا، کسی چھل فریب سے بھی واقف نہیں تھا، دنیا اچانک اس طرح اجنبی بن جائے گی کبھی سوچا بھی نہیں تھا، آج بھرے پرے شہر میں تنہا رہ گیا تھا۔ رات ایک فٹ پاتھ پر سو کر گزاری۔ دوسری صبح بھوک سے نڈھال تھا، بھاوج کے تیر کانوں میں اتر رہے تھے، اس نے سوچا ٹھیک تو ہے، مزدوری بھی تو انسان ہی کرتے ہیں، ایک کنسٹرکشن پروجیکٹ پر پہنچا مزدوروں کی ضرورت تھی، خود بھی مزدوری پر لگ گیا اور شام تک بھوکے پیاسے رہ کر خوب محنت کی، اجرت روزانہ ملتی تھی جب دوسرے مزدوروں

کے ساتھ اجرت لینے پہنچا تو توصیف صاحب بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے اس کے ہاتھوں کو دیکھا، شکل کو دیکھا اور پھر اسے رک جانے کا اشارہ کیا۔ ”میرے دفتر میں آؤ۔“ اور وہ ان کے پیچھے دفتر میں چلا گیا۔

”میں اس کنسٹرکشن کمپنی کا مالک ہوں، اس سے قبل اسٹیٹ ڈیلر تھا، خود کو بہت تجربے کار سمجھتا ہوں اس لیے تمہارے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“

”جی۔“ اس نے متحیرانہ انداز میں توصیف صاحب کو دیکھا۔

”ہاں تم اپنے طور پر اس پیشے کے آدمی معلوم نہیں ہوتے جس میں کام کر رہے ہو۔“

”میں نہیں سمجھا جناب۔“

”سیدھی سی بات ہے، تم نے کسی انتہائی مجبوری کے حالات میں یہ زندگی اپنائی ہے ممکن ہے اس زندگی کو اپنائے ہوئے تمہیں چند روز سے زیادہ نہ گزرے ہوں۔“

توصیف صاحب مسکرا کر بولے، انہیں اس بات کی خوشی تھی کہ وہ اپنے تجربے سے کام لے کر ایک شخص کے بارے میں انکشاف کر رہے ہیں، لیکن ہارون کو اپنے بارے میں بتانے میں کوئی قباحت نہیں تھی، چنانچہ اس نے کہا۔

”جی ہاں، آپ کا خیال درست ہے جناب، میں واقعی بحالت مجبوری یہ سب کچھ کر رہا ہوں۔“

”کیوں آخر؟“

”اس لیے کہ انتہائی کوشش کے باوجود مجھے کوئی ملازمت نہیں مل سکی اور ضرورت میری مجبوریوں کی پابند نہیں ہے۔“ ہارون نے جواب دیا۔

”ہاں۔ بیٹے۔ ضرورت انسان کو اتنا ہی مجبور کر دیتی ہے بہر حال میں خود بھی برے حالات سے گزرا ہوں اس لیے تمہارے لیے دل میں درد رکھتا ہوں، بتاؤ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟“

”کچھ نہیں جناب، آج کا کام تو چل جائے گا لیکن میں چاہتا ہوں کہ کوئی باعزت نوکری مل جائے۔“

”میں تمہیں ایک مشورہ دے سکتا ہوں۔“ توصیف صاحب نے کہا۔

”جی فرمایئے۔“

”میرے پاس ایک دکان ہے، وہی دکان جس میں بیٹھ کر میں نے انتہائی عسرت کے دن گزارے تھے لیکن اس نے مجھے ایک بہترین زندگی بخش دی، اسٹیٹ ایجنسی کی حیثیت سے وہ دکان خاصی مشہور تھی، لیکن اپنی مصروفیات میں پھنسنے کے بعد میں نے اسے نظر انداز کر دیا اور اب میرا ایک خوب صورت دفتر ہے، تم اگر چاہو تو وہ دوکان میں تمہیں دے سکتا ہوں۔“

”جناب عالی، میری ایک گزارش ہے۔“ ہارون نے کہا۔

”کیا......؟“

”دوکان چلنے کا انتظار کرنا ہوگا، لیکن میرے حالات مجھے قطعی اس کی اجازت نہیں دیتے۔“

”میں تمہاری مدد کروں گا۔“ توصیف صاحب نے کہا۔

”کیا کریں گے آپ؟“ ہارون نے پوچھا۔

”بھئی اس وقت تک جب تک تم اس دکان کو چلا نہیں لیتے میں تمہیں ایک مخصوص رقم دے دیا کروں گا، یہ رقم قرض کے طور پر ہوگی، اگر تمہاری دکان چل جائے تو تم مجھے یہ رقم واپس کر دینا، ظاہر ہے تمہیں اتنی ہی رقم کی ضرورت ہوگی کہ تم اپنا کام چلا سکو یا کچھ اور لواحقین بھی ہیں؟“ توصیف صاحب نے پوچھا۔

”جی نہیں تنہا ہوں اس دنیا میں۔“ ہارون نے جواب دیا۔

”یہ تو اور اچھی بات ہوئی تنہا لوگ بڑے عیش کی زندگی گزارتے ہیں تو پھر تم یوں کرو تھوڑی دیر رک جاؤ میں یہاں کے حساب کتاب دیکھ لوں پھر تمہیں دکان پر لے جاؤں گا اگر تم مناسب سمجھو تو وہیں سو بھی رہنا۔“ توصیف صاحب نے کہا اور ہارون بخوشی تیار ہو گیا۔

چھوٹی سی دکان تھی لیکن جیسا کہ توصیف صاحب نے بتایا تھا بڑی بابرکت تھی، ہارون نے اس میں بیٹھنا شروع کر دیا، اسٹیٹ ایجنسی کا بورڈ اس پر دوبارہ آویزاں کر دیا گیا تھا، مکانات کرائے پر اٹھنا

اور خرید وفروخت کا کام ہارون نے سنبھال لیا اور تقدیر یاوری تھی کام ایسا چلا کہ وارے نیارے ہو گئے یا تو یہ دکان کی برکت تھی یا ہارون کی لگن اس نے دکان چلانے میں دن رات ایک کر دیے تھے، ہر وقت اپنے کام میں مصروف رہتا تھا اور اتنی محنت کرتا تھا کہ لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اسے اپنے کام سے دلچسپی تھی اور توصیف صاحب کی دکان اس کے لیے بڑی ہی بابرکت ثابت ہوئی، اسے دھڑا دھڑ کنٹریکٹ ملنے لگے، مکانات کرائے پر اٹھواتا تھا۔ خرید وفروخت کا کام کرتا تھا اور اچھی خاصی کمائی ہو جاتی تھی، یہاں تک کہ وہ انتہائی اچھی حالت میں آ گیا۔ اس نے توصیف صاحب سے جو رقم لی تھی وہ تو پہلی ہی کوشش میں واپس کر دی تھی، اس کے بعد توصیف صاحب کے مشوروں کے مطابق وہ کام کرتا رہا۔ دکان ہی اس کا گھر تھا، ہوٹل سے کھانا کھایا اور دکان میں سو رہا، پھر توصیف صاحب نے اسے موٹر سائیکل خریدنے کا مشورہ دیا اور اس نے عمل کیا، اس کی ساری آمدنی توصیف صاحب کے پاس جمع ہوتی تھی، اس نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ اس کی کتنی رقم جمع ہو گئی ہے۔ پھر ایک دن توصیف صاحب اس کی دکان پر آئے وہ اپنے ساتھ کچھ کاغذات لائے تھے۔

"میاں یہاں دستخط کر دو۔" انہوں نے کہا اور ہارون نے آنکھیں بند کر کے دستخط کر دیے۔

"شکریہ، تم نے یہ نہیں پوچھا کہ یہ کاغذات کیسے ہیں؟"

"پوچھنا بھی نہیں چاہتا۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ آپ نے دستخط کرنے کے لیے کہا ہے اور یہ بات میں زندگی کے آخری لمحات تک نہیں بھولوں گا کہ آپ ہی کی وجہ سے میں اس پوزیشن میں آیا ہوں۔"

"اوہ شکریہ، ہاں تو یہ ایک پلاٹ ہے، اچھی خاصی جگہ ہے، میں نے تمہاری جمع شدہ رقم سے خرید لیا ہے، اس پر فلیٹوں کی تعمیر کا اعلان کر دو اور یہاں کا پتا دے کر ان کی بکنگ شروع کر دو۔"

توصیف صاحب کے مشورے سے ہارون سینٹر کی بکنگ شروع ہو گئی، ہارون سینٹر کے بعد ہارون اپارٹمنٹس اور پھر ہارون کمپلیکس اور پھر نجانے کیا کیا اور پھر دولت کی ریل پیل ہو گئی، توصیف صاحب نے ایک خوب صورت دفتر کی چابی اسے دیتے ہوئے دکان کی چابی مانگ لی تھی۔

"اس متبرک دکان کو اب کسی اور ضرورت مند کے لیے خالی کر دو۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

اور ہارون نے چابی ان کے حوالے کر دی، توصیف صاحب نے زیادہ عرصہ اس کا ساتھ نہ دے سکے اور دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے لیکن ہارون کو انہوں نے جن بلندیوں کا راستہ بتایا تھا وہ اس راستے پر بڑھتا ہی چلا گیا۔ اب شہر کے بیچوں بیچ اس کا شاندار دفتر تھا اور اس کے کئی پروجیکٹ کام کر رہے تھے، بے شمار ملازم اس کے لیے کام کرتے تھے، لیکن اس نے پرویز سے کوئی انتقام نہیں لیا تھا، طویل عرصے تک اس نے پرویز کی طرف رخ ہی نہیں کیا لیکن جب اس کی مالی پوزیشن مستحکم ہو گئی تو وہ پرویز سے ملا۔

پرویز اس کے ٹھاٹھ باٹ دیکھ کر سحر زدہ ہو گیا تھا اب پرویز کے دو بچے تھے۔ ہارون نے اسے ایک بڑی رقم دی اور کہا کہ وہ آئندہ بھی اس کی ضروریات پوری کرتا رہے گا، بھابھی نے بھی چولا بدل دیا تھا دو تین بار وہ اس کی کوٹھی میں آئیں۔ انہوں نے اپنی چھوٹی بہن کے لیے پیشکش کی لیکن ہارون نے انہیں منہ نہیں لگایا تھا۔ تعمیر کی زندگی میں وہ کنکریٹ کی دیوار بن کر رہ گیا تھا، اس کی زندگی میں کبھی کوئی حسین پھول نہیں کھلا تھا خشک اور بے آب و گیاہ چٹانوں کی سی زندگی کبھی کبھی اسے تنہائی کا احساس ہوتا تھا، کبھی کبھی اس کا دل چاہتا کہ اس کی عالیشان کوٹھی تنہا اس کی نہ ہو، کوئی اور بھی اسے اپنا کہے، کوئی بھی اس کی ذات میں شریک ہو جائے، لیکن خود اس کی اپنی صلاحیتیں اس سلسلے میں مفقود تھیں۔

وہ بڑے سے بڑا سودا نہایت اعتماد سے کر سکتا تھا، اس سلسلے میں اس کی ذہانت بے مثال تھی، لیکن کوشش کے باوجود کسی حسین وجود کو اپنی زندگی میں شامل نہیں کر سکا، حالانکہ اس کی شان و شوکت بے حد متاثر کن تھی، ایک بڑے آدمی کی حیثیت سے ایسے بڑے لوگوں کی تقاریب میں خاص اہمیت حاصل تھی، بہت سی حسین لڑکیوں نے اسے اپنی طرف راغب کیا تھا۔ وہ راغب ہوا بھی تھا، لیکن اس کی زبان کسی کے سامنے نہ کھل سکی، اسے تو کسی ایسے ساتھی کی ضرورت تھی جو خود آگے بڑھ کر تمام مراحل طے کر لے، جو خود اس کی مشکلات کا حل پیش کر دے وہ خود کسی سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا، لیکن ناتجربے کار لڑکیاں اسے ایک مغرور انسان سمجھتی تھیں اور بہت جلد اس سے بددل ہو جاتی تھیں۔

زندگی پر تنہائی کا بوجھ کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا تو اس نے ایک اعلا پائے کے کلب کی رکنیت اختیار کر لی۔ وہ باقاعدگی سے کلب جانے لگا، کلب میں اس کے بہت سے شناسا تھے طرح طرح کی باتیں کرتے تھے لیکن خود اس میں اتنی جرات نہیں تھی کہ ان باتوں میں عملی حصہ بھی لے لیتا، بس ضرورت صرف اس بات کی تھی کہ کوئی اسے پہچان لے اور پہچاننے والوں میں اسے جاوداں امام نے پہچان لیا۔

نازک سے خدوخال کی مالک، خوب صورت خوش لباس اور بے حد اسمارٹ لڑکی خود ہی اس کی میز پر پہنچی تھی، ہارون اس وقت تنہا بیٹھا سگریٹ سے شغل کر رہا تھا۔ اس کی نظریں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں، بہت سے شناساؤں نے اسے سر کی جنبش سے خوش آمدید کہا تھا، لیکن اکثر لوگ اپنی اپنی محبوباؤں، دوستوں یا بیویوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس لیے جب تک کوئی اسے دعوت نہ دیتا وہ کسی کی میز پر کیسے جا سکتا تھا، چنانچہ اس نے اپنی میز پر تنہا ہی بیٹھنے پر اکتفا کیا اور بیٹھا سگریٹ کے کش لیتا رہا، جاوداں اماں خود ہی اس کے عقب سے نکل کر اس کے سامنے پہنچ گئی تھی۔

''بیٹھ سکتی ہوں۔'' اس نے مترنم لہجے میں کہا اور ہارون نے چونک کر اسے دیکھا، ایک لمحے کے لیے اس کی انگلیوں میں سگریٹ لرز گئی اور پھر اس نے دھواں چھوڑتے ہوئے خوش اخلاقی سے کہا۔

''تشریف رکھیے۔'' کم از کم وہ کسی لڑکی کو دیکھ کر اس طرح نروس نہیں ہوتا تھا جس طرح ہو رہا تھا، چنانچہ اس وقت اس نے خود پر کاروباری موڈ طاری کر لیا اور جاوداں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی، اس کے چہرے کی مسکراہٹ اور چمکدار آنکھوں نے ہارون کو کسی حد تک بوکھلا دیا تھا۔

''جی فرمائیے، میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔'' اس نے وہی الفاظ دہرائے جو وہ اپنے آفس میں بیٹھ کر ادا کیا کرتا تھا۔

''خوب تو آپ خدمت کرنے کا جذبہ لیے ہوئے بیٹھے ہیں۔'' جاوداں لہک کر بولی اور کھلکھلا کر ہنس پڑی، ہارون خود بھی مسکرا پڑا تھا۔

''معاف کیجیے گا عادت سی پڑ گئی ہے۔''

''کیا کرتے ہیں آپ؟''

''جی۔'' ہارون چونک کر بولا۔

''میں نے کہا آپ کیا کرتے ہیں؟''

''بس ایک چھوٹی سی کنسٹرکشن کمپنی کا مالک ہوں۔''

''جی آپ کا نام جان سکتی ہوں؟''

''ہارون۔''

''ہارون کنسٹرکشنز۔'' جاوداں نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

''جی ہاں۔''

''واہ! آپ! تو فرما رہے تھے کہ آپ چھوٹی سی کنسٹرکشن کمپنی کے مالک ہیں لیکن آپ کی کمپنی تو بہت بڑی ہے، بہت بڑا بزنس کرتے ہیں آپ، کمال کی بات ہے میں تو سوچ ہی نہیں سکتی تھی کہ میں اتنے بڑے آدمی سے مخاطب ہوں۔''

''جی۔'' ہارون نے مختصراً جواب دیا اور سگریٹ کے دھوئیں کے مرغولے بنانے لگا۔

''بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر ہارون صاحب، دراصل میں کئی دن سے یہاں آ رہی ہوں۔'' جاوداں نے کہا۔

”اچھا ممبر ہیں آپ یہاں کی؟“
”جی ہاں۔“
”بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔“
”مجھے بھی۔“
”شکریہ۔“ ہارون مسکرا کر بولا۔
”لیکن ہارون صاحب میں نے آپ کو یہاں تنہا دیکھا ہے۔“
”جی ہاں بدقسمتی ہے میری۔“
”کیوں بدقسمتی کیوں، میرا خیال ہے بہت سے لوگ آپ سے شناسائی اور دوستی کے خواہاں ہوں گے۔“
”شاید نہیں ایسی بات نہیں ہے۔“
”تو پھر کیا بات ہے؟“
”میں نہیں جانتا۔“
”واقعی۔“ جاوداں نے متبسم نگاہوں سے اسے دیکھا۔
”جی ہاں میرا خیال ہے میں بد اخلاق نہیں ہوں۔“ ہارون نے جواب دیا، اب وہ کسی قدر کھل رہا تھا، اب ایسی بھی کیا حماقت کہ کسی سے بات کرنے میں بھی ہکلانے لگے، چنانچہ وہ جاوداں سے بے تکان گفتگو کرنے لگا۔
”بہتر ہے...... آزمالیں گے۔“ جاوداں بولی۔
”ضرور آزمایئے۔“
”ہارون صاحب میں آپ کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں، میں جب بھی آپ کے بارے میں سوچتی تھی میرے ذہن میں عجیب و غریب خیالات جنم لیتے تھے۔“
”مثلاً۔“ ہارون نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
”یہی کہ آپ کوئی دکھی انسان ہیں، پریشان حال ہیں، نجانے کیا ٹریجڈی ہے آپ کے ساتھ نہ پریشان حال ہوں نہ دکھی ہوں، البتہ تیسری بات سے متفق ہوں۔“ ہارون نے ہنستے ہوئے کہا۔
”یعنی کوئی ٹریجڈی ہے آپ کے ساتھ؟“
”جی ہاں۔“
”بھلا کیا؟“
”لوگوں کو متاثر کرنے میں ناکام رہا ہوں، کسی کو دل کی گہرائیاں نہیں دکھا سکتا ہوں، یہ صلاحیت نہیں ہے مجھ میں۔“
”کیا واقعی؟“
”یہ حقیقت ہے خاتون۔“ ہارون نے مضمحل مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
”میں تو نہیں مانتی۔“
”کیوں؟“
”آپ ہر لحاظ سے ایک مکمل انسان ہیں، دلکش شخصیت کے مالک، پراثر حیثیت کے مالک۔ میرا خیال ہے بہت سے لوگ آپ کی قربت کے خواہاں ہوں گے۔“
”نہیں ہیں۔ اب دیکھیے آپ نے میرے بارے میں سب کچھ معلوم کرلیا، لیکن اپنے بارے میں بتانے سے گریز کر رہی ہیں۔ صرف اس لیے نا کہ آپ آئندہ مجھ سے کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتیں۔“ ہارون نہ جانے کیسے کھل گیا۔
”بہت چالاک ہیں آپ، لیکن جناب! اس خوش فہمی میں نہ رہیں۔ میں آسانی سے آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔“ جاوداں نے ایک انوکھی ادا سے کہا۔
”خدا کرے۔“
”کیا خدا کرے؟“
”یہی کہ آپ میرا پیچھا نہ چھوڑیں۔“ ہارون نے کہا اور جاوداں پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
”آپ دیکھتے رہیے خدا ایسا ہی کرے گا، میرا نام جاوداں امام ہے۔ میرے والد عادل امام بہت بڑے کاروباری آدمی تھے۔ ماں مرچکی تھی لیکن پانچ سال قبل میرے والد صاحب بھی حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مالی مشکلات کا شکار ہو گئے تھے۔“
”اوہ! افسوس ہوا“ ہارون نے اخلاقاً کہا۔

''لیکن انہوں نے مجھے مالی مشکلات کا شکار نہ ہونے دیا۔ کئی لاکھ روپے کا انشورنس مجھے مل گیا، اس کے علاوہ ایک کوٹھی جو کرائے پر اٹھی ہوئی تھی اس کا کرایہ مجھے آجاتا ہے اور یہی میری گزر کا ذریعہ ہے۔'' اس نے بڑی صاف گوئی سے بتادیا۔ ہارون کو اس کا طرز گفتگو اور صاف گوئی بے حد پسند آئی تھی۔

''آپ کہاں رہتی ہیں مس جاوداں؟''

''برونو روڈ کے ایک فلیٹ میں۔ میں پاس ایک ملازمہ ہے اور بس۔''

''آپ سے مل کر واقعی دلی خوشی ہوئی ہے مس جاوداں!''

''جھوٹ۔'' وہ ہونٹ سکیڑ کر بولی۔

''کیوں...... جھوٹ کیوں؟''

''مجھ میں ایسی کون سی خوبی ہے کہ کسی کو مجھ سے مل کر خوشی ہو۔'' اس نے نچلا ہونٹ ادا سے سکیڑتے ہوئے کہا۔

''یہی آپ نہیں جان سکتیں۔''

''جاننا چاہتی ہوں۔''

''آپ کی صاف گوئی، آپ کی خوش مزاجی، خوش لباسی وہ قیمتی نگینے ہیں جو آپ کی ذات میں جڑے ہوئے ہیں۔ ان کی چمک دمک آپ کی ذات کو لاکھوں میں نمایاں کرتی ہے۔'' ہارون نے کہا

''ہارون صاحب! خوابوں میں نہ گھسیٹیں۔'' جاوداں حسرت سے بولی۔

''کاش آپ خوابوں میں آبسیں۔'' ہارون نے آج پرانی حماقتوں کا ازالہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس حماقت کا اعادہ نہیں کرنا چاہتا تھا جو کرتا آیا تھا۔ جاوداں نیم باز آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی، وہ جیسے سچ مچ خوابوں میں کھوگئی تھی۔

''آپ کے دوسرے عزیز ہوں گے؟'' تھوڑی دیر کے بعد ہارون نے پوچھا۔

''نہیں، میں اس معاملے میں بھی بدقسمت ہوں۔''

''تو پھر مس جاوداں! ممکن ہے حالات کی یکسانیت نے ہی ہمیں ایک دوسرے کے قریب کیا ہے، میں بھی تقریباً ان ہی حالات کا شکار ہوں۔''

''کیا مطلب؟''

''تنہا تنہا۔'' ہارون مسکرا کر بولا۔

''اوہ، آپ کے بیوی بچے...... میرا مطلب یہ کہ گھر کے دوسرے لوگ۔''

''کوئی نہیں ہے۔''

''اگر یہ حقیقت ہے تو انوکھا اتفاق ہے۔ میں بھی خود کو بے حد تنہا محسوس کرتی ہوں ہارون صاحب! یہ احساس شدت سے میرے ذہن میں جاگزیں تھا کہ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ آپ کو یوں تنہا بیٹھے دیکھا تو دل کو نجانے کیوں دکھ ہوا اور میں ہمت کر کے یہاں چلی آئی۔''

''آپ نے ابھی تک کچھ نہیں منگوایا؟''

''آپ کا انتظار کر رہا تھا۔'' ہارون نے مسکراتے ہوئے کہا اور جاوداں بھی مسکرانے لگی پھر انہوں نے ایک مشروب طلب کیا اور دونوں مشروب کی چسکیاں لینے لگے۔ واپسی میں جاوداں ہارون کی خوب صورت کار میں تھی۔

''گھر چھوڑ دیجیے۔'' اس نے کہا اور ہارون اس کے ساتھ چل پڑا۔ چھوٹے سے خوب صورت فلیٹ میں جاوداں اسے ضد کر کے لائی تھی۔

''دیکھیے، یہ آپ کے شایان شان تو نہیں ہے لیکن یہی میرا گھر ہے اور بس میں آپ کی دوست ہوں۔''

''جاوداں! میں بھی اپنا ماضی بھولا نہیں ہوں، جب میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا اس لیے براہ کرم ایسی باتیں مت کرو، میرا دل دکھتا ہے۔''

''چلیے نہیں کرتی لیکن آپ اطمینان سے بیٹھ جایئے۔ میں آپ کے لیے کافی بنا کر لاتی ہوں۔ کافی پی لیں پھر جایئے گا۔''

''ضرور۔'' ہاون نے کہا اور جاوداں کچن کی طرف چلی گئی۔ ہارون بے حد خوش تھا، اسے ایسے ہی کسی ساتھی کی تلاش تھی۔ جاوداں نے اس کی خوشیوں

کو جاوداں کردیا تھا۔ وہ کافی بنا کرلے آئی اور ہارون نے بڑے شوق سے وہ کافی پی لی۔

پھر وہ جاوداں سے رخصت ہو کر اپنے گھر چلا آیا لیکن آج اسے یہ گھر پر رونق معلوم ہو رہا تھا۔ مسہری پر جاوداں اس کے ساتھ تھی، اس کے خواب آنکھوں میں بسے ہوئے تھے۔ یہ لڑکی...... یہ لڑکی اگر میری زندگی میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آجائے لیکن پھر احتیاط نے دامن پکڑلیا۔ تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو، ایک اچھا بزنس مین ایک ذہین انسان بھی ہونا چاہیے۔ کسی بھی خوب صورت چیز کو دیکھ کر گر پڑنا سود مند نہیں ہوتا پہلے پرکھو پھر عمل کرو اور وہ محتاط ہو گیا۔ ہاں ٹھیک تو ہے، جاوداں بے شک ایک حسین لڑکی ہے، پرکشش ہے لیکن اس کے باوجود صرف ایک ملاقات میں......اس نے دوسرے دن آنے کا وعدہ کیا تھا۔ ہارون کو دوسرے روز کا انتظار تھا، چنانچہ وہ وقت سے پہلے ہی کلب پہنچ گیا۔ جاوداں موجود تھی۔

''ارے میں تو سوچ رہا تھا کہ میں وقت سے پہلے آگیا ہوں۔'' ہارون نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔'' جاوداں دلربا انداز میں بولی اور دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

''آپ پہلے کیسے آگئیں جاوداں؟''

''بس سوچا تھا کہ کہیں دیر نہ ہو جائے۔''

''آپ یقین کریں، میں بھی یہی سوچ کر جلدی آگیا تھا۔''

''ہارون صاحب! یہ آثار اچھے تو نہیں ہیں۔''

''میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔'' ہارون نے کہا اور دونوں پھر ہنسنے لگے۔

شام ساتھ گزری۔ لوگوں نے دلچسپ نگاہوں سے اس نئے جوڑے کو دیکھا تھا۔ جاوداں اور ہارون کی جوڑی خاصی خوب صورت لگ رہی تھی اور اس کے بعد روزانہ ملاقاتیں شروع ہو گئیں۔ واپسی میں ہارون جاوداں کو اس کے فلیٹ پر چھوڑتا، جاوداں عموماً رات کا کھانا اسے اپنے ساتھ ہی کھلاتی تھی۔ بڑی ہی اپنائیت ہو گئی تھی ان دونوں کے درمیان اور ہارون محسوس کر رہا تھا کہ جاوداں بلاشبہ ایک شائستہ اور خوش مزاج لڑکی ہے، پھر ایک دن جاوداں نے کہا۔

''کل آپ دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھائیے ہارون صاحب!''

''کیوں خیریت ہے؟''

''بس دل چاہتا ہے کہ آپ کو اپنے ہاتھ سے کچھ کھلایا جائے اور کچھ باتیں بھی کرنا ہیں۔''

''بہتر ہے، حاضر ہو جاؤں گا۔''

''کوئی خاص کام تو نہیں ہے آپ کو۔''

''نہیں کوئی خاص نہیں۔''

''میں بس ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔''

''میرا خیال ہے ہم اس پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی کرلیں۔'' ہارون نے کہا۔

''وہ کیا؟''

''کیوں نہ آپ کل میرے آفس آجائیں۔ آفس میں ہی کھانا کھائیں گے، پھر شام کو کلب چلے آئیں گے۔''

''جیسی آپ کی مرضی۔ میں تو سوچ رہی تھی کہ آپ کے لیے اپنے ہاتھ سے کچھ پکاؤں۔''

''پھر کسی دن سہی۔ میرا خیال ہے آپ میرے آفس ہی آجایئے۔'' ہارون نے کہا اور جاوداں نے دلبرانہ انداز میں گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

''جو مرضی میرے سرکار کی، بہتر ہے حاضر ہو جاؤں گی۔''

اور دوسرے دن جاوداں ہارون کے آفس پہنچ گئی، اس نے متحیرانہ انداز میں ہارون کے آفس کو دیکھا اور بولی۔

''ہارون صاحب! آپ تو واقعی بہت بڑے آدمی ہیں، میں تو آپ کے سامنے احساس کمتری کا شکار ہو گئی ہوں۔''

''نہیں ہونا چاہیے آپ کو۔''

''کیوں نہیں بھئی، میں کیا میری بساط کیا، ایک گھٹیا سے فلیٹ میں رہتی ہوں۔ اب تو میں آپ کا مکان ضرور دیکھوں گی۔''

''ضرور، خود میری دلی خواہش ہے۔'' ہارون نے کہا۔
''جی ہاں۔ میں کسی خواہش کا اظہار کر دوں تو وہی خواہش آپ کی بن جاتی ہے۔ اس سے پہلے آپ نے کبھی اپنے آفس نہیں بلایا۔'' جاوداں شکایتی انداز میں بولی اور ہارون ہنسنے لگا۔
''غلطی تو ہے میری تسلیم کرتا ہوں، چلو معاف کردو۔''
''کیا۔''
''بہت بہت شکریہ جاوداں!''
''قبول کیا۔'' وہ پھر آنکھیں بند کر کے گردن کو خم دیتے ہوئے بولی اور ہارون نے مسکراتے ہوئے کھانا منگوالیا۔ عمدہ قسم کے کھانے کھاتے ہوئے جاوداں بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ وہ مسکراتی نگاہوں سے بار بار ہارون کو دیکھنے لگتی تھی۔ کھانے کے بعد انہوں نے کافی پی اور پھر آرام دہ کرسیوں میں نیم دراز ہو گئے۔
''تو تمہیں میرا آفس پسند آیا؟''
''واقعی ہارون، بہت خوب صورت ہے، اس سے تمہاری خوش ذوقی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔''
''شکریہ، نوازش...... کسی دن گھر اور دیکھ لیجیے، تنہا ہوں...... لیکن میں نے اپنے گھر کو کسی سگھڑ عورت کی طرح سے بنا کر رکھا ہے۔''
''یقیناً رکھا ہوگا، فطرت انسان کو بہت کچھ دیتی ہے۔'' جاوداں نے کہا۔
''تو پھر کیوں نہ آج ہی یہ پروگرام بھی ہو جائے۔''
''نہیں، آج نہیں پھر کسی دن۔ اب تو تم کسی دن میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔''
''یہ سب کچھ تمہارا ہی ہے جاوداں۔''
''ہارون! کیا تم میرے مسئلے میں اتنے سنجیدہ ہو؟''
''ہاں جاوداں! تم میرے اندر تک سما گئی ہو۔''
''ہارون! میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''
''ہاں ہاں کہو، تم نے کہا تھا کہ تم مجھ سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہو۔'' ہارون نے کہا۔
''ہارون! میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میرے پاس کچھ پیسے پڑے ہیں، میں ان پیسوں کا کوئی صحیح مصرف دریافت نہیں کر سکی۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔'' جاوداں نے کہا۔
''میں دل و جان سے حاضر ہوں جاوداں۔''
''میں یہ چار لاکھ روپے نکال کر لائی ہوں اور انہیں تمہارے حوالے کرنا چاہتی ہوں۔ میرے مستقبل کو سامنے رکھ کر ان کا کوئی مصرف دریافت کرلو تاکہ میں زندگی کے کسی اسٹیج پر کسمپرسی کا شکار نہ ہو جاؤں۔''
جاوداں نے پیسے پرس سے نکال کر ہارون کے سامنے رکھ دیے اور ہارون مسکرانے لگا۔
''کیا چاہتی ہو جاوداں......؟''
''بس تم انہیں رکھ لو۔''
''تمہاری امانت کے طور پر۔''
''جس طرح بھی چاہو۔''
''جاوداں! تمہیں میرے اوپر کس قدر اعتماد ہے۔''
''کیا مطلب؟''
''اگر میں یہ رقم دبا جاؤں تو؟''
''تو میں یہ سمجھوں گی کہ یہ اس کا صحیح مصرف تھا۔'' جاوداں اداس لہجے میں بولی۔
''میں پھر وہی سوال کروں گا۔''
''کون سا؟''
''تمہیں میرے اوپر اس قدر اعتماد ہے؟''
''ہاں ہے۔''
''اگر اعتماد ہے جاوداں! تو تم یہ کیوں سوچتی ہو کہ زندگی کے کسی اسٹیج پر تم کسی کسمپرسی کا شکار ہو جاؤ گی۔'' ہارون نے جذباتی لہجے میں کہا۔
''لیکن ہارون؟''
''ہاں جاوداں! جب تک میں زندہ ہوں تمہارا ساتھ دوں گا۔ میں کبھی کسمپرسی کا شکار نہ ہونے دوں

گا۔

”ہارون! ایک بات کہوں، برا تو نہیں مانو گے؟“

”نہیں، کہو۔“

”میں تم سے شادی کبھی نہیں کروں گی۔“

”کیوں جاوداں؟“ ہارون چونک پڑا۔

”اگر ایسا ہوگیا تو میرا ضمیر کبھی مطمئن نہ ہوگا۔“

”آخر کیوں؟“

”میں سوچوں گی کہ دنیا میرے بارے میں ہمیشہ غلط انداز سے سوچے گی۔ وہ سوچے گی کہ میں نے ہارون سے صرف اس کی دولت کے لیے شادی کی ہے۔“

”دنیا سوچتی رہے جاوداں! ہم تو نہیں سوچیں گے۔“

”پھر بھی ہارون......!“

”نہیں جاوداں! میں تمہیں زندگی کا ساتھی بنانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ تمہیں بھی میری بات ماننا ہوگی۔“

”ہارون!“ جاودان نے احتجاج کیا۔

”ہاں جاوداں! ایسا ضرور ہوگا۔“

”لیکن ابھی نہیں ہارون! خدا کے لیے میری اتنی بات ضرور مان لو۔ میں دل و جان سے تمہاری ہوں لیکن ...... لیکن بس میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔“

”میں اس کے لیے تمہیں مجبور نہیں کروں گا جاوداں! جب تمہارا ضمیر تمہیں اجازت دے مجھے بتا دینا۔“

”وعدہ کرتے ہو۔“

”ہاں، وعدہ کرتا ہوں۔“ ہارون نے پورے خلوص سے کہا اور اپنے ان الفاظ میں وہ اٹل تھا۔

”یہ روپے اٹھالو، تم کبھی کسی کسمپرسی کا شکار نہ ہوگی۔“

”نہیں ہارون! ہر ذات کو ایک سہارے کی ضرورت ہوتی ہے اور جب اسے سہارا مل جائے تو پھر کسی شے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ یہ روپے تم اٹھالو خواہ مخواہ مجھے ان کے لیے پریشان رہنا پڑتا ہے ہارون ڈیئر!“

اور ہارون مجبور ہوگیا۔ وہ معمولی رقم نہیں تھی۔ جاوداں نے اپنا سب کچھ اسے دے دیا تھا۔ اپنا مستقبل اسے دے دیا تھا۔ اس سے زیادہ وہ ہارون کو اور کیا اعتماد دیتی۔ ہارون کئی دن تک اس کے بارے میں سوچتا رہا۔

جاوداں سے اس کی ملاقاتیں بہت بڑھ گئی تھیں۔ ہارون نے اسے خوب صورت کوٹھی دکھائی، جاوداں نے اپنے ہاتھ سے اسے کھانے پکا کر کھلائے۔ اب انہیں کلب کے سہارے کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی۔ جب دل چاہتا جاوداں ہارون کے آفس پہنچ جاتی یا ہارون اس کے فلیٹ پہنچ جاتا۔

اس شام بارش ہورہی تھی۔ موسم کی شراب حوش پر چھائی ہوئی تھی۔ ہارون نے جاوداں کو اس کے فلیٹ سے لیا اور وہ بارش میں آوارہ گردی کرنے نکل گئے۔ آج جاوداں بہک رہی تھی۔ دونوں بہت خوش تھے تب اچانک جاوداں نے کہا۔

”ارے ہاں ہارون! ایک بات میں تمہیں بتانا بھول گئی۔“

”کیا؟“

”کل دن میں مجھے ایک فون ملا تھا۔“

”کیسا فون؟“

”بڑا حیرت انگیز۔ کسی نے مجھے فون کرکے کہا، میں آج کل کلب نہیں آرہی۔ میں نے پوچھا کہ کون صاحب بول رہے ہیں تو اس نے اپنا نام نہیں بتایا۔“

”کون ہوسکتا ہے؟“

”خدا جانے۔ تمہارے خیال میں کون ہوسکتا ہے؟“

”میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ کلب میں تو تمہاری کسی سے کوئی خاص شناسائی بھی نہیں تھی۔“

”بالکل نہیں۔ ظاہر ہے میں زیادہ عرصے تک وہاں گئی بھی نہیں اور جب سے گئی ہوں، تمہارے

ساتھ ہی رہی ہوں۔ کون ہو سکتا ہے۔'' جاوداں پر خیال انداز میں بولی۔
''اونہہ۔ ہوگا کوئی، چھوڑو۔ موسم کی بات کرو۔ یہ موسم آج کیا کہہ رہا ہے؟'' ہارون نے کہا۔
''جو کچھ کہہ رہا ہے، بہت برا کہہ رہا ہے۔'' جاوداں نے شرمائے ہوئے انداز میں کہا اور گردن جھکالی۔ وہ دیر تک بارش کی پھواروں میں بھیگتے رہے اور جب تھک گئے تو واپس چل پڑے، فلیٹ پر پہنچے تو جاوداں نے اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
''اوپر نہیں آؤ گے؟''
''کیوں نہیں۔'' ہارون نے کہا اور کار لاک کر کے اس کے ساتھ فلیٹ پر پہنچ گیا۔
''کیا کھاؤ گے؟''
''کچھ نہیں۔'' ہارون نے جواب دیا۔
''نہیں کچھ تو......''
''بالکل نہیں جاوداں یوں بھی ضرورت نہیں محسوس ہو رہی اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو پھر جائیں گے اور کھانا کھالیں گے۔''
''پھر چلو گے؟''
''کیا ہرج ہے، کیا تم مصروف ہو؟''
''ہر گز نہیں، میری بھلا کیا مصروفیت ہو سکتی ہے اور سب سے بڑی مصروفیت اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ تم میرے ساتھ ہو۔'' جاوداں نے خمار آلود لہجے میں کہا۔ ہارون بھی موسم کے اثر سے بہک رہا تھا۔ دیر تک دونوں خاموش رہے، دونوں اپنے خیالوں میں ڈوبے ہوئے تھے، تب ہارون نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔
''جاوداں تمہاری معیت نے مجھے کچھ نئے جہانوں سے روشناس کرایا ہے، مگر میں نہیں جانتا جاوداں کہ میری تقدیر میں یہ بے بسی کیوں لکھی ہوئی ہے؟''
''کیسی بے بسی ہارون؟'' جاوداں نے اداس نے لہجے میں پوچھا۔
''یہی کہ زندگی میں ایک ساتھی ملا اس قدر قریب آیا لیکن اس کے باوجود اتنا دور ہے۔''
''میں تم سے دور تو نہیں ہارون، جب دل چاہے چھو لو سمو لو خود میں۔'' جاوداں نے کہا اور کھسک کر اس کے نزدیک آ گئی۔ اس نے اپنا سر ہارون کے سینے پر ٹکا دیا۔
''میں...... میں تمہیں دور ہی محسوس کرتا ہوں جاوداں۔''
''میں چاہتی ہوں ہارون کہ تم دوری کے ہر احساس کو مٹا دو۔''
''جاوداں۔'' ہارون کا لہجہ کپکپا گیا۔
''ہاں ہارون، میرا بھی اب اس دنیا میں تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ میں...... میں......''
جاوداں کے ہونٹ کپکپانے لگے اور ہارون اس پر جھک گیا، اس نے جاوداں کو بازوؤں میں بھینچ لیا اور اس کے بعد انہوں نے جو منصوبے بنائے تھے، وہ سب پاش پاش ہو گئے۔ موسم ان کے اوپر حاوی ہو گیا۔ جاوداں آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھی اور ہارون بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ گیا۔ پھر وہ دونوں ایک دوسرے کی قربت میں اس طرح کھو گئے کہ دوری کا احساس باقی نہ رہا۔ ہاں جب احساس ہوا تو جاوداں لرزتی آواز میں بولی۔
''ہارون! کیا ہم نے اچھا کیا ہے؟''
''ہاں جاوداں! اچھا کیا ہے۔'' ہارون نے پر اعتماد لہجے میں کہا مگر جاوداں کچھ پریشان نظر آنے لگی۔
''لیکن ہارون......!'' اس نے کچھ کہنا چاہا۔
''تمہاری ہی ضد ہے جاوداں! ورنہ میں تو تمہیں اپنی دنیا میں شامل کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ تم جس دن مجھے اجازت دو گی میں تمہیں دلہن بنا کر اس فلیٹ سے لے جاؤں گا اور اس کے بعد ہمارے درمیان دوری نہ رہے گی۔''
''ہارون!'' جاوداں نے اس کے سینے میں سر چھپا لیا۔

''اگر یہاں تک پہنچ ہی گئی ہو جاوداں تو مجھے بتا دو، کب تک ان حسین لمحات کا انتظار کرنا ہوگا۔''

''ابھی نہیں ہارون! ابھی نہیں۔'' جاوداں نے گردن ہلائی اور ہارون مسکرانے لگا۔

''بہرصورت میں تمہارا انتظار کروں گا اور آخری فیصلہ تم ہی کر سکو گی۔'' ہارون نے کہا اور جاوداں مسکرانے لگی۔

رات ہارون جاوداں کے فلیٹ پر ہی رہا تھا۔ دوسرے دن بھی وہ کافی دیر سے دفتر پہنچا۔ اب رہ ہی کیا گیا تھا، جاوداں اپنا تن دھن من سب کچھ دے چکی تھی۔ ہارون کے ذہن میں اب اس کے سوا کوئی نہیں تھا۔

جاوداں سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ وہ دونوں قریب سے قریب تر آتے گئے۔ موسم کی ایک لغزش نے ان کے درمیان سے تمام پردے ہٹا دیے تھے لیکن اس کے بعد وہ سنبھل گئے۔ ہارون جاوداں کے حساس دل سے بخوبی واقف تھا، وہ اس کے ضمیر پر مزید کوئی داغ نہیں دینا چاہتا تھا۔

بارش والے دن سے آٹھویں دن کی بات تھی، ہارون دفتر پہنچ کر کام دیکھنے لگا اور ایک اجنبی لفافہ اس کی نگاہوں کا مرکز بن گیا۔ لفافہ کافی موٹا تھا۔ ہارون نے اسے ٹٹولا اور پھر پھاڑ لیا، لیکن لفافے سے جو کچھ نکلا، اسے دیکھ کر ہارون کا دل بند ہونے لگا۔ وہ اس کی اور جاوداں کی تصویریں تھیں، انتہائی حد تک عریاں تصویریں۔ یہ تمام تصویریں اس رات کی تھیں جس رات وہ جوانی اور موسم کی لغزش کا شکار ہو گئے تھے۔ ان تصویروں کو دیکھ کر ہارون کی آنکھیں شرم سے جھک گئیں لیکن پھر بے چین ہو کر اس نے لفافے سے وہ پرچہ نکال لیا جو ٹائپ کیا ہوا تھا۔

''ڈیئر ہارون!

انسان دنیا میں اس لیے آتا ہے کہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرے۔ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو زندگی میں کچھ حاصل نہیں کر سکتے اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جن پر زندگی کے تمام دروازے کھل جاتے ہیں لیکن وہ جنہیں سب کچھ مل جائے انہیں نہ بھولیں جنہیں کچھ میسر نہیں ہے۔ میں بھی ان ہی میں ایک سے ہوں، ایک مفلوک الحال آدمی جسے زندگی گزارنے کے لیے بہت کچھ درکار ہے۔ بڑی محنت کی ہے تم پر ہارون! اور اب اس محنت کا معاوضہ درکار ہے۔ فی الحال صرف پانچ لاکھ۔ تم ان تصویروں کو پھاڑ کر پھینک سکتے ہو، آگ میں جلا سکتے ہو، یہ تمہارا حق ہے۔ میں ان کے دوسرے پرنٹ نکلوا کر انہیں پوسٹر کی شکل میں چھاپ دوں گا اور یہ پوسٹر پورے شہر میں تقسیم ہو جائیں گے۔ پولیس ڈیپارٹمنٹ میں پہنچ جائیں گے اور جاوداں امام، ایک معزز شخص کی بیٹی اور ہارون ایک بڑا سرمایہ دار عوام کی نگاہوں میں آ جائیں گے اور انہیں بڑے آدمیوں کے کرتوت معلوم ہو جائیں گے اور یہ میرا حق ہے مسٹر ہارون! ہم دونوں ایک دوسرے کو اس کے حق سے محروم نہیں کر سکتے۔ اگر آپ میری زبان کو بند رکھنا پسند کریں گے تو پانچ لاکھ روپے نقد لے کر ہوا محل میں پہنچ جائیں اور انہیں وہاں رکھ کر واپس آ جائیں، یہ کام کل تک ہو جانا چاہیے اور اب یہ کہنے کی کوئی ضرورت تو نہیں ہے کہ اگر کوئی غلط کارروائی ہوئی تو......

تمہارا مخلص!''

ہارون کو چکر آ گیا تھا۔ خط کی تحریر اس کے حواس چھین رہی تھی۔ وہ بے حد پریشان ہو گیا تھا۔ جاوداں کا معصوم چہرہ اس کی نگاہوں میں آ رہا تھا۔ وہ خودکشی کر لے گی، کتنی جذباتی اور حساس تھی وہ...... لیکن یہ بلیک میلر...... یہ بلیک میلر ان تک کیسے پہنچ گیا؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا، کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ جاوداں کا فون آیا تو اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

''آج نہیں ملیں گے جاوداں!''

''کیوں؟'' جاوداں کے لہجے میں حیرت تھی۔

''بس کچھ ایسی ہی کاروباری مصروفیت ہے، امید ہے خیال نہیں کرو گی۔''

''نہیں ہارون! ظاہر ہے تمہاری مصروفیت

میری اپنی ہے۔ تو پھر کل......؟"
"ہاں کل شام کو میں آؤں گا۔"
"اوکے۔" جاوداں نے کہا اور فون بند کر دیا۔
وہ سوچ میں ڈوبا رہا۔ پانچ لاکھ روپے ادا کیے جا سکتے تھے، کیا وہ بلیک میلر اس کا پیچھا چھوڑ دے گا اور اگر جاوداں کو معلوم ہو گیا تو جاوداں زندہ نہ رہ سکے گی۔ یہ خیال ہارون کے لیے روح فرسا تھا۔ وہ جاوداں کی زندگی چاہتا تھا۔ اس نے لفافہ بند کیا اسے احتیاط سے اپنے لباس میں رکھ لیا اور پھر رات بھر جاگنے کے بعد اس نے یہی فیصلہ کیا کہ پانچ لاکھ روپے ادا کر دیے جائیں۔ دوسرے روز اس نے رقم کا انتظام کیا۔ دل تو چاہتا تھا کہ پولیس کو اطلاع کر دے، اس بلیک میلر کو شوٹ کر دے لیکن بدنامی کا خیال جاوداں کا خیال۔ ہوا محل شہر سے دور ایک پرانی عمارت کا نام تھا۔ اس سنسان اور ویران عمارت میں اس نے اپنی محنت کی کمائی رکھ دی اور واپس چلا آیا۔ شام تک اس کا دل عجیب سی اداسیوں کا شکار رہا تھا۔
پھر شام کو جاوداں سے ملا، نکھری نکھری جاوداں لاکھوں میں ایک لگ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر پھول کی طرح شگفتہ ہو گئی تھی۔
"یوں لگ رہا ہے جیسے کئی ہفتے گزر گئے ہوں۔" وہ ہارون سے لپٹ گئی۔
"ہاں واقعی......کیا ہے تھکے تھکے سے ہو؟"
"واقعی تھک گیا ہوں۔"
"تب آج کہیں نہیں جاتے، گھر پر آرام کریں گے۔ ٹھہرو، میں تمہارے لیے کافی بنا کر لاتی ہوں۔"
جاوداں چلی گئی، تھوڑی دیر کے بعد وہ کافی لے کر آ گئی۔ بہت خوش تھی۔ ہارون بھی اس کی خوشی میں شریک ہو گیا لیکن اب اس کے ذہن میں ہر وقت ایک پھانسی چبھتی رہتی تھی۔ وہ اتنا خوش نہیں رہتا تھا جتنا پہلے۔ جاوداں نے کتنی ہی بار اسے ٹوکا تھا لیکن ہارون نے اسے کچھ نہیں بتایا۔ دوسرے مہینے کی پہلی تاریخ کو اسے پھر وہی لفافہ مل گیا جس دیکھ کر اس کا خون خشک ہو گیا تھا، اس بار بھی ٹائپ شدہ تحریر موجود تھی۔
"ڈیئر ہارون!
امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ وہی مرغے کی ایک ٹانگ، یعنی پانچ لاکھ روپے۔ لیکن یہ ماہوار حساب نہیں ہے، بس دو یا تین بار تمہیں اور تکلیف دوں گا، اس کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ تمہاری امانت وہ نگیٹو تمہارے سپرد کر دیے جائیں گے۔ لیکن شرط یہی ہے کہ اس وقفے میں تم اسی شرافت کا ثبوت دو گے جیسا کہ پہلی بار دیا ہے اور یہ دھمکی دہراتے ہوئے مجھے بھی شرم آتی ہے کہ اگر تم نے یہ سب کچھ نہ کیا تو اس کی رسوائی تمہاری مقدر بن جائے گی۔ وہی پہلا پروگرام یعنی پانچ لاکھ۔ خدا حافظ۔
تمہارا مخلص!"
ہارون نے سوچا دس لاکھ روپے کی رقم سرمائے سے نکل جانا کوئی معمولی بات نہیں ہے لیکن ظاہر ہے اپنی عزت بچانے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔ وہ سازشی ذہن کا مالک نہیں تھا، ایک سیدھا سادہ بزنس مین تھا چنانچہ یہ پانچ لاکھ بھی اسے دینا ہی پڑے لیکن اس کے بعد وہ دو دن تک جاوداں سے نہیں مل سکا تھا تاکہ جاوداں اس کی کیفیت کا اندازہ نہ لگا لے لیکن اب اس کے دن رات سولی پر گزرنے لگے تھے۔ کوئی ایسا حل جو قابل اطمینان ہو لیکن کوئی حل سمجھ میں نہیں آیا۔ یہ دو دن اس نے شدید پریشانی میں گزارے۔ کسی مناسب حل کی تلاش کے لیے وہ بہت کچھ سوچتا رہا۔ پھر ایک ہی حل اس کے ذہن میں آیا، اس نے دس لاکھ روپے دینے کے بعد سوچا کہ جاوداں سے اس موضوع پر آخر گفتگو کر لی جائے، چنانچہ اس شام جب وہ جاوداں سے ملا تو اس کا موڈ اتنا خوش گوار نہیں تھا۔
"جاوداں! میں آج تم سے کچھ سنجیدہ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"
"تو کرو، اس میں الجھنے کی کیا بات ہے۔" جاوداں نے فراخ دلی سے کہا۔
"جاوداں! میں چاہتا ہوں کہ ایک ہفتے کے

اندر اندر ہم دونوں شادی کرلیں۔"
"کیوں؟" جاوداں نے چونک کر پوچھا۔
"بس یہ میری خواہش ہے۔"
"لیکن ہارون! تمہارا وعدہ......"
"افسوس جاوداں! اب میں اس وعدے پر قائم نہیں رہ سکتا۔" ہارون نے کہا اور جاوداں کا چہرہ تاریک ہوگیا۔ خاصی اداس نظر آنے لگی پھر لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔
"آخر کیوں؟"
"بس ایسے ہی کچھ الجھنیں ہیں جاوداں۔"
"مجھے نہیں بتاؤ گے۔"
"افسوس جاوداں! میں تمہیں ان الجھنوں کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔" ہارون نے کہا اور جاوداں کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔
"کیوں......آخر کیوں؟"
"تم نہیں سمجھتیں جاوداں! بس ایسی ہی کچھ بات ہے۔ ہمارا شادی کرلینا بے حد مناسب ہوگا۔ ہم بہت سی الجھنوں سے بچ جائیں گے۔"
"مگر کون سی الجھنیں تمہیں درپے ہیں ہارون؟"
"یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔" ہارون نے کہا۔
"آخر کیوں، یہ بات مجھے الجھن کا شکار کررہی ہے ہارون! آخر تم اس بات کو کیوں نہیں سمجھتے؟" جاوداں کے لہجے میں کسی قدر تیکھا پن آ گیا اور ہارون چونک گیا۔
"کیا مطلب؟"
"میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ اب تمہارا کوئی راز مجھ سے راز رہے گا اور تم مجھ سے کیوں چھپا رہے ہو؟"
"اس لیے جاوداں کہ جو حقیقت ہے، اسے سن کر، دیکھ کر تم برداشت نہیں کرسکو گی۔"
"میں برداشت کرلوں گی ہارون! تم اس کی پروا مت کرو، آخر کیا بات ہے؟"
"جاوداں! تم ضد کررہی ہو، کیا یہ ممکن نہیں کہ تم میری ہی بات مان لو۔"
"نہیں، میں تمہاری الجھن تک پہنچنا چاہتی ہوں ہارون! یہ میری محبت کا تقاضا ہے۔"
"تم برداشت نہ کرسکو گی؟"
"لیکن ہارون! یہ احساس میرے دل میں ہمیشہ کھٹکتا رہے گا کہ تم نے اپنا کوئی راز مجھ سے چھپالیا ہے۔"
"یہ راز ایسا نہیں ہے جاوداں! خدا کے لیے ضد مت کرو۔"
"اگر میں یہ کہوں ہارون کہ میں اسے ہر قیمت پر جاننا چاہتی ہوں تو......؟" جاوداں نے سنجیدگی سے پوچھا اور ہارون اسے دیکھنے لگا، پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔
"اگر تمہاری یہی مرضی ہے جاوداں! تو میں تیار ہوں۔ چلو اٹھو۔"
"کہاں؟"
"میرے ساتھ چلو۔"
"لیکن کہاں؟"
"میرے گھر۔"
جاوداں نے گردن ہلادی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اس کے ساتھ کار میں بیٹھ کر اس کی کوٹھی کی جانب جارہی تھی۔ ہارون اسے اپنے کمرہ خاص میں لے آیا۔ دونوں لفافوں کی تصاویر اس نے سنبھال کر رکھی ہوئی تھیں، چنانچہ اس نے بڑی بے دلی کے ساتھ ایک لفافہ نکال کر جاوداں کے سامنے رکھ دیا۔
"اسے کھول کر دیکھو جاوداں!" اس نے کہا اور کسی حادثے کا انتظار کرنے لگا اور وہی ہوا۔ جاوداں نے لفافہ کھولا، تحریر پڑھی، تصویریں دیکھیں اور دوسرے لمحے اس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ ابھری، وہ بے ہوش ہوگئی۔ ہارون پریشان ہوگیا۔ اسے جاوداں کی اس کیفیت کی توقع تھی، وہ جانتا تھا کہ جاوداں اس صدمے کو برداشت نہیں کرسکے گی، وہ اسے ہوش میں لانے کی کوششوں میں مصروف ہوگیا۔ بمشکل تمام جاوداں ہوش میں آئی اس نے سہمی ہوئی

نگاہوں سے ہارون کو دیکھا اور پھر اس کی آواز ابھری۔

''اب کیا ہوگا؟''

''میں نے تم سے کہا تھا جاوداں! تم نہ پوچھو۔''

''لیکن ہارون! یہ ضروری تھا۔ آہ تم تنہا اس عذاب کا شکار رہنا چاہتے تھے، میرے ہارون! یہ کیسے ممکن تھا؟'' جاوداں رونے لگی۔

''میں تو دو ماہ سے اس عذاب کا شکار ہوں جاوداں!''

''کیا مطلب؟''

''یہ رقم میں ادا کر چکا ہوں اور یہ دوسرا لفافہ ہے۔'' جاوداں نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے لفافہ دیکھا اور پھر بولی۔

''یہ دوسرا ہے۔''

''ہاں، میں مزید پانچ لاکھ دے چکا ہوں۔''

''کیوں ہارون...... کیوں...... تم نے دس لاکھ روپے ضائع کر دیے۔ ہاں، ٹھیک ہے اگر ہم دونوں اس منزل تک پہنچ چکے ہیں تو کسی کو کیا...... رسوائی ہوتی ہے تو ہوتی رہے۔ میں تمہارے لیے ساری دنیا سے لڑنے کو تیار ہوں، ہاں مجھے پروا نہیں ہے، کوئی کچھ بھی کہے۔''

''ہم اسے اس طرح شکست دے سکتے ہیں جاوداں کہ ہم دونوں شادی کر لیں۔ اس کے بعد وہ خود بخود ذلیل ہو جائے گا۔''

''لیکن وہ ذلیل انسان کون ہے ہارون! میں اس کا پتا لگا کر رہوں گی۔'' جاوداں نے ایک عزم سے کہا۔

''لعنت بھیجو جاوداں! جو ہوا سو ہوا، اب ہم......''

''کاش تم مجھے پہلے ہی بتا دیتے۔ کاش تم یہ رقم اسے ادا نہ کرتے۔''

''بس جاوداں! بھول جاؤ جو کچھ ہوا۔''

''نہیں ہارون! مجھے سوچنے دو...... خدا کے لیے مجھے سوچنے دو۔ مجھے تنہا چھوڑ دو...... بس مجھے سوچنے دو۔''

''جاوداں......!''

''میرے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گ
ہارون! براہ کرم مجھے میرے گھر چھوڑ دو اور سنو، اس وقت تک شادی کے بارے میں سوچ نہیں سکتی جب تک اس کا پتا نہ لگا لوں۔ آہ ہارون! تمہیں ایک بات یاد ہے؟''

''کیا؟''

''کسی نے مجھے فون کیا تھا کہ میں کلب کیوں نہیں جاتی؟''

''ہاں مجھے یاد ہے۔''

''ہارون! ہم کچھ دنوں کے لیے ملنا چھوڑ دی
ہیں میری خاطر۔ ہارون! وہی ہوگا جو تم چاہتے ہو
بس یہ میری خواہش ہے۔''

''جاوداں۔''

''میرے ہارون! میرے لیے اتنا برداشت کر لو، میں تمہاری منت کرتی ہوں۔'' اور ہارون خاموش ہو گیا۔

دوسرے دن سے ان دونوں نے ملنا ترک کر دیا۔ تین دن گزر گئے، جاوداں نے فون تک نہیں کیا تھا۔ ہارون سخت پریشان ہو گیا، چوتھے دن اس نے جاوداں کو فون کیا اور جاوداں مل گئی۔

''میں پاگل ہو جاؤں گا جاوداں...... میں پاگل ہو جاؤں گا۔''

''ہارون! اگر میں تمہیں یہ خوش خبری سناؤں ک
میں اس بلیک میلر کی راہ پر لگ گئی ہوں تو......؟''

''کیا مطلب؟''

''میرے اوپر اعتماد کرو ہارون!''

''نہیں کر سکتا جاوداں! تمہاری زندگی بھ
خطرے میں پڑ سکتی ہے۔'' ہارون نے پریشانی س
کہا۔

''ہارون آخری بار کہہ رہی ہوں کہ جو کچھ می
کر رہی ہوں، مجھے کرنے دو۔ اس کے بعد زندگی بھ
وہی ہوگا جو تم چاہو گے۔ سمجھے ہارون! بس کچھ ر

اور.....‘‘

☆☆☆

بلیک میلر کا تیسرا خط اس بار وقت سے کچھ پہلے ہی مل گیا تھا، اس نے لکھا تھا۔

’’مسٹر ہارون!

مجھے افسوس ہے کہ وقت سے پہلے تمہیں تکلیف دے رہا ہوں لیکن تمہارے لیے ایک خوش خبری ہے۔ مزید پانچ لاکھ روپے کی ادائیگی کے بعد تم ہمیشہ کے لیے اس جنجال سے نکل جاؤ گے، تمہیں نگیٹو مل جائیں گے۔ اس کے بعد تمہیں کبھی تکلیف نہیں دوں گا۔ میں زبان کا پکا آدمی ہوں، اگر کل تک تم نے بندوبست کر دیا تو ٹھیک ورنہ تم خود سمجھدار انسان ہو۔‘‘

ایک لمحے کے لیے ہارون کا دل چاہا کہ خودکشی کر لے۔ کس جنجال میں پھنس گیا تھا۔ پندرہ لاکھ روپے کی رقم نکل رہی تھی اور وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا، جاوداں کو فون کیا تو وہ نہیں ملی، فلیٹ پر بھی رات کو نہیں آئی تھی۔ ہارون سخت پریشان تھا، جاوداں نے کہہ دیا تھا کہ اگر رسوائی ہوتی ہی ہوتی رہے لیکن خود ہارون کی اپنی بھی حیثیت تھی۔ دوسرے دن بھی جاوداں نہ ملی تو اس نے رقم کا بندوبست کیا اور ہوا محل گیا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اس کے بعد کچھ بھی ہو جائے وہ جاوداں کو شادی کے لیے مجبور کرے گا۔

پانچ لاکھ کی رقم بھی اس نے بلیک میلر کو ادا کر دی۔ رات کو جاوداں خود اس کی کوٹھی پر آ گئی اور ہارون نے جلتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ’’تم دو دنوں سے کہاں تھیں؟‘‘ ہارون نے پوچھا۔

’’ابھی نہیں بتاؤں گی۔ تم اس بلیک میلر سے پہلے نمٹ لو۔‘‘

’’ہوں، کیا تم اس کے بارے میں کچھ معلوم کر سکی ہو؟‘‘ ہارون نے پوچھا۔

’’ہاں ہارون! میں نے اس چور کو پہچان لیا ہے۔‘‘

’’کون ہے؟‘‘ ہارون چونک پڑا۔

’’گرین ولا، کوٹھی نمبر ایک۔ وہ ایک دبلا پتلا شخص ہے، سیاہ چشمہ لگاتا ہے۔‘‘

’’اوہ، لیکن......‘‘

’’میری معلومات مستند ہیں اور اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہارون! ہمیں اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں مل سکا۔‘‘

’’میں اسے شوٹ کر دوں گا۔‘‘ ہارون غضب ناک آواز میں بولا۔

’’یہی بہتر ہے ہارون! ورنہ میرے دل میں آگ رہ جائے گی۔ میں کبھی پرسکون نہ رہ سکوں گی۔ میں نے اس شخص کو اکثر دیکھا ہے ہارون! وہ ہمارے پیچھے لگا رہتا ہے لیکن میں نے ہمیشہ اسے اتفاق سمجھا۔‘‘

’’لیکن تمہیں یہ یقین کس طرح ہوا؟‘‘

’’اس سے قبل مجھے ایک بات کا جواب دو ہارون؟‘‘

’’کیا؟‘‘

’’کیا آج بھی اس نے تمہیں کوئی خط دیا تھا؟‘‘

’’کیا مطلب؟‘‘

’’میں نے اسے پراسرار انداز میں ہوا محل میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔‘‘

’’کس وقت؟‘‘ ہارون نے مضطرب لہجے میں پوچھا۔

’’آج دن کو ایک بجے یہ اندر داخل ہوا اور پھر تیزی سے واپس آ گیا۔ میں اس کا تعاقب کر رہی تھی۔‘‘ جاوداں نے کہا۔

’’گرین محل کوٹھی نمبر ایک۔‘‘ ہارون کے منہ سے غراہٹ نکلی اور اس کی آنکھوں میں آگ سلگ اٹھی۔ اس نے بہت کچھ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، لیکن اس کے لیے ابھی اسے انتظار کرنا تھا۔

دوسرے دن اس نے اپنی تمام مصروفیات ترک کر دیں۔ وہ صبح ہی صبح گرین ولا کی جانب چل پڑا۔ گرین ولا کی کوٹھی نمبر ایک خاصی خوب صورت تھی۔ اس کے سامنے حبیب فاروقی کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔ ہارون اس شخص کے بارے میں معلومات

حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا، لیکن اسے زیادہ معلومات نہ ہوسکیں پھر جب وہ وہاں سے چلا تو اس کے ذہن میں بہت سی کارروائیاں تھیں۔ وہ انتقام کی آگ میں پھنک رہا تھا۔ شام تک وہ مارا مارا پھرتا رہا۔ اس کے ذہن میں ایک ہی منصوبہ تھا، وہ اس شخص کو قتل کردے جس نے اسے بلیک میل کیا ہے اور یہ ذہنی آگ اسے عقل و فراست سے کافی دور کرنے لگی تھی۔

شام تک وہ آوارہ گردی کرتا رہا اور رات گیارہ بجے پھر اس کی کار گرین ولا کے نزدیک پہنچ گئی۔ اس نے کار کو گرین ولا سے دور ایک درخت کے نیچے پارک کردیا اور عمارت کے گیٹ کی جانب چل پڑا، دروازے پر چوکیدار موجود تھا۔

''کیا مسٹر حبیب فاروقی تشریف رکھتے ہیں؟''

اس نے پوچھا اور چوکیدار چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''جی ہاں صاحب! مگر اس وقت وہ سونے کے لیے جاچکے ہیں۔'' چوکیدار نے جواب دیا۔

''اوہ، مجھے ان سے بہت ضروری کام تھا۔ ان کی اہلیہ موجود ہیں؟'' ہارون نے پوچھا۔

''نہیں صاحب! صاحب نے تو ابھی شادی بھی نہیں کی۔''

''اچھا، تعجب ہے۔ کون کون رہتا ہے یہاں؟''

''بس صاحب رہتے ہیں اور ہم دو تین ملازم۔'' چوکیدار نے جواب دیا اور اس نے گردن ہلائی۔

''اچھی بات ہے، میں کل دن میں ان سے ملاقات کرنے کی کوشش کروں گا۔'' وہ واپس پلٹ گیا اور پیدل چل دیا۔ چوکیدار کی نگاہیں اس کا تعاقب کررہی تھیں اور جب اسے احساس ہوا کہ چوکیدار اس کی طرف سے بے خبر ہوگیا ہے تو وہ ایک لمبا راستہ کاٹ کر عمارت کی بغلی سمت کی جانب آگیا اور پھر وہ عمارت کی چہار دیواری کے اندر داخل ہوگیا۔

خاصی کشادہ اور خوب صورت عمارت تھی۔ اس عمارت میں کسی ایک شخص کو تلاش کرلینا کوئی مشکل کام نہیں تھا اور پھر وہ شخص جو یہاں تنہا رہتا ہوں، اس نے اس کمرے کو دیکھ لیا جس میں ہلکی نیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور اس کی جانب چل پڑا پھر وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر عجیب تاثرات تھے، اس کی نگاہیں اس مسہری کی طرف اٹھ گئیں جس پر کوئی سورہا تھا اور پھر وہ آہستہ آہستہ مسہری کے نزدیک پہنچ گیا۔ سونے والا چادر اوڑھے لیٹا تھا، اس نے چادر گھسیٹی اور چونک پڑا۔ مسہری پر صرف تکیے رکھے ہوئے تھے، اس نے متحیرانہ انداز میں چاروں طرف دیکھا اور ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

کمرہ خالی تھا۔ وہ چاروں طرف بغور دیکھتا رہا۔ اس کی پشت دروازے کی جانب تھی تب اسے اپنے عقب میں آہٹ سنائی دی۔ اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھا، وہ ایک دبلا پتلا نوجوان تھا جس کے ہاتھ میں پستول تھا اور اس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

''ہوں...... تو تم یہاں تک پہنچ گئے؟'' اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہاں۔ کیا حبیب فاروقی تم ہی ہو؟''

''جی ہاں۔ خادم ہی کو حبیب فاروقی کہتے ہیں؟''

''تمہاری رہائش گاہ تو اچھی خاصی ہے، کیا اس کے علاوہ تمہارا اور کوئی کاروبار نہیں ہے۔'' ہارون نے پوچھا۔

''کس کے علاوہ؟'' حبیب فاروقی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''بلیک میلنگ...... گندگی اور غلاظت۔''

''بکواس مت کرو ورنہ پستول کی چھ گولیاں تمہارے بدن میں اتار دوں گا۔ تم جیسا ذلیل انسان میں نے اس روئے زمین پر کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔ میں نے تمہارے بارے میں معلوم حاصل کرلی ہیں مسٹر ہارون! بظاہر تم ایک نیک اور شریف آدمی ہو لیکن درپردہ تم جو گندہ بزنس کرتے ہو، اس کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ تمہاری ظاہری حالت بھی کافی اچھی ہے اور جہاں تک میرے علم میں

ہے، تمہارا کاروبار بھی خاصا وسیع ہے۔ تمہیں اس کی ضرورت کیوں پیش آ گئی ہارون!"

"کیا بکواس کر رہے ہو...... کیسی ضرورت؟" ہارون نے خوں خوار لہجے میں پوچھا۔

"واہ گویا تم چالاکی سے کام لے کر جان بچانا چاہتے ہو؟" حبیب فاروقی نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیا تم پاگل ہو گئے ہو۔ میں کہتا ہوں میری تصاویر اور ان کے نگیٹو واپس کر دو۔ میں نے تمہارا آخری مطالبہ بھی پورا کر دیا ہے۔" ہارون نے کہا۔

حبیب فاروقی پاگلوں کے سے انداز میں دیکھ رہا تھا پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"واقعی، تم بے حد چالاک انسان ہو۔ شاید تم اس فکر میں ہو کہ میں ذرا بھی غافل ہو جاؤں اور تم حملہ کر دو لیکن تمہاری بدقسمتی ہے مسٹر ہارون! میں اتنا احمق بھی نہیں ہوں۔ تم میری جرأت سے دھوکا کھا رہے ہو لیکن یہ معلوم کر کے شاید تمہیں خوشی ہو گی کہ میں نے ایک طویل وقت ایسے لوگوں میں گزارا جو نیک معاش نہیں تھے پھر جب میری ماں کا انتقال ہوا تو اس نے مجھے برے کاموں سے نکل آنے کی تلقین کی۔ ماں کے علاوہ اس دنیا میں میرا کوئی نہیں تھا۔ میں نے اس دن سے برائیاں چھوڑ دیں اور ان ہی نیکیوں کے نتیجے میں پندرہ لاکھ گنوا چکا ہوں۔"

"تم...... تم پندرہ لاکھ گنوا چکے ہو؟" ہارون نے چکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن تقدیر یاور ہے۔ بتاؤ میرے نگیٹو کہاں ہیں۔ اگر خود یہاں تک نہ پہنچتے تو میں آج رات خود ہی تمہیں قتل کر دیتا۔"

"تم...... تم مجھے کیوں قتل کر دیتے؟"

"اس لیے کہ تم ہی وہ بلیک میلر ہو جو پچھلے چھ ماہ سے......"

"حبیب فاروقی! بکواس مت کرو...... میں......"

"پھر تم یہاں کیوں آئے۔ کیا تمہارے خیال میں، میں تم سے بے خبر تھا۔ سنو تم آج صبح سے میری تاک میں ہو۔ تم دن میں میری کوٹھی پر آئے تھے اور اس وقت بھی اگر تم اس طرح یہاں نہ آتے تو آج رات میں تمہاری کوٹھی پر ہوتا۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گا۔" ہارون اپنے بال نوچنے لگا۔

اب حبیب فاروقی بھی کسی قدر سنجیدہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا، پھر اس نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"کہیں ہم دونوں کسی تیسرے کے جال میں تو نہیں گرفتار ہو گئے...... لیکن ٹھہرو، گفتگو کرنے سے قبل کیا میں تمہاری تلاشی لے سکتا ہوں۔" حبیب فاروقی نے کہا۔

"میرے پاس پستول ہے۔" ہارون نے کہا۔ "مجھے اجازت دو کہ میں اسے نکال لوں۔"

"یوں بھی میرے ہاتھ میں پستول ہے، مجھے تم سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

ہارون نے چکراتے ہوئے ذہن کے ساتھ گردن ہلا دی اور حبیب فاروقی نے آگے بڑھ کر اس کا پستول نکال لیا۔ اس کے بعد اپنا پستول بھی جیب میں رکھ لیا تھا۔

"ہاں یہ بتاؤ' تم پستول لے کر یہاں کیوں آئے تھے؟"

"تمہیں قتل کرنے۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ تم مجھے بلیک میل کر کے پندرہ لاکھ روپے اینٹھ چکے ہو۔"

"ہوں...... تم کس طرح بلیک مل ہوئے؟"

"اداکاری مت کرو مسٹر حبیب فاروقی!"

"ہوں ہوں...... جذباتی مت بنو۔ دوستانہ ماحول میں گفتگو کرو ورنہ میرا دماغ بھی خراب ہو سکتا ہے۔" حبیب فاروقی نے تیز لہجے میں کہا۔

"آخر تم کیا چاہتے ہو؟"

"بال کی کھال نکالنا۔" حبیب فاروقی نے مسکرا کر کہا۔

''اگر تم مجھ سے واقف نہیں ہو مسٹر ہارون! تو میں اتنا بتادوں کہ میں ایف ایچ ٹیکسٹائل کا مالک حبیب فاروقی ہوں۔''

''کیا؟'' ہارون کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ وہ کئی بار ایف ایچ انڈسٹریز کے مالک حبیب فاروقی کا نام بار ہا سن چکا تھا۔

''ہاں، میرے دوست۔ سینکڑوں ثبوت اس وقت پیش کرسکتا ہوں۔ مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے ہم دونوں ہی کسی سازش کا شکار ہو گئے ہیں۔ ٹھہرو، اگر دوستانہ ماحول میں ہی گفتگو کرنے کا ارادہ ہے تو پہلے تمہیں ایک چیز دکھادوں۔''

حبیب فاروقی نے کہا اور بولا۔

''مجھے چند لمحات کی اجازت دو گے؟''

''میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔'' ہارون نے کہا۔

''ٹھیک ہے، آجاؤ۔'' حبیب فاروقی نے کہا اور کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہاں اس نے تجوری کھولی اور اس تجوری میں سے لفافہ نکال لیا پھر اس نے لفافہ ہارون کے سامنے رکھ دیا۔ ہارون نے تصویریں نکال کر دیکھیں اور چونک پڑا۔ وہی فلیٹ تھا، وہی کمرا اور وہ بستر...... جس میں وہ ایک بار جاوداں کے ساتھ لغزش کا شکار ہو گیا تھا لیکن تصویروں میں ذرا سی تبدیلی تھی۔ ان تصویروں میں جاوداں کے ساتھ حبیب فاروقی اسی کیفیت میں نظر آرہا تھا۔ ہارون کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔ صورت حال کسی حد تک اس کی سمجھ میں آئی جارہی تھی لیکن حیرت کا شدید جھٹکا اس کے ذہن کو لگا تھا جس نے اس کے حواس معطل کردیے۔ جب اس کی کیفیت کسی قدر درست ہوئی تو اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''بالکل ایسی ہی تصویریں میرے پاس بھی موجود ہیں۔''

''کس کے ساتھ؟''

''جاوداں کے ساتھ۔'' ہارون نے جواب دیا۔

''گویا میرا خیال درست ہے۔'' حبیب فاروقی مسکرادیا۔

''مگر......مگر یہ سب کیسے؟''

''بیٹھ جاؤ ہارون! کتنے گنوائے؟''

''پندرہ لاکھ۔''

''جاوداں نے تمہیں کچھ رقم تو نہیں دی؟'' حبیب فاروقی نے پوچھا۔

''کیا مطلب؟''

''مجھے اس نے چار لاکھ روپے دے دیے تھے اور میرا اعتماد بھی حاصل کرلیا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ وہ کس قدر معصوم ہے۔ کتنی بھولی ہے کہ اس نے اپنا سب کچھ مجھے دے دیا۔''

''خدا کی قسم۔ اس نے مجھے بھی چار لاکھ روپے دے دیے تھے۔'' ہارون نے جواب دیا۔

''خوب خوب...... اس کا کھیل میری سمجھ میں آتا جارہا ہے تو پہلے میری سن لو۔ جاوداں سے میری ملاقات سن بیچ کلب میں ہوئی تھی۔ اس نے خود کو تنہا پایا اور پھر ہماری ملاقاتیں شروع ہو گئیں۔ جاوداں نے مجھے اپنی بھرپور محبت دی اور ساتھ ہی اپنی ساری پونجی یعنی چار لاکھ روپے بھی۔ میں نے اس سے شادی کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا کہ وہ مجھ سے کبھی شادی نہیں کرے گی ورنہ لوگ کہیں گے کہ وہ میری دولت سے متاثر ہوئی ہے اور پھر ایک رات ہم دونوں لغزش کا شکار ہو گئے۔ جاوداں میری بن گئی لیکن وہ شادی کرنے کے لیے پھر بھی تیار نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ مجھے ایک لفافہ ملا جس میں میری اور اس کی تصویریں موجود تھیں۔ ہمیں بلیک میل کیا گیا تھا۔ میں نے جاوداں کی وجہ سے یہ زخم خود برداشت کرلیا مگر کب تک...... جب میں پندرہ لاکھ ادا کرچکا تو میں نے جاوداں کو صورت حال سے آگاہ کیا اور وہ غم و غصے میں ڈوب گئی۔ اس نے عزم کیا کہ وہ اس بلیک میلر کا پتا لگالے گی اور پھر وہ روپوش ہو گئی۔ کل اس نے مجھے اطلاع دی کہ اس نے بلیک میلر کا پتا چلالیا ہے اور اس

کے بعد اس نے مجھے تمہارا پتا دیا۔ میں غم و غصے میں تمہارے پیچھے لگ گیا لیکن آج تم میری کوٹھی پر آئے تو میں حیران رہ گیا۔ اس وقت بھی میں تمہارا تعاقب کرتا ہوا تمہارے پیچھے آیا ہوں۔'' حبیب فاروقی نے کہا اور ہارون کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔ اتنا بڑا فراڈ...... اتنا بڑا کھیل...... اسے جاوداں یاد آرہی تھی۔ کیسی خوش گفتار، کیسی غم گسار لڑکی تھی لیکن اندر سے......

''افسوس ہو رہا ہے تمہیں میرے دوست۔ لیکن اس ناگن نے ہم دونوں کو ڈسا ہے۔ اب تم اپنی کہانی سناؤ۔''

''یقین کرو حبیب فاروقی!'' ہارون نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہاں میں یقین کرلوں گا کیونکہ صورت حال میری نگاہوں کے سامنے واضح ہوگئی ہے۔''

''تمہاری اور میری کہانی میں سر مو فرق نہیں ہے۔ میرے پاس بھی تین لفافے موجود ہیں اور جاوداں نے ہی مجھے تمہاری راہ پر لگایا تھا۔''

''لیکن اب ...وگا؟''

''اس نے بہت بڑا جرم کیا ہے۔ اس نے اعتماد کا خون کیا ہے۔ دولت اتنی بڑی چیز نہیں لیکن اعتماد کا خون...... میں اسے قتل کردوں گا۔''

''میں بھی اسے قتل کرنا چاہتا ہوں۔''

''آؤ، ہم دونوں مل کر اسے قتل کردیں۔'' ہارون اٹھ کھڑا ہوا۔

''لیکن دوست! ہماری رقم......''

''میں اس پر لعنت بھیجتا ہوں۔'' ہارون نے کہا۔

''ٹھیک ہے، تم نے میری رہنمائی بھی کردی۔'' حبیب فاروقی نے کہا لیکن اسی وقت چوکیدار نے اندر آنے کی اجازت طلب کی اور حبیب فاروقی نے اسے بلالیا۔

''علاقے کے انسپکٹر صاحب آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں صاحب!''

''اس وقت...... اچھا انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ، میں ابھی آیا۔'' حبیب فاروقی نے کہا اور چوکیدار کے چلے جانے کے بعد ہارون کی طرف دیکھا پھر وہ دونوں ہی پرسکون انداز میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ انسپکٹر بے چینی سے حبیب فاروقی کا انتظار کررہا تھا۔

''اس عمارت کے مالک آپ ہیں؟''

''جی ہاں۔ میرا نام حبیب فاروقی ہے۔ ایف ایچ انڈسٹریز کے بارے میں تو آپ نے ضرور سنا ہوگا اور یہ میرے دوست ہارون ہے۔ ہارون کنسٹرکشنز کے مالک۔''

''اوہ......'' انسپکٹر حیران رہ گیا۔ آپ دونوں تو بے حد مشہور لوگ ہیں۔ معاف کیجیے گا ہمیں تھوڑی دیر قبل کسی خاتون نے اطلاع دی تھی کہ اس عمارت کے سامنے سے گزرتے ہوئے انہوں نے کچھ بھیانک چیخوں کی آوازیں سنی ہیں...... جیسے کسی نے کسی کو قتل کردیا ہو۔ ان خاتون نے خوف کی وجہ سے اپنا نام بھی نہیں بتایا۔''

''خوب۔'' حبیب فارقی نے ہارون کو دیکھا۔

''پھر ہم آپ کی کیا مدد کرسکتے ہیں انسپکٹر؟''

''معاف کیجیے گا پولیس کا فرض......''

''ہمیں معلوم ہے لیکن کیا آپ اسے گرفتار نہیں کرسکتے جس نے پولیس سے یہ مذاق کیا ہے۔ یہاں ہم دونوں کے علاوہ کوئی نہیں ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم میں سے کسی نے دوسرے کو قتل نہیں کیا ہے۔'' حبیب فاروقی نے کسی قدر مزاحیہ انداز میں کہا۔ انسپکٹر بھی ہنسنے لگا پھر اس نے درخواست کی۔

''اس کے باوجود اگر آپ مجھے تلاشی لینے دیں تو دلی شکر گزار ہوں گا۔''

''بخوشی انسپکٹر۔ لیکن ایک شرط ہے؟''

''جی؟''

''اس کے بعد آپ ہمارے دوست بن جائیں گے۔''

''میری خوش نصیبی ہوگی۔'' انسپکٹر نے کہا اور پھر اس نے پوری عمارت کی تلاشی لی تھی اور شکریہ ادا

کر کے چلا گیا۔
"کیا سمجھے؟" حبیب فاروقی نے ہارون کو دیکھا۔
"فون اس کتیا کے علاوہ کسی اور نے نہیں کیا ہوگا۔ وہ ہم میں سے ایک کے ہاتھوں دوسرے کو قتل کروا کر باقی بچ جانے والے کو پولیس کے سپرد کرنا چاہتی تھی تا کہ کھیل ختم ہو جائے۔"
"لیکن کیا کھیل ختم ہو گیا؟"
"ہرگز نہیں۔ اس نے ہم دونوں کے اعتماد کا خون کیا ہے۔ ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"
"تو پھر چلو، یہ بھی اچھا ہے کہ پولیس نے ہم دونوں سے ابھی ملاقات کی ہے۔" حبیب فاروقی نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد ان کی کار جاوداں کے فلیٹ کی جانب جا رہی تھی۔ کار فلیٹ والی بلڈنگ سے کافی دور روک لی گئی اور پھر وہ دونوں اطراف پر نگاہ رکھتے ہوئے فلیٹ پر پہنچ گئے۔ دونوں بے حد ہوشیاری سے کام لے رہے تھے اور پولیس کے لیے کوئی نشان نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔
جاوداں نے کافی دیر کے بعد دروازہ کھولا اور حبیب فاروقی کو دیکھ کر ششدر رہ گئی۔
"اوہ ڈارلنگ...... تم اس وقت؟"
"ہاں جاوداں! میں نے اسے قتل کر دیا۔" حبیب فاروقی نے اندر داخل ہو کر کہا۔
"قتل کر دیا...... کہاں؟"
"اپنی کوٹھی پر اور اس کی لاش کو ٹھکانے لگا دیا۔" حبیب فاروقی نے جواب دیا اور جاوداں کا چہرہ زرد ہو گیا۔
"لیکن...... لیکن پولیس...... میرا مطلب ہے۔"
"پولیس ہمارے خلاف کوئی ثبوت مہیا نہ کر سکے گی جاوداں۔" دروازے سے ہارون کی آواز آئی اور جاوداں نے وحشت زدہ نگاہوں سے اسے دیکھا پھر اس نے گرنے سے بچنے کے لیے ایک میز کا سہارا لیا تھا۔
"صرف یہ بتا دو کہ تمہارا وہ ساتھی کون ہے جس نے ہم دونوں کی تصویریں بنائی تھیں۔"
"تم...... تم نجانے کیا کہہ رہے ہو؟"
"آٹھ لاکھ خرچ کر کے تیس لاکھ کما چکی ہو جاوداں! اتنا تو بتا ہی دو ورنہ ہمیں پوچھنے کے دوسرے ڈھنگ بھی آتے ہیں۔" ہارون نے کہا۔
جاوداں کی آواز بند ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا تھا۔ وہ حشت زدہ ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔
"خیر، تمہارے ساتھی کو تلاش کر لیا جائے گا۔ پہلے تم تو جہنم میں جاؤ۔" حبیب فاروقی نے لپک کر اس کی گردن دبوچ لی۔ ہارون نے اس کے بال پکڑ لیے۔ وہ اس وقت تک جاوداں کو پکڑے رہے، جب تک اس کی آنکھیں اور زبان باہر نہ نکل آئی۔ اس کے بعد دونوں نے نفرت سے اس کی لاش پر تھوک دیا۔
"اس کمینی نے ہم دونوں کے اعتماد کا خون کیا ہے۔ دولت کا کیا ہے وہ تو ہاتھ کا میل ہے۔" حبیب فاروقی نے کہا۔
"لعنت ہے اس پر۔" ہارون نے کہا پھر وہ چونکا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ حبیب نے اسے دیکھ کر کہا۔
"کیا ہوا...... کیا دیکھ رہے ہو؟"
"مجھے اس بات کا شک ہے اور اگر میرا شک صحیح ہے تو اس کا ساتھی کوئی آٹو میٹک کیمرہ ہے۔ آؤ تلاش کریں۔" ہارون نے کہا اور حبیب اسے تلاشی لیتے ہوئے دیکھتا رہا پھر ہارون نے میز کے نیچے سے وہ بٹن تلاش کر ہی لیا اور اس کا کنکشن تلاش کر کے کیمرے تک پہنچ گیا جو ایک دیوار میں لگی ہوئی تصویر کے پیچھے فکس تھا۔ اس نے وہ کیمرہ نکال لیا۔ جدید ساخت کا ڈیجیٹل کیمرہ تھا۔ اس نے تمام تصویریں ضائع کیں اور کیمرہ ساتھ لے لیا پھر وہ حبیب فاروقی سے بولا۔
"تو یہ تھا اس کا دوسرا ساتھی۔ اب ہمارے اس مشترکہ جرم کا کوئی گواہ یا ثبوت نہیں ہے۔" حبیب فاروقی نے مسکراتے ہوئے دیکھا اور دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے باہر نکل گئے تھے۔
☆☆

ستم گر

جاوید راہی

روشن جنہیں کیا وہی جلنے لگے
بن کے سانپ آستین میں پلنے لگے

انسان لالچ اور ہوس کی پیروی میں اپنی اشرافیت اور ارز سے ساتھ دھوبیٹھتا ہے۔ کیوں کہ لالچ تمام برائیوں کی کنجی ہے۔ کچھ لوگ سانپ کی سی خصلت رکھتے ہیں کہ جنہیں جتنا دودھ پلائو لیکن وہ ڈستے ضرور ہیں۔ ایسے لوگ اتنے خود غرض ہوتے کہ اپنی خواہش کی تکمیل میں اندھے ہوجاتے ہیں اور خونی رشتوں کے قتل سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

کہیں آپ کی آستین کے اندر بھی تو کوئی ایسا سانپ تو نہیں بیٹھا؟

حسین آباد تھانے کے انچارج بابر علی کو فون موصول ہوا، ایک نسوانی آواز تھی، گھبرائی ہوئی روتی ہوئی۔

''جلدی آئیے پلیز، میرے چچا جان میرے چچا جان۔'' آواز سسکیوں میں ڈوب گئی۔

''کون ہیں آپ بی بی، کیا ہوا آپ کے چچا جان کو، کسے فون کیا ہے آپ نے۔'' بابر علی نے نرم اور ہمدرد لہجے میں پوچھا۔

''قتل ہو گئے ہیں انہیں گولیاں مار کر......''

آواز رکی، پھر کہا گیا۔ ''کیا یہ پولیس اسٹیشن ہے؟''

''جی جی بالکل، میں تھانہ انچارج بول رہا ہوں، کس نے گولی ماردی آپ کے چچا جان کو۔'' بابر علی نے پوچھا۔

''آپ آجایئے، بس آجایئے۔''

''پتا بتایئے۔'' بابر علی نے کہا اور روتی ہوئی آواز نے پتا بتایا جو بابر علی کے لیے اجنبی نہیں تھا کیونکہ اس کا علاقہ تھا، جس گھر کی نشان دہی کی گئی تھی وہ ایک دولت مند شخص حیدر علی کی کوٹھی تھی۔ بابر علی نے موبائل تیار کرائی اور متعلقہ لوگوں کو لے کر چل پڑا۔ اس کی ڈیوٹی تھی حالانکہ کبھی کبھی شدید بدفطرت لوگ ایسی جھوٹی کالیں بھی کر دیتے ہیں، لیکن پولیس انہیں نظرانداز نہیں کرتی۔

فون مقتول کی بھتیجی صائمہ نادر خان نے کیا تھا، جس کی حالت اس وقت کافی بگڑی ہوئی تھی، موقع واردات پر سیٹھ حیدر علی کی لاش اس کے بستر پر پڑی ہوئی تھی، اس کو تین گولیاں ماری گئی تھیں، جن میں سے ایک گولی سر میں، ایک گردن میں اور ایک سینے پر لگی تھی۔ بابر علی نے ابتدائی کارروائی کے بعد مقتول کی بھتیجی صائمہ سے پوچھا۔

''حیدر علی آپ کے چچا تھے۔''

''جی سگے چچا، وہی میرے باپ بھی تھے۔''

''آپ یہیں رہتی ہیں۔''

''نہیں میرا گھر تاج نگر میں ہے، جہاں میں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہوں، لیکن میں زیادہ تر چچا جان کے پاس ہی رہتی ہوں کیونکہ چچی جان کی موت کے بعد وہ تنہا ہو گئے تھے۔''

''آپ کے شوہر کہاں ہیں؟''

''وہ اور شاہد شہر سے باہر کاروباری سلسلے میں گئے ہیں۔''

''کہاں؟''

''بھولا گری میں میرے شوہر نے فش فارم بنایا ہے، اس کی دیکھ بھال کے لیے شاید اور وہ ساتھ جاتے رہتے ہیں، ابھی وہاں کام ہو رہا ہے۔'' صائمہ نے بتایا۔

''شاہد کون ہے؟''

''میرا بھائی ہے مجھ سے ایک سال چھوٹا ہے۔''

''وہ کہاں رہتا ہے؟''

''یہیں چچا جان کے پاس، چچا جان ہی ہمارے سب کچھ تھے، انہوں نے ہی ہم دونوں کو پالا تھا، انہوں نے ہی میری شادی کی تھی۔''

''آپ کے شوہر کا کیا نام ہے۔''

''نادر خان۔''

اس تفصیل کے بعد بابر علی نے مزید معلومات لینا شروع کیں۔

مقتول کی بھتیجی صائمہ جو شادی شدہ لڑکی تھی، اس روز اپنے چچا کے پاس آئی ہوئی تھی، اس کا شوہر اس کے بھائی کے ساتھ فش فارم گیا ہوا تھا، وہ اپنے کمرے میں بے خبر سوئی ہوئی تھی کہ اچانک اسے فائرنگ کی آواز سنائی دی، اسے یوں لگا جیسے فائرنگ کی آواز چچا کے کمرے سے آئی ہو جو زیادہ دور نہیں تھا، وہ تیزی سے اٹھ کر چچا کے کمرے کی طرف بھاگی اور کمرے میں باآسانی داخل ہو گئی کیونکہ چچا کمرے کا دروازہ اندر سے بند نہیں کرتے تھے، اندر داخل ہو کر اس نے مدھم روشنی میں دیکھا کہ چچا جان خون میں لت پت پڑے ہیں، ان کی جسم سے جگہ جگہ سے خون نکل رہا تھا، اور لباس اور بستر خون سے تر ہو رہا تھا۔ صائمہ ہچکیوں کے دوران سب کچھ بتا رہی تھی۔

''آپ نے کسی کو کمرے سے نکلتے یا بھاگتے ہوئے نہیں دیکھا یا آس پاس کوئی نظر آیا ہو۔''
''نہیں۔''
''نہ ہی کسی کے قدموں کی آواز سنی۔''
''بالکل نہیں۔''
''گھر میں اس وقت آپ کے علاوہ کون کون تھا؟''
''بس ملازم، فضلو، مگر وہ اپنے کوارٹر میں تھا۔''
''کہاں ہے فضلو؟'' بابر علی نے پوچھا اور دبلا پتلا سہما ہوا نوکر فضلو آگے آ گیا اور اس نے کہا۔
''میں ہوں جناب جی...... گولیوں کی پھٹا پھٹ میں نے بھی سنی تھی سرکار جی، پھر جب صائمہ بی بی کی چیخ سنائی دی تو تو میں بھاگا بھاگا آیا اور......'' وہ انگوٹھے سے آنکھیں پونچھنے لگا۔''
''اس گھر میں اور کون رہتا ہے صائمہ صاحبہ۔''
''مستقل تو صرف تین افراد، چچا، بھائی شاہد اور یہ فضلو، لیکن دن کے وقت دو آدمی اور ہوتے ہیں۔''
''وہ کون؟''
''ڈرائیور جاوید خاں اور حمید مالی۔''
''ڈرائیور صرف دن میں ہوتا ہے۔''
''جی۔''
''ٹھیک ہے۔'' بابر علی نے کہا اور ضروری کارروائی کے بعد لاش پوسٹ مارٹم کے لیے روانہ کردی گئی۔ اس دوران ڈرائیور اور مالی بھی آ گئے اور ان سے پوچھ گچھ کی گئی، لیکن ان سے کوئی خاص بات نہیں معلوم ہوسکی، قتل کی اس واردات کی وجہ نا معلوم تھی، قاتل حیدر علی کو قتل کرکے بھاگ گیا تھا، اس کے علاوہ اس نے وہاں سے کوئی چیز نہیں اٹھائی تھی اس طرح یہ چوری ڈکیتی کی واردات بھی نہیں تھی، قاتل کا مقصد صرف حیدر علی کو قتل کرنا تھا، اس بارے میں بھی بابر علی نے ہر طرح کی پوچھ گچھ کر لی تھی، نیز یہ کہ حیدر علی کی کسی سے دشمنی تو نہیں تھی۔
دن کے بارہ بجے نادر خان واپس آ گیا، لیکن شاہد جمال اس کے ساتھ نہیں تھا، وہ اکیلا ہی آیا تھا، یہ اطلاع پا کر اسے سکتہ سا ہو گیا پھر اس نے شاہد کے بارے میں پوچھا۔
''شاہد کہاں ہے؟''
''وہ تو آپ کے ساتھ ہی تھا۔''
''کیا مطلب، وہ واپس نہیں آیا؟'' نادر نے حیرت سے کہا۔
''نہیں۔''
شاہد کے بارے میں نادر نے بتایا۔ ''ہم دونوں کل دوپہر کو یہاں سے ساتھ گئے تھے، بھولا گری میں میں نے ایک فش فارم بنایا ہے جہاں میں جاتا رہتا ہوں، ابھی وہاں کام ہو رہا ہے، کبھی کبھی میرے ساتھ شاہد بھی جاتا ہے، اسے وہ جگہ بہت پسند ہے، صائمہ بھی اکثر میرے ساتھ جاتی ہے، کل شاہد بھی میرے ساتھ گیا تھا، لیکن وہ رات کو فارم پر میرے ساتھ نہیں رکا وہ واپس آ گیا تھا۔''
''لیکن وہ یہاں تو نہیں آیا، جبکہ آپ کی مسز نے بتایا کہ آپ دونوں ساتھ ہی آئیں گے۔''
''حیرت ہے وہ مجھ سے یہی کہہ کر آیا تھا کہ وہ گھر جا رہا ہے۔''
''ہوں...... آپ کے خیال میں وہ کہاں جا سکتا ہے۔''
''نہیں سر، مجھے اس کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہے لیکن ہے عجیب بات اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔''
اس بارے میں صائمہ بھی کچھ نہیں بتا سکی، ویسے بھی اس کی حالت کافی خراب تھی، چہرہ سرخ ہو رہا تھا، آنکھیں رو رو کر سرخ ہو رہی تھیں۔ ''نہیں شاہد گھر نہیں آیا۔''
''خیر۔ اگر یہ حیرانی کی بات ہے تو آپ اس بارے میں ان لوگوں سے پوچھیے جو ان کے بارے میں بتا سکتے ہیں۔''
کچھ اور گفتگو سے پتا چلا کہ حیدر علی ایک نفیس اور صلح جو انسان تھا اس کی کسی سے کوئی معمولی سی بھی

رنجش نہیں تھی، نادر نے پریشانی سے کہا۔
''ہم پر تو ناگہانی آفت آئی ہے، چچا جان کی موت ہی ناقابل یقین ہے، ان کی صحت بھی شاندار تھی، اب شاہد کے بارے میں بھی تشویش ہو گئی ہے، وہ بتائے بغیر کبھی باہر نہیں رہا۔''
''میں چلتا ہوں، آپ عزیز و اقارب اور شاہد کے دوستوں میں اسے تلاش کیجیے اور جیسے ہی وہ آئے یا اس کے بارے میں کوئی اطلاع ملے مجھے فوراً بتایئے۔''
شام تک شاہد کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی لیکن مغرب سے کچھ پہلے ایک نوجوان تھانے میں بابر علی کے پاس پہنچ گیا۔ ''میرا نام شاہد علی ہے، میں حیدر علی کا بھتیجہ ہوں، جنہیں ان کے گھر میں قتل کر دیا گیا ہے۔''
''اچھا اچھا آپ کی تو صبح سے تلاش ہے، کہاں تھے آپ، پولیس کو آپ کا بیان لینا ہے۔''
''جی سر۔ میں بیان دینے کے لیے ہی آیا ہوں۔'' اس نے کہا اور اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر رومال میں لپٹی کوئی چیز نکال کر انسپکٹر بابر علی کے سامنے رکھ دی۔
''یہ کیا ہے؟'' بابر علی حیرت سے بولا۔
''یہ ریوالور ہے، وہ ریوالور جس سے آج میرے چچا کا خون ہوا ہے۔''
''ارے یہ آپ کے پاس کہاں سے آیا، کیا آپ اپنے چچا کے قاتل کو جانتے ہیں؟''
''جی ہاں میں جانتا ہوں، کیونکہ ان کا قاتل میں ہوں۔''
''کیا؟'' بابر علی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ ''آپ ہوش و حواس میں ہیں۔''
''جی۔ میں مکمل حواس میں یہ بات آپ کو بتا رہا ہوں کہ اپنے چچا کو میں نے ہی قتل کیا ہے، اسی ریوالور سے میں نے انہیں مارا ہے، اس پر میری انگلیوں کے نشانات موجود ہیں۔''
''لیکن آپ تو اپنے بہنوئی کے ساتھ ان کے فارم ہاؤس پر گئے ہیں۔''
''ہاں لیکن میں وہاں سے چلا آیا تھا اور پھر میں نے صبح کو اپنے چچا کا خون کر دیا۔''
''لیکن آپ نے ایسا کیوں کیا؟'' بابر علی نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔
''میں ان کو ہلاک کر کے ان کی جائداد اور کاروبار پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔'' شاہد جمال نے سرد لہجے میں کہا۔
''کیا یہ بے وقوفی نہیں تھی، تمہارے اور تمہاری بہن کے بارے میں اب تک مجھے جو معلومات حاصل ہوئی ہیں وہ یہ ہیں کہ چچا کی موت کے بعد آپ دونوں ہی ان کی دولت کے وارث تھے، پھر آپ کو اپنے چچا کو قتل کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟''
''میں نے بڑی مشکل میں زندگی بسر کی ہے، چچا بے حد کنجوس تھے، میری کوئی ضرورت پوری نہیں ہوتی تھی، ان کی صحت بھی شاندار تھی اور دور دور تک ان کی موت کے آثار نہیں تھے، مجھے ان کی دولت حاصل کر کے اپنی شاندار زندگی کا آغاز کرنا تھا۔''
''لیکن اب آپ کو کیا ہوا۔ کون سی چیز نے آپ کو اعتراف جرم پر مجبور کیا۔''
''میرے ضمیر نے، اس جرم کے ارتکاب کے بعد میں شدید ترین ذہنی دباؤ کا شکار رہا ہوں، مجھے لگ رہا ہے میرے چچا کی روح میرے اردگرد بھٹک رہی ہے، وہ مجھ سے ایک ہی سوال کر رہی ہے، کیوں شاہد کیوں...... میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے، میں اپنے اعصاب پر اس گناہ کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتا، اسی لیے میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں خود کو قانون کے حوالے کر دوں اور اپنے جرم کا اعتراف کر لوں۔''
بابر علی کو حیرت بھی ہوئی تھی اور افسوس بھی، تاہم یہ انوکھی بات بھی نہیں تھی، اکثر جرائم جذبات کے ہاتھوں عارضی طور پر مفلوج ہو کر کیے جاتے ہیں

اور ضمیر کی عدالت انہیں معاف نہیں کرتی، آخرکار بابر علی نے کہا۔
"ٹھیک ہے شاہد صاحب، میں آپ کا بیان ریکارڈ کرالیتا ہوں، ایک بات بتایئے جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں وہ عدالت میں بھی کہیں گے اور اس بیان سے مکر تو نہیں جائیں گے، اس پر قائم رہیں گے۔"
"جی آپ مطمئن رہیں، میں نے اپنے جرم کو تسلیم کرنے کا فیصلہ خوب غور و خوض کے بعد کیا ہے۔" شاہد نے کہا۔
شاہد کا بیان لے لیا گیا، تحریر میں بھی اور ٹیپ میں بھی اس کی آواز میں ریکارڈ کرلیا گیا، اس کے علاوہ آلہ قتل بھی پولیس نے اپنی تحویل میں لے لیا اور شاہد جمال کو لاک اپ کردیا گیا، بعد میں پستول کے معائنے سے ظاہر ہوا کہ یہ وہی ریوالور تھا جس سے حیدر علی کو ہلاک کیا گیا تھا، وہ تین گولیاں جو مقتول کے جسم سے برآمد کی گئی تھیں، اسی ریوالور سے نکلی تھیں، شاہد جمال ہی اپنے چچا کا قاتل تھا۔
ویسے بعد میں بھی پولیس نے اس سے بہت سی ضروری باتیں معلوم کی تھیں جن کے اس نے تسلی بخش جواب دیے اور پولیس نے پوری تفتیش کے بعد اسے عدالت میں پیش کردیا، جہاں اس نے اپنے جرم کا اعتراف کرلیا اور کوئی گنجائش نہیں رہی، صائمہ اپنے بھائی کے لیے پاگل ہورہی تھی اور رو رو کر ہر ایک سے کہہ رہی تھی کہ اس کا ایک ہی بھائی ہے کوئی اسے بچالے لیکن بے چارہ نادر علی بھی اس کے لیے کچھ نہیں کرسکتا تھا، اس نے جس وکیل سے بھی بات کی اس نے معذوری ظاہر کرتے ہوئے یہی کہا کہ کسی اقبالی مجرم کو بھلا کیسے بچایا جا سکتا ہے، تاہم رسمی طور پر شاہد کو جیل ریمانڈ بھیج دیا گیا لیکن صاف ظاہر تھا کہ دوسری تیسری پیشی پر اسے سزا ہوجائے گی۔

☆☆☆

"یار ہم کیسے لوگ ہیں کہ سکون سے بیٹھ ہی نہیں سکتے، ہماری طرح کے مصروف لوگ تو دعا مانگتے ہیں کہ خدایا ہمیں بھی فرصت کے چار دن دے، لیکن وہ بھی بس، دو آرزو میں کٹ جاتے ہیں اور دو انتظار میں، حالانکہ مجھ جیسا کوئی لاچار انسان تو یہی دعا مانگ سکتا ہے کہ الٰہی جرم کرنے والوں کو توفیق دے کہ وہ جرم نہ کریں اور مجھے بھی محبوب کے ساتھ کچھ فرصتِ دوراں ملے، مگر......"
"سکون اور فرصت موت کے دو نام ہیں شاہ میر صاحب، تحریک ہی کو زندگی کہتے ہیں۔" صفورا نے کہا۔
"آہ آہ آہ...... ایسے کیسے گزارہ ہوگا مس صفورا! حجلہ عروسی میں اگر کوئی ٹیلی فون آ گیا تو آپ تو وردی پہن کر تفتیش کے لیے چل پڑیں گی اور ہم......"
شاہ میر نے ایسا منہ بنایا کہ صفورا ہنس پڑی، شاہ میر نے درد بھری آواز میں کہا۔ "اللہ سے اپنی دعا واپس لے لیں اور کسی جرم کی خواہش نہ کریں ویسے بھی جرم کی دعا مانگنا گناہ ہے کہ اس سے کسی کو کوئی نقصان ہی پہنچتا ہے۔"
"میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ آج کل بڑی خاموشی ہے، ویسے میں ایک بات سوچ رہی ہوں۔"
"کیا؟" شاہ میر نے کہا۔
"اخبارات میں ایک اشتہار دیا جائے ضرورت ہے مجرموں کی جو جرائم کریں اور ہمیں اس سے آگاہ کریں، سب سے اچھا جرم کرنے والے کو......"
"توبہ توبہ...... کتنے برے خیالات ہیں آپ کے مس صفورا......اپنی ایکٹویٹی کے لیے آپ عوامی دشمن بن رہی ہیں، ویسے بے فکر رہیے ایسا اشتہار کوئی بھی اخبار شائع نہیں کرے گا۔"
"کرے گا۔" صفورا نے کہا۔
"کون؟"
"اپنا اجمل شاہ۔" صفورا نے کہا۔
"السلام علیکم۔" دروازے سے اجمل شاہ کی آواز سنائی دی اور دونوں چونک پڑے۔ "میں نے

صفورا بہن کے آخری الفاظ سن لیے ہیں، یعنی حیرت ہے میرا ذکر اور ان کی محفل میں۔''

''کمال ہے، شیطان کے تصوراتی خاکے کتنے غلط شائع کیے جاتے ہیں لمبے لمبے سینگ، بھیانک آنکھیں، زبان باہر نکلی ہوئی۔ اصل شکل یہ ہے۔ ہم آپ ہی کو یاد کررہے ہیں اجمل بھائی۔'' شاہ میر نے ہنس کر کہا۔

''شیطان میرا مطلب ہے اجمل شاہ حاضر ہے، بہن بھائی یعنی میری بہن بھائی۔'' اجمل شاہ نے کہا۔

''آیئے اجمل بھائی، ہم واقعی آپ ہی کو یاد کررہے تھے۔''

''اس بارے میں بعد میں پوچھوں گا کہ کیوں، اس وقت اپنے ایک کرم فرما کو آپ سے ملانے لایا ہوں، بہت نیک انسان ہیں، عزیز پیپر مارٹ کے مالک ہیں، ان کی سب سے بڑی خوبی ہے کہ ہمیشہ مجھے اخبار کے لیے کاغذ ادھار دے دیتے ہیں، کبھی ادھار واپس نہیں مانگتے، میں جب بھی پیسے واپس کرتا ہوں حیرت سے پوچھتے ہیں کہ یہ کون سے پیسے ہیں، آپ خود سوچیں ان سے زیادہ مجھے کون عزیز ہوسکتا ہے۔''

''کون ہیں وہ؟'' شاہ میر نے کہا۔

''عزیز احمد۔'' اجمل شاہ نے کہا اور صفورا ہنس پڑی۔

''کہاں ہیں؟''

''باہر کھڑے ہیں۔ اب شیطان تو کہیں بھی بلا اجازت آسکتا ہے اور کوئی تو نہیں، اجازت ہو تو اندر بلالوں۔''

''ضرور......ضرور بلایئے۔''

آنے والا ایک خوش شکل اور پروقار شخصیت کا مالک خوش پوش آدمی تھا۔ شاہ میر نے مسکرا کر اس کا خیر مقدم کیا تھا اور اسے بیٹھنے کی پیش کش کی تھی۔

''شکریہ......تھوڑا سا نروس ہوں پہلی بار کسی تھانے میں حاضری ہوئی ہے۔'' عزیز احمد نے کہا۔

''آپ دوستوں کے درمیان ہیں عزیز احمد صاحب! آرام سے بیٹھیے، میرا نام شاہ میر ہے اور یہ ایس آئی مس صفورا شرجیل۔'' شاہ میر نے خوش اخلاقی سے کہا۔

عزیز احمد کے چہرے پر ممنونیت کے آثار نظر آئے، اسی وقت اجمل شاہ نے کہا۔ ''میرے محترم عزیز احمد صاحب ایک مشکل کا شکار ہوگئے ہیں شاہ صاحب، میں بڑے اعتماد سے انہیں یہاں لے آیا ہوں، بات سو فیصدی قانونی اور مشکل ہے، لیکن میں نے انہیں بتایا ہے کہ اگر وہ غلط ہے تو صرف ایک شخصیت ہے جو اس کا اصل تلاش کرسکتی ہے، غلط ہے تو شاہ صاحب معذرت کرلیں گے اور اگر صحیح ہے تو دنیا کی کوئی طاقت کسی بے قصور کو سزا نہیں دے سکتی۔''

''کیا مسئلہ ہے عزیز احمد صاحب۔'' شاہ میر نے پوچھا۔

''میں ایک قتل کے کیس میں آپ کے پاس آیا ہوں۔''

''جی فرمایئے۔''

پوری کہانی سن کر شاہ میر سوچ میں ڈوب گیا، کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔ ''تو پھر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

''مجھے اور میری بہن آئزہ کو یقین ہے کہ یہ قتل شاہد جمال نے نہیں کیا ہے۔''

''اگر اس نے قتل نہیں کیا تو پھر اس نے اس قتل کا اقبال کیوں کیا ہے؟''

''یہی تو وہ اہم سوال ہے جس کے جواب میں اس سارے معاملے کا راز چھپا ہوا ہے۔''

''ہر چیز کا ایک جواز ضروری ہوتا ہے عزیز صاحب، آپ صرف اپنے دل کی بات پر ایک ایسے شخص کو بے گناہ قرار دے رہے ہیں جو خود اپنے گناہ کو قبول کررہا ہے۔''

''ہاں کیونکہ میں اس شخص کو اچھی طرح جانتا ہوں۔'' عزیز احمد نے گہری سانس لے کر کہا۔

"وہ آپ کا کون ہے؟"

"دوست اور یہ لفظ سارے رشتوں کا مجموعہ ہے۔"

"لیکن میاں ذاتی جذبات کی کوئی گنجائش نہیں ہے، یہ قانون کا معاملہ ہے، آپ ایک تعلیم یافتہ آدمی ہیں اور یہ ضرور جانتے ہیں کہ قانونی معاملات میں جذباتی رویوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا، عدالتوں میں جو کچھ ہوتا ہے وہ دلیل اور شہادتوں کی بنیاد پر ہوتا ہے، آپ عدالت کو صرف قانون ہی کی زبان میں قائل کر سکتے ہیں، آپ کسی ملزم کو صرف یہی کہہ کر نہیں بچا سکتے کہ آپ کے خیال میں وہ بہت شریف آدمی ہے اور ہرگز جرم نہیں کر سکتا، خاص طور سے اس صورت میں جبکہ وہ خود بھی اپنے جرم کا اعتراف کر رہا ہے۔"

"جی مجھے آپ کی بات سے پورا اتفاق ہے۔" عزیز احمد نے بے بسی سے کہا۔

"اچھا آپ یہ بتایئے کہ آپ کے خیال میں وہ کون سی مجبوری ہو سکتی ہے جس کی بنا پر شاہد خود کو قاتل کی حیثیت سے پیش کر رہا ہے۔"

"نہیں جناب، اگر مجھے اس کے بارے میں اندازہ ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کے بارے میں بات کرتا۔" عزیز احمد کی بے بسی قابل دید تھی جس میں شاہ میر کو بہت متاثر کیا اس نے پھر کہا۔

"اچھا کیا آپ کسی ایسے شخص کا نام بتا سکتے ہیں جس نے یہ قتل کیا ہو؟"

"جی نہیں۔"

"تو پھر۔" شاہ میر نے پہلے عزیز احمد پھر اجمل شاہ کو دیکھا تو اجمل شاہ بولا۔

"یہ ساری جرح میں انہی الفاظ میں کر چکا ہوں، آپ سے میں کچھ اور چاہتا ہوں شاہ میر صاحب۔"

"ہاں ہاں بتایئے۔" شاہ میر نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

"کچھ وقت، تھوڑا سا وقت آپ ہمیں دے دیجئے۔ اپنی آفاقی قوتوں کے ساتھ آپ اس بارے میں قانونی نہیں ذاتی حیثیت سے تحقیق کر لیجیے، اگر کوئی نتیجہ نکل آئے تو ہماری خوش بختی اور اگر شاہد جمال نے ہی یہ قتل کیا ہے تو مجبوری ہوگی، ایک بات آپ کو بتانا ضروری سمجھتا ہوں شاہد جمال عزیز احمد صاحب کی بہن آئزہ کا منگیتر ہے۔"

"اوہ......" شاہ میر نے سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑ کر کہا اس وقت صفورا بول اٹھی۔

"ٹھیک ہے، ہرچند کہ یہ کیس دوسرے تھانے کا ہے، وہاں جو کچھ بھی ہو رہا ہو، ہم اپنے طور پر اس کی تحقیق کریں گے۔" اجمل شاہ اور عزیز احمد نے چونک کر صفورا کو دیکھا تھا۔

☆☆☆

"جی نہیں، میری زبان کالی نہیں ہے، اور یہ سب میرے کہنے سے نہیں ہوا ہے، مگر میں جانتی ہوں آپ خود اس بے کاری سے بور ہو رہے تھے۔" صفورا نے کہا۔

"آپ اپنی اس زبان سے ہماری شادی کی آرزو بھی کر سکتی تھیں۔" شاہ میر نے کہا۔

"آپ خود بھی کچھ کہہ لیا کریں، سب کچھ میں ہی کروں۔" صفورا نے آہستہ سے کہا، اسی وقت زمان شاہ نے اندر آ کر ایڑھیاں بجائیں اور بولا۔

"معافی چاہتا ہوں سر، آپ کی اجازت کے بغیر تین افراد کے لیے چائے کہہ کر آیا ہوں، بڑی طلب لگ رہی تھی وہ جو شعر ہے، رسم موقع بھی ہے، الفت بھی ہے، قانون بھی ہے۔"

"سزائے موت دلوا دوں گا اگر شعر کو قتل کیا، کتنی بار کہا ہے کہ وردی پہن کر شاعری نہ کیا کرو زمان شاہ۔" شاہ میر نے کہا۔

"سوری سوری سر۔" زمان شاہ نے کان پکڑ کر کہا۔

چائے کے دوران شاہ میر نے زمان شاہ کو

پوری کہانی سنائی اور زمان شاہ گردن ہلانے لگا۔
''سر جی۔اس سے پہلے بھی ہمارے پاس ایسے کیس آئے ہیں جن میں کسی نے اقبال جرم کرلیا ہے، واقعات سیدھے ہوتے ہیں لیکن بعد میں پتا چلتا ہے کہ معاملہ ہی دوسرا تھا، میرا خیال ہے اس سلسلے میں چھان بین کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔''
''حسین آباد تھانے کا انچارج بابر علی ہے نا۔'' شاہ میر نے کہا۔
''جی سر آپ کا مرید ہے، میرے پنڈ کا رہنے والا ہے، مجھے جب بھی ملتا ہے تو کہتا ہے کہ ہم تو تیتر بٹیر کا شکار کرنے والے ہیں، شاہ میر شیر کا شکاری ہے، بڑی تعریفیں کرتا ہے آپ کی۔''
''یہ تو بڑی اچھی بات ہے، تم اس سے اب تک کی تفتیش کی پوری رپورٹ لے لو، ہم اس کے کیس میں اس کی معاونت کریں گے۔''
بابر علی اس کیس کے کاغذات لے کر آ گیا۔
''بڑا دل چاہتا تھا آپ سے ملاقات کو شاہ جی، میری خوش قسمتی ہے کہ آج آپ سے ملنے کا موقع مل گیا۔''
''شکریہ بابر علی صاحب، میرے ایک دوست نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں اس کیس پر غور کر لوں، اس کا خیال ہے کہ قتل شاہد نے نہیں کیا گیا، وہ کسی دباؤ میں ہے۔''
''ہوسکتا ہے جناب، کبھی کبھی ایسے واقعات بھی سامنے آجاتے ہیں میں نے بھی اسے لاکھ پوچھا کہ وہ کسی جبر یا دباؤ کے تحت تو یہ بیان نہیں دے رہا، اس نے انکار کردیا اس نے یہی کہا کہ اس نے دولت کے لالچ میں یہ جرم کیا ہے اور اعتراف جرم کر کے اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہے۔''

☆☆☆

عزیز احمد کو ایک بار پھر طلب کرلیا گیا۔
''اجمل شاہ صاحب نے بتایا تھا کہ آپ کی بہن آئزہ سے شاہ جمال کی منگنی ہوئی تھی۔''
''جی ہاں اور میں کچھ عرصہ کے بعد دونوں کی شادی کر دینا چاہتا تھا۔'' عزیز احمد نے بتایا۔
''معاف کیجیے عزیز احمد صاحب، آپ اس حوالے سے تو نہیں چاہتے کہ شاہد اپنے جرم سے بری ہو جائے۔''
''وہ میرا ذاتی دوست بھی ہے اور میری بہن کا مستقبل بھی، میں اسے بالکل بچانا چاہتا ہوں اور ان دونوں مقاصد کے لیے کام کرنا چاہتا ہوں، میری بہن اس صدمے کو برداشت نہیں کر سکے گی، لیکن ان دونوں باتوں سے بڑی بات یہ ہے کہ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں وہ ایک انسان دوست اور شریف آدمی ہے، بے حد رحم دل خود پر جبر کرلیتا ہے کسی دوسرے کو نقصان نہیں پہنچاتا، آپ خود سوچیے ایسا شخص کسی کو نقصان کیسے پہنچا سکتا ہے۔''
''کیا......معاف کیجیے، آپ کی بہن اور وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔''
''ان کی منگنی دونوں کی مرضی سے کی گئی تھی، دونوں خوش تھے۔''
''گرفتاری کے بعد آپ نے اس سے ملاقات کی۔''
''جی دوبار، میں نے اسے بہت سمجھایا کہ وہ اصل بات بتا دے آخر وہ کیوں اپنی جان دینے پر تلا ہوا ہے، مگر اس نے ایک ہی رٹ لگائی ہوئی ہے کہ جو کچھ اس نے کہا ہے وہ سچ ہے۔''
''آپ کی بہن تنہائی میں اس سے ملی، اس نے یہ نہیں کہا کہ اس کا کیا ہوگا۔''
''مگر اس نے وہی جواب دیا کہ جو کچھ وہ کر چکا ہے اس کی سزا اسے ملنا ضروری ہے۔''
''تو پھر آپ خود بتایے، ایسے شخص کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے، اس نے اپنی منگیتر تک کی بات نہیں مانی تو ہم لوگ کیا کر سکتے ہیں؟''
''آپ اگر کچھ کر سکتے ہیں تو ضرور کریں، وہ قاتل نہیں ہے بدنصیب ہے۔ پتا نہیں اس کے پس پردہ کیا راز ہے، لیکن کچھ ہے ضرور یہ میں دعوے سے کہتا ہوں۔''

"لیکن اس راز سے پردہ کون اٹھائے گا اگر آپ یہ کہتے ہیں عزیز احمد صاحب کہ وہ قاتل نہیں ہے اور اس کے اعتراف کے پس پردہ کچھ اور ہے تو اس پردے کی پردہ کشائی صرف آپ کر سکتے ہیں۔" شاہ میر نے سرد لہجے میں کہا اور عزیز احمد اچھل پڑا۔

"میں۔"

"جی۔"

"کیسے؟" وہ حیرانی سے بولا۔

"ہر اس پہلو کو میرے سامنے لا کر جو شاہد کے عذر کی بنیاد بن سکتا ہے، کہیں نہ کہیں تو تل کی اوٹ میں پہاڑ چھپا ہوا ہے۔"

"میں ہر وہ بات بتانے کے لیے تیار ہوں جو مجھے معلوم ہے، میں آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔"

"میں آپ لوگوں کے ماضی، آپ کے گھرانے کی مکمل تفصیل، شاہد اس کی بہن اس کے بہنوئی نادر خان اور اس کے خاندان کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں، اسی میں سے کچھ نکالا جا سکتا ہے۔"

"آپ مجھ سے جو بھی پوچھیں گے بے کم و کاست بتاؤں گا۔"

"مزید یہ کہ آپ اس بات سے مطمئن رہیں کہ کوئی بھی نازک سے نازک بات ہو آپ پورے اعتماد سے مجھے بتائیں وہ میرے اور صفورا کے پاس آپ کی امانت ہوگی۔"

"جی، مجھے بھروسا ہے۔" عزیز احمد نے کہا۔

☆☆☆

دونوں سگے بھائی تھے لیکن دونوں کی فطرت اور سوچ میں بڑا فرق تھا، بڑا بھائی صفدر علی تھا، چھوٹے کا نام حیدر علی، دونوں کی عمروں میں دو سال کا فرق تھا، پڑھا لکھا خاندان تھا، ان کا باپ ایک پرائیویٹ فرم میں منیجر کے عہدے پر کام کرتا تھا۔ چونکہ باپ تعلیم یافتہ تھا اس لیے دونوں بیٹوں کو بھی اس نے اعلا تعلیم دلوائی، لیکن شروع ہی سے دونوں بھائیوں کے رجحانات علیحدہ تھے، حیدر علی کو کاروبار سے دلچسپی تھی اور وہ کاروباری لائن کو اپنانا چاہتا تھا جبکہ صفدر علی کو کاروبار سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اس نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد ملازمت تلاش کر لی، یہ اچھی ملازمت تھی جبکہ حیدر علی نے کاروبار کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیے اور آہستہ آہستہ اس میں کامیاب ہوتا چلا گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد دونوں کی شادیاں ہو گئیں۔ صفدر علی اور حیدر علی کے والدین ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے، والدین کی جدائی دونوں بھائیوں کے لیے بڑی اندوہ ناک تھی، ایک کنبہ تھا جو ایک دوسرے سے ذہنی طور پر منسلک تھا، سب ساتھ رہتے تھے، کوئی چپقلش نہیں تھی، تاہم حیدر علی نے ایک کرم فرما کی وساطت سے شہر کے ایک اچھے علاقے میں پلاٹ لیا تھا پھر تھوڑے تھوڑے پیسے لگا کر اس کی تعمیر بھی شروع کرادی تھی۔ منصوبہ یہی تھا کہ گھر بن جائے گا تو اسے کرائے پر اٹھا کر آمدنی بڑھائی جائے گی، رہنے کے لیے ماں باپ کا گھر موجود ہے جہاں کسی کو کوئی اختلاف نہیں تھا، یہاں تک کہ مکان تیار ہو گیا، معمولی رنگ و روغن کا کام باقی تھا کہ ماں باپ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

صفدر علی ایک فرم میں کام کرتا تھا اور اسے مکان کے کرائے کی مد میں معقول رقم ملتی تھی، والدین کے جدا ہونے کے بعد مزاجوں میں کچھ تبدیلیاں ہوئیں اور فیصلہ کیا گیا کہ یہ آبائی مکان فروخت کر دیا جائے چنانچہ مکان بک گیا، حیدر علی تو اپنے تیار شدہ گھر کو مکمل کروا کر اس میں منتقل ہو گیا صفدر علی نے کرائے پر گھر لے لیا اور اپنے بیوی اور بچے کے ساتھ کرائے کی اس گھر میں چلا گیا، اس وقت صفدر علی کا صرف ایک بیٹا تھا جس کا نام اس نے شاہد جمال رکھا تھا، بعد میں ایک بٹی بھی پیدا ہو گئی جس کا نام صائمہ رکھا گیا، البتہ حیدر علی کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی، حیدر علی اور اس کی بیوی اولاد کے نہ ہونے سے افسردہ رہتے تھے، ان کی دلی آرزو تھی کہ ان کے ہاں بھی اولاد ہو، اور ان کی دولت کا کوئی وارث ہو، لیکن قدرت کو یہ

منظور نہیں ہوا۔

پھر آسمان نے رخ بدلا، جھیل کی ساکن سطح پر بھنور آ گیا اور ایک خوفناک حادثے نے دونوں خاندانوں کی بنیادوں میں شگاف ڈال دیا، شاہد جمال کی عمر اس وقت بارہ سال تھی اور اس کی چھوٹی بہن صائمہ کی عمر نو سال کی تھی، اس شام صفدر علی اور میمونہ کو ایک شادی میں جانا تھا، صرف میاں بیوی کے لیے دعوت نامہ تھا، بچوں کو گھر میں چھوڑنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا، لیکن دعوت نامہ مسٹر اور مسز کے نام کا تھا۔ اس لیے دونوں نے بچوں کو لے جانا مناسب نہیں سمجھا۔ البتہ گھر کی ملازمہ سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ رات کو رک جائے، ممکن ہے واپسی میں دیر ہو جائے۔

''ٹھیک ہے بیگم صاحب، آپ فکر نہ کریں۔''

''بچوں کو کھانا کھلا دینا۔''

''آپ بے فکر ہو جائیں، میں سب کر لوں گی۔'' ملازمہ نے کہا اور دونوں میاں بیوی اپنی کار میں بیٹھ کر چل پڑے۔ ان دنوں شادی کی تقریبات میں وقت کی سرکاری پابندی نہیں تھی، خوب بے ہودگی ہوتی تھی وقت کی بے قدری ہوتی تھی، چنانچہ ان لوگوں کو بھی واپسی میں کافی دیر ہو گئی، صفدر علی رات کو زیادہ دیر تک جاگنے کا عادی نہیں تھا چنانچہ شادی ہال میں دیر ہو جانے سے اس کی آنکھیں نیند میں ڈوب رہی تھیں اور بار بار پلکیں جھپک جاتی تھیں، گاڑی وہی چلا رہا تھا، چنانچہ نتیجہ نکل آیا، ایک ٹرالے سے بھرپور ٹکر ہوئی اور کار کے پرخچے اڑ گئے۔ دونوں میاں بیوی موقع پر ہلاک ہو گئے۔

حیدر علی کو رات گئے ہی اس ہولناک سانحے کی اطلاع مل گئی اور دونوں میاں بیوی دوڑ پڑے، بڑا قیامت خیز سانحہ تھا جس نے ان لوگوں کی زندگی کا رخ ہی بدل دی۔ شاہد اور صائمہ اکیلے رہ گئے، اب حیدر علی کے علاوہ دنیا میں ان کا اور کوئی نہیں تھا۔

طویل عرصہ تک ہر فرد سوگوار رہا، حیدر علی کے ہاں کوئی اولاد بھی نہیں تھی، ویسے بھی شاہد اور صائمہ بھائی کی نشانی تھے چنانچہ حیدر علی انہیں اپنے پاس لے آیا، صفدر علی ملازمت پیشہ تھا اس کے پاس کوئی خاص جمع پونجی نہیں تھی بس تھوڑا بہت گزارہ تھا، لیکن حیدر علی بہترین مالی پوزیشن کا حامل تھا، چنانچہ بچوں کی بہترین پرورش کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ بچے ناسمجھ نہیں تھے، ماں باپ کی اچانک جدائی نے انہیں گم صم کر دیا تھا، لیکن حیدر علی نے اپنے بے پناہ پیار اور توجہ سے دونوں کی ذہنی حالت کافی حد تک بحال کر دی۔ حیدر علی کے لیے تو وہ بھائی کی نشانی تھے چنانچہ وہ ان پر جان چھڑکتا تھا، لیکن دردانہ نے تو حد ہی کر دی تھی وہ انہیں دیوانوں کی طرح چاہنے لگی اور دونوں بچے بھی اسے سگی ماں کی طرح پیار کرنے لگے۔

''ہمارے لیے تو آپ ہی سب کچھ ہیں چاچا جان، اگر آپ نہ ہوتے تو ہم دونوں بہن بھائیوں کا نجانے کیا ہوتا آپ ہی ہمارے امی ابو ہیں۔''

بچے بڑے ہونے لگے، دونوں کی فطرتیں سامنے آنے لگیں، گزرتی عمر کے ساتھ دردانہ کو تو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ہمیشہ بے اولاد رہے گی، لیکن اس نے اپنی زندگی شاہد اور صائمہ کے لیے وقف کر دی تھی، دونوں بچے اچھی تعلیم حاصل کر رہے تھے اور اپنے باپ کی زندگی سے کہیں بہتر حالت میں پرورش پا رہے تھے، انہیں دنیا بھر کی سہولتیں حاصل تھیں، ادھر قدرتی طور پر حیدر علی کے کاروبار میں دن رات ترقی ہوتی جا رہی تھی اور وہ کافی دولت مند آدمی بن چکا تھا، اس نے کافی جائیداد بھی بنائی تھی، کوٹھیاں دکانیں اور پلاٹ، جو اس کے کاروبار کا حصہ تھے، وہ ان کی بھی خرید و فروخت کرتا رہتا تھا۔ جن سے اسے زبردست آمدنی ہوتی تھی، دونوں بچے جوان ہو چکے تھے۔ کاروبار چونکہ کافی بڑھ گیا تھا، بے شک حیدر علی کے بہت سے کارندے تھے لیکن اسے تنہا ہی پورے معاملات سنبھالنے پڑتے تھے۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ شاہد جمال اس

کے کاروبار بھی سنبھالے، اب تو وہی اس کا مستقبل تھا، یہ سب کچھ انہی دونوں بہن بھائیوں کے لیے تھا۔ایک دن حیدر علی نے اپنا مدعا ظاہر کردیا۔

''کاروبار پھیلتا جارہا ہے شاہد بیٹے اور میں بوڑھا ہوتا جارہا ہوں، لیکن میری جوانی تم ہو، میں چاہتا ہوں اب تم مجھے ریٹائر کردو۔''

''میں سمجھا نہیں چچا جان۔'' شاہد نے کہا۔

''تم جائیداد کی خرید وفروخت کا پورشن سنبھال لو، میرے پاس اس کا پھیلاؤ بھی کافی ہوگیا ہے۔''

''ارے باپ رے، یعنی پراپرٹی ڈیلر بن جاؤں۔'' شاہد نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میری کاوشوں کا مذاق مت اڑاؤ شاہد، میں نے بڑی محنت سے یہ سب کچھ بنایا ہے۔''

''میں جانتا ہوں چچا جان، لیکن مجھے ایک بات بتایئے۔'' شاہد نے منطقی انداز میں کہا۔

''آپ کے پاس کروڑوں روپے کا کاروبار اور جائداد ہے، خدا آپ کو سینکڑوں سال کی زندگی عطا فرمائے۔لیکن آخرکار زندگی کی انتہا ہوتی ہے اور ہم اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جاتے، پھر انسان ہزار کو لاکھ اور لاکھ کو کروڑ بنانے کے لیے اپنا سکھ چین کیوں تباہ کردیتا ہے۔اتنی دولت آجائے کہ زندگی سکون سے گزرے بس۔''

''نہیں بیٹے، دنیا کو دیکھو انسان ترقی کرنے کے لیے محنت کرتا ہے، اپنے وطن اپنی نسلوں کو محفوظ کرتا ہے، معیشت اسی رخ چلتی ہے، ہر شخص اسی طرح مطمئن ہوکر بیٹھ جائے تو سب کچھ تباہ ہوجائے، میرے خیال میں تم کاروبار میں دلچسپی لیا کرو، دفتر آیا کرو، میری کرسی پر بیٹھ کر جائزہ لیا کرو کہ میں کیا کرتا ہوں اور مستقبل میں تمہیں کیا کرنا ہے، میرا کیا ہے کتنی سی زندگی ہے میری، میرے بعد......''

شاہد نے جلدی سے آگے بڑھ کر حیدر علی کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور جذباتی لہجے میں بولا۔''خدا کے لیے دوبارہ اپنے منہ سے یہ لفظ نہ نکالیے، آپ کے علاوہ دنیا میں ہمارا کون ہے، آپ ایسی بات کرتے ہیں تو مجھے ابو یاد آجاتے ہیں، آپ میرے ابو ہیں آپ آپ ......'' شاہد کی آواز بھرا گئی، صائمہ کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔

''ارے نہیں، میں ابھی نہیں مروں گا، ابھی تو مجھے بہت کچھ دیکھنا ہے، صائمہ کو اس کے گھر بھیجنا ہے۔شاہد کے بچوں کے ساتھ کھیلنا ہے۔'' حیدر علی نے جلدی سے کہا۔

یہ ساری جذباتی باتیں اکثر ہوتی تھیں اور جذباتی طور پر ختم بھی ہوجاتی تھیں، صائمہ البتہ اکثر کہتی تھی۔

''چچا جان ٹھیک کہتے ہیں شاہد، تم آفس جایا کرو، ہر کام دیکھا کرو۔''

''یار مجھے اس دو اور دو چار سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، جو کام مجھے پتا ہی نہیں وہ میں کیسے کرسکتا ہوں؟''

''پھر تم کیا کروں گے۔''

''پتا نہیں۔'' شاہد لاپروائی سے کہتا۔

''یہ غلط ہے شاہد، بہت بڑا کاروبار ہے چچا جان کا اور کون ہے ہمارے سوا، لوگ تو دولت کے لیے ترستے ہیں، دولت کیا چیز ہوتی ہے، تم اس پر غور کرو، اگر تم نے اس کاروبار کو نہیں سنبھالا تو پھر اتنے بڑے کاروبار کو اور کون سنبھالے گا۔''

''پتا نہیں، تم کیوں نہیں سمجھتیں، میں اس مزاج کا انسان نہیں ہوں، بس خدا چچا جان کو سلامت رکھے۔''

صائمہ تھک ہار کر خاموش ہوجاتی وہ اکثر سوچتی کہ آخر آگے چل کر ہوگا کیا، شاہد اپنی زندگی میں کیا کرے گا، شاہد ان دنوں ایم اے کررہا تھا اور صائمہ بی اے کے پہلے سال میں تھی، ان دونوں کے بہت سے دوست اور سہیلیاں تھے جو ان کے گھر آتے جاتے رہتے تھے اسی طرح یہ دونوں بھی اپنے دوستوں کے گھر آتے جاتے تھے، حیدر علی اور اس کی بیوی دردانہ روشن خیال تھے، اس کے علاوہ یہ دنوں بچے ان کی آغوش میں پروان چڑھے تھے۔ اس پڑھے لکھے گھرانے کے ان بزرگوں کو اپنے بچوں پر

پورا اعتماد تھا، چنانچہ انہیں مناسب آزادی حاصل تھی۔

ادھر عزیز احمد بھی شاہد جمال کے ساتھ ہی پڑھتا تھا اور اس کے گہرے دوستوں میں پہلے نمبر پر تھا۔ شاہد بھی اپنے اس دوست کو بہت عزیز رکھتا تھا، عزیز احمد بڑی بے تکلفی سے شاہد کے گھر آتا جاتا رہتا تھا، خود عزیز کی دو بہنیں تھیں جن میں بڑی کا نام آئزہ تھا، آئزہ تقریباً صائمہ کی ہم عمر تھی، اس سے چھوٹی بہن نمرہ البتہ ابھی اسکول میں پڑھتی تھی، آئزہ بے شک دوسرے کالج میں پڑھتی تھی لیکن وہ بھی عزیز احمد کے حوالے سے صائمہ کی بہت اچھی دوست بن چکی تھی۔

دونوں بہن بھائی یعنی آئزہ اور عزیز احمد کی دوستی بہت آگے بڑھ چکی تھی اور جب شاہد اور آئزہ نے اپنا جائزہ لیا تو انہیں احساس ہوا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے ہیں، دونوں کے مزاج یکساں تھے اور یہی یکسانیت انہیں قریب لے آئی تھی، ویسے عزیز احمد اور آئزہ کا خاندان بھی کسی سے کم نہیں تھا، اگرچہ وہ لوگ اتنے دولت مند نہیں تھے جتنا دولت مند حیدر علی کا گھرانہ تھا، لیکن پھر بھی وہ کھاتے پیتے لوگوں میں شمار ہوتے تھے، آئزہ بہت اچھے مزاج کی لڑکی تھی، ذہین اور شائستہ مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ وہ حسین بھی تھی اور شاہد کے گھرانے کے لوگ بھی اسے بہت پسند کرتے تھے اور ان کی محبت کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ یہ خاندان اتنا گھل مل گیا تھا کہ ایک دوسرے سے جدا ہی نہیں لگتا تھا۔ آئزہ اور شاہد ایک دوسرے کے قریب آ گئے تھے، لیکن صائمہ اور عزیز احمد کے درمیان ایسا کوئی جذبہ نہیں پیدا ہو سکا تھا، ورنہ شاید صائمہ آسانی سے اس کی زندگی میں آ سکتی تھی۔ ان دونوں کے مزاج میں، پسند اور ناپسند میں، ان کی سماجی رویوں میں کافی فرق تھا، عزیز احمد اپنے لیے ایک ایسی لڑکی چاہتا تھا جس کے ساتھ اس کی ذہنی مطابقت ہو اور جو زندگی کے سفر میں اس کے لیے زیادہ مسائل نہ پیدا کرے جبکہ ان ملاقاتوں میں اس نے محسوس کیا تھا کہ صائمہ کافی حد تک مغرور لڑکی ہے، اس کی بہت سی باتوں سے اس کا اندازہ ہوتا تھا ویسے دونوں ایک دوسرے سے خوش اخلاقی سے ملتے تھے لیکن دونوں ہی کو اندازہ تھا کہ ان کے دلوں میں ایسا کوئی جذبہ نہیں پیدا ہو سکا جو انہیں ایک دوسرے سے قریب کر دیتا۔

پھر نادر خاں اچانک صائمہ کی زندگی میں داخل ہوا اور اس پر بڑی تیزی سے چھاتا چلا گیا، بلاشبہ نادر خاں بہترین مردانہ وجاہت رکھتا تھا، اس کا قد چھ فٹ دو انچ تھا، رنگ سرخ و سفید، آنکھیں چمک دار اور چہرہ کرختگی لیے ہوئے تھا۔ اس کے انداز سے لگتا تھا کہ وہ قوت تسخیر رکھتا ہے اور اس نے واقعی صائمہ کو تسخیر کر لیا، اس کا تعلق ایک متمول گھرانے سے تھا، اس کا باپ بھی کاروبار کرتا تھا، اس کے علاوہ وہ سیاست میں بھی حصہ لیتا تھا اور اس کے ذریعے زبردست مفادات حاصل کرتا تھا، بلکہ سیاست بھی اس کے کاروباری امور کا ایک حصہ تھی اور وہ اس سے پورے فائدے حاصل کرتا تھا۔

صائمہ سے اس کی ملاقات اپنی دوست ثمن کے ہاں ایک تقریب میں ہوئی تھی۔

''اوہو۔ مس صائمہ۔ میں آپ کے چچا جان سے واقف ہوں، شاید انہیں بھی میرا نام یاد ہو۔''

''اچھا کیسے؟'' صائمہ نے اس شخص میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''میں نے نیو وے پر اپنا ایک فش فارم بنایا ہے، فش فارم کی یہ زمین میں نے ان سے ہی خریدی تھی۔''

''گڈ...... کبھی ہماری طرف آیے۔'' صائمہ نے کہا۔

''کبھی؟'' نادر نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''جی...... میں سمجھی نہیں۔''

''میرا مطلب ہے کل شام کی چائے پر کیوں نہیں۔'' نادر خان نے بے تکلفی سے کہا اور صائمہ ہنس پڑی۔

''کل آ جایے۔'' وہ بولی۔

''نہیں جناب اس لہجے میں نہیں، ایسے ہم نہیں آئیں گے۔''

''تو پھر؟''

''تھوڑے سے چاہت بھرے انداز میں کہیں، نادر خاں صاحب آپ اگر کل شام کی چائے میرے ساتھ پییں تو مجھے خوشی ہوگی۔''

صائمہ خوب ہنسی، پھر اس نے اسی انداز میں نادر خاں کو چائے کی پیشکش کی جسے اس نے قبول کر لیا، تقریب کے دوران ہی ثمن نے صائمہ سے کہا۔

''یار صائمہ میں تم سے تھوڑی جیلس ہوگئی ہوں۔''

''ارے کیوں؟'' صائمہ نے حیرت سے کہا۔

''نادر خاں کے ساتھ تمہاری جوڑی کس قدر سج رہی تھی، تم یقین کرو مجھ سے کئی لڑکیوں نے کہا کہ ذرا اس حسین جوڑے کو دیکھا، کتنا پیارا لگ رہا ہے، بس کیا کروں، اگر میری منگنی ناصر سے نہ کردی گئی ہوتی تو......تو میں نادر خان پر ضرور ڈورے ڈالتی۔''

''تو کیا ہے منگنی توڑ دو؟''

''ہائے مجھے ناصر سے پیار بھی تو ہے۔'' ثمن نے مسخرے پن سے کہا اور صائمہ نے اس کی پیٹھ پر دھول جمادی، لیکن وہ رات ایک اجنبی سی رات جو پہلے کبھی نہیں آئی تھی، وہ چہرہ وہ آواز آنکھوں میں نیند نہیں آنے دے رہی تھی وہ سوچتی رہی۔

دوسرے دن وہ آ گیا۔ صائمہ نے سادگی سے گھر میں بتا دیا کہ اس نے شام کی چائے پر ایک مہمان بلایا ہے، اہتمام کیا۔ یوں اس گھر میں نادر خاں داخل ہوا، اس نے اپنی ساحرانہ قوت سے پورے گھر سے دوستی کرڈالی، شاہد بھی اس سے گھل مل گیا۔

سارے گھر والوں کو جلد ہی اس بات کا پتا چل گیا کہ نادر خاں اور صائمہ ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے ہیں۔ حیدر علی ان کی شادی کے بارے میں سوچنے لگے، کہیں نہ کہیں تو اس کی شادی کرنی تھی، نادر خاں اس لحاظ سے اچھا لڑکا تھا کہ تعلیم یافتہ تھا۔ ایک اچھے کاروباری گھرانے سے تھا اور بظاہر اس میں کوئی برائی نہیں نظر آتی تھی، پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ صائمہ جیسی نک چڑھی لڑکی نے اسے پسند کرلیا جو کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی، شاہد جمال کو بھی کوئی اعتراض نہیں تھا، چنانچہ نادر خاں کے گھر والوں نے رشتہ دیا اور اسے منظور کرلیا گیا، اور کچھ عرصے کے بعد دونوں کی شادی ہوگئی۔

اس شادی سے عزیز احمد کو بھی خوشی ہوئی تھی، اس کی اور شاہد کی گہری دوستی تھی اور کئی بار اسے محسوس ہوا تھا کہ حیدر علی اور صائمہ کے سلسلے میں اس کی طرف متوجہ ہیں اور اس بات کے خواہش مند ہیں کہ عزیز احمد کے گھر والے صائمہ کے لیے عزیز احمد کا رشتہ دیں، لیکن عزیز احمد اور صائمہ ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے تھے، دونوں کے درمیان میں ایک رسمی سی سلام دعا تھی، عزیز احمد کو خطرہ تھا کہ کہیں اس کا عزیز ترین دوست اس سے اپنی بہن کے ساتھ شادی کی فرمائش نہ کر بیٹھے، یہ لمحات عزیز احمد کے لیے بڑے روح فرسا ہوتے، وہ فیصلہ نہ کر پاتا کہ اسے کیا کرنا چاہیے، لیکن شکر تھا کہ نادر خاں نے اس کی یہ مشکل حل کردی تھی، اس نے بھی بڑھ چڑھ کر اس شادی میں حصہ لیا تھا، اس کے علاوہ حیدر علی اور دردانہ نے یہ شادی اس طرح کی تھی کہ شاید صفدر علی بھی اس شان و شوکت سے یہ شادی نہ کر پاتے، انہوں نے صائمہ کو دل کھول کر جہیز دیا تھا۔ اس کے گھر والے تو نہال ہوگئے تھے، لیکن خود نادر خاں بھی ہواؤں میں اڑ رہا تھا، سسرال والوں نے اسے سلامی میں قیمتی کار اور صائمہ کو ایک خوب صورت کاٹیج دیا تھا۔

صائمہ تو اپنے گھر چلی گئی، ادھر آئزہ اور شاید تیزی سے ایک دوسرے کے قریب آ گئے تھے، شاہد عزیز احمد کا گہرا دوست تھا یہ جان کر اسے بے حد خوشی ہوئی کہ شاہد اس کی بہن کو پسند کرتا ہے، تب دردانہ نے ایک دن عزیز احمد سے کہا۔

''بیٹے اصولی طور پر مجھے تمہارے گھر آ کر یہ بات تمہارے اہل خاندان سے کرنی چاہیے تھی، لیکن میں تمہیں شاہد سے کم نہیں سمجھتی، اس لیے پہلے تمہارا عندیہ لینا چاہتی ہوں، تاکہ آگے اعتماد سے بات کر

سکوں۔“

”حکم چچی جان۔“ عزیز احمد نے کہا۔

”میں شاہد جمال کا رشتہ آئزہ کے لیے دینا چاہتی ہوں، تمہاری کیا رائے ہے؟“

”اس کا فیصلہ بھی آپ ہی کو کرنا ہوگا چچی جان، وہ آپ ہی کی بیٹی ہے۔“ اور دردانہ نے فیصلہ کرلیا چنانچہ عائزہ کی منگنی بڑی دھوم دھام کے ساتھ شاہد سے ہوگئی، لیکن شادی کے بارے میں طے ہوا کہ وہ ایک سال کے بعد کی جائے گی کیونکہ عزیز احمد کے سگے تایا امریکہ میں رہتے تھے اور وہ آئندہ سال میں اپنے اہل خاندان کے ساتھ آسکتے تھے، مزید یہ کہ ان کا خاندان بہت بڑا تھا اور دنیا کے مختلف ملکوں میں رہتا تھا اس لیے ان کی شرکت کے لیے بھی وقت درکار تھا، منگنی میں بھی سب کی کمی محسوس کی گئی تھی جسے شادی میں پوری کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا اور اس میں دونوں گھرانوں کو اعتراض نہیں تھا۔

لیکن فیصلے اصل میں کہیں اور ہوتے ہیں اور وہی فیصلے مستحکم ہوتے ہیں وہی ہوا، دردانہ پر کچھ عرصہ کے بعد ہی فالج کا حملہ ہوا، وہ تقریباً ایک ماہ ہسپتال میں رہی، پھر گھر واپس آ گئی، لیکن وہ معذور ہوگئی تھی اور چل پھر نہیں سکتی تھی، ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ وہ ہمیشہ کے لیے معذور ہوگئی ہے اور اب کبھی چل پھر نہ سکے گی۔

حیدرعلی کے لیے یہ سانحہ بے حد خوف ناک تھا، وہ دردانہ سے بے پناہ محبت کرتا تھا، حالانکہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں اس کے دوستوں نے بارہا اسے مجبور کیا کہ وہ دوسری شادی کرلے، خود دردانہ نے بھی کئی بار کہا کہ وہ بڑی خوشی سے دوسری شادی کی اجازت دیتی ہے وہ دوسری شادی کرلے، لیکن حیدر علی ہنس کر خاموش ہوجاتا تھا یا پھر کہتا تھا۔

”ٹھیک ہے میں تیار ہوں لیکن ایک شرط پر۔“

”بتاؤ۔“

”تمہیں گارنٹی دینی ہوگی کہ دوسری بیوی کے ہاں اولاد ضرور ہوجائے گی۔“

”یہ میں کیسے کہہ سکتی ہوں؟“

”میں اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا، اتنی چاہت تھی دونوں کے درمیان اور اب اچانک دردانہ کا جیتا جاگتا وجود زندگی سے بھرپور بدن اچانک گوشت کے بے جان لوتھڑے کی شکل اختیار کرگیا تھا، دردانہ کو اس حال میں دیکھ کر اس کا کلیجہ پھٹتا تھا۔

جس وقت دردانہ پر فالج کا حملہ ہوا تھا اس وقت صائمہ اور نادر خان سیر و تفریح کے لیے یورپ جانے کا پروگرام بنا رہے تھے، انہیں رکنا پڑا، نادر خان کا موڈ خراب ہوگیا، اس نے تنہائی میں کہا۔

”تمہاری شادی ہوچکی ہے، اب دردانہ آنٹی کی دیکھ بھال تمہاری ذمے داری نہیں ہے، ہماری زندگی کے یہی دن سیر و سیاحت کے لیے ہیں، اور کہاں وقت ملے گا۔ حیدر انکل ان کے لیے ایک نرس رکھ لیں جو ان کی دیکھ بھال کرسکتی ہے۔“

”میں چچا جان سے بات کرتی ہوں۔“ صائمہ نے کہا۔

صائمہ کی بات کے جواب میں حیدرعلی نے کہا۔

”نرس کل صبح سے آجائے گی صائمہ لیکن تمہاری بات اور ہے، ہم نے اپنی اولاد کی حیثیت سے تمہیں ہی دیکھا ہے، دردانہ تمہیں کتنا چاہتی ہے، تم جانتی ہو، تم لوگ کچھ عرصے کے لیے اپنا پروگرام ملتوی کردو۔“ حیدرعلی نے صائمہ کے چہرے کی کشمکش صاف محسوس کرلی تھی۔

اس کے بدن میں ایک لمحے کے لیے تھرتھراہٹ پیدا ہوگئی، کسی نے کہا تھا کہ حیدرعلی یہ تیرے اپنے بچے نہیں ہیں۔ تیرا خون نہیں ہے انہیں اتنا پیار نہ کر کہ جواب نہ ملنے سے دکھی ہوجائے، یہ تجھے وہ نہیں دے سکیں گے جو تو انہیں دے رہا ہے۔

”پاگل ہو تم۔ وہ میرا خون کیوں نہیں ہے۔ میرے بھائی کی اولاد ہیں۔ میں انہیں اپنی ہی اولاد کہتا ہوں۔“ لیکن صائمہ کی آواز اسے بڑی اجنبی سی لگی، وہ کہہ رہی تھی۔

”یہ بہت مشکل ہے چچا جان، سارے

انتظامات مکمل ہو چکے ہیں اور نادر کو شاید اچھا نہ لگے۔“

”ایں...... ہاں یہ تو ہے۔“ اس کے علاوہ حیدر علی کو کچھ اور کہتے نہ بن پڑا، صحیح جواب مل گیا تھا، اس کے ٹوٹے دل کو شاہد کی آواز نے ڈھارس دی۔

”میں ہوں نا چچا جان آپ فکر نہ کریں، میں چچی جان کو نرس کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑوں گا، میں خود ان کے پاس چوبیس گھنٹے رہوں گا۔ آپ بالکل بے فکر ہیں۔“

”حیدر علی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

صائمہ اور نادر خان یورپ چلے گئے، لیکن شاہد قول نبھایا، اس نے حق نمک ادا کر دیا، وہ واقعی چوبیس گھنٹے دردانہ کی مسہری کے ساتھ لگا بیٹھا رہتا تھا، ایسے وقت میں آئزہ نے اس کا بھرپور ساتھ دیا، شاہد جمال کی منگیتر کی حیثیت سے ہی سہی وہ سارے کاموں میں پیش پیش رہتی تھی۔ نرس کے ساتھ مل کر وہ دردانہ کو غسل کراتی اس کا لباس بدلواتی ہر کام اپنی نگرانی میں کراتی تھی اور نہ صرف حیدر علی بلکہ شاہد بھی اس کے بہت شکر گزار تھے۔

”یہ غلط ہے اس طرح شاہد تم میری حیثیت اجنبی کر دیتے ہو، وہ میری چچی جان بھی تو ہیں، بولو نہیں ہیں؟“

”ہیں......“ شاہد علی پیار سے کہتا۔

نادر خان اور صائمہ کوئی دو ماہ کے بعد واپس آئے۔ یورپ سے واپسی پر وہ دوسرے دن حیدر علی کے گھر آئی تھی۔

”کل بارہ بجے دن میں پہنچی تھی، ایسی تھکی ہوئی تھی کہ آنے کی ہمت ہی نہ پڑی، کیسی ہیں چچی جان؟“ صائمہ نے اجنبی لہجے میں پوچھا۔

”ٹھیک ہیں۔“ حیدر علی نے آہستہ سے کہا۔

صائمہ بھول گئی تھی کہ صفدر علی نے اس کے لیے کچھ خاص نہیں چھوڑا تھا، اس کی جو شان و شوکت تھی وہ حیدر علی کے دم سے تھی اور اس چچی نے اسے اپنی سگی اولاد کی طرح پالا تھا۔ لیکن اب اس کے پاس چچی کے لیے کوئی وقت نہیں تھا۔ ہفتے میں ایک آدھ بار وہ اسے دیکھنے آ جاتی تھی۔

پھر اچانک دردانہ کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت اس کے پاس کوئی نہیں تھا۔ نرس اس کو کھانا کھلا کر گئی تھی، حیدر علی شاہد کو ایک ضروری کام سے اپنے ساتھ لے کر گیا تھا، واپس آیا تو دردانہ مر چکی تھی، نرس نے کانپتی آواز میں کہا۔

”بالکل ٹھیک تھیں سر، بس دس منٹ کے اندر ختم ہو گئیں۔“

گھر پر غموں کی بارش ہو گئی، حیدر علی کے لیے بیوی کی موت بہت بڑا صدمہ تھی، کوئی بھی تو نہیں تھا، دردانہ آخری وقت کی ساتھی تھی۔ بیوی بیوی ہوتی ہے۔ ہر دکھ درد کی ساتھی، وہ بہت نڈھال ہو گیا، زندگی کے معمولات سے دلچسپی لینے کے لیے اب اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا، بس شاہد ہی اس کے ساتھ لگا رہتا تھا۔ صائمہ کی بے اعتنائی وہی تھی۔ وہ اکثر شوہر کے ساتھ آ جاتی تھی۔ اور رسمی طور پر گھر کی دیکھ بھال کی اداکاری کرتی تھی، پھر واپس چلی جاتی تھی۔ ہاں آئزہ اور اس کا بھائی اور شاہد کا دوست ان لوگوں کی ہر طرح خبر گیری کرتے تھے۔

صائمہ بظاہر تو چچا کی دلجوئی کے لیے آتی تھی، لیکن آہستہ آہستہ وہ گھر کی ساری قیمتی چیزیں چچی جان کی نشانی کہہ کر ساتھ لے جاتی تھی اور یہ کام وہ اکیلی نہیں کرتی تھی۔ ان چیزوں کے انتخاب میں نادر خان اس کے ساتھ بلکہ اس سے کچھ آگے ہوتا تھا۔ بیچارے حیدر علی کو تو اپنے تن بدن کا ہوش نہیں تھا۔ اس نے تو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا کہ صائمہ اور نادر خان کیا کر رہے ہیں اور کس بے حیائی سے ایک ایک چیز پر ہاتھ صاف کرتے ہیں۔ لیکن شاہد نے اب بہن اور بہنوئی کی خود غرضی اور لوٹ مار پر غور کرنا شروع کر دیا تھا۔ اسی طرح آئزہ بھی سب کچھ دیکھ رہی تھی اور سمجھ رہی تھی۔ دردانہ کی موت کے بعد صائمہ کی یہاں آمد و رفت اور کم ہو گئی اور گھر کی جس قدر صفائی کرنا تھی وہ کر چکی تھی اور اب وہ شاذ و نادر حیدر علی کے

پاس آتی تھی جبکہ حیدر علی اسے یاد کرتا رہتا تھا اور اس کے رویے پر افسردہ رہتا تھا۔
دردانہ کی موت کے چھ ماہ بعد حیدر علی کو قتل کردیا گیا، حیدر علی کے قتل کی اطلاع تھانے دار عزیز احمد کو صائمہ کے فون سے ملی تھی۔ صائمہ نے زاروقطار روتے ہوئے عزیز احمد کو بتایا کہ چچا جان کو گولی مار کر ہلاک کردیا گیا ہے عزیز احمد ہکا بکا رہ گیا تھا، بمشکل اس کے منہ سے نکلا۔ ''کب...... کہاں۔''
''ان کے کمرے میں خون میں لت پت ان کی لاش پڑی ہوئی ہے۔'' صائمہ ہچکیوں کے درمیان بولی۔
''شاہد سے بات کرواؤ۔ وہ کہاں ہے؟''
''وہ گھر پر نہیں ہے۔''
''اور نادر بھائی۔''
''نادر سے بھی رابطہ نہیں ہورہا ان کے فون پر شاید سگنل نہیں آرہے، میں سخت پریشان ہوں عزیز بھائی، آپ پلیز پلیز میرے چچا جان......'' صائمہ کی ہچکیاں بندرہی تھیں۔
''آپ خود کو سنبھالیں صائمہ، میں بس ابھی پہنچ رہا ہوں۔'' عزیز احمد نے کہا اور اس سلسلہ منقطع کردیا، پھر اس نے آئزہ کو یہ ہولناک خبر دی اور وہ بھی دنگ رہ گئی۔ پھر دونوں بہن بھائی بھاگم بھاگ حیدر علی کے گھر پہنچ گئے۔ پولیس پہلے ہی وہاں آچکی تھی اور انچارج بابر علی اپنا کام کررہا تھا اور پوچھ گچھ کا سلسلہ جاری تھا۔
''شاہد کہاں ہے؟''
''وہ نادر کے ساتھ گئے ہوئے ہیں۔''
''کہاں؟''
''شاید فش فارم۔''
''کب سے گئے ہیں...... آج۔''
''نہیں کل دوپہر سے۔''
''آپ کب یہاں پہنچیں۔ آپ کو کس نے خبر دی؟'' عزیز نے پوچھا۔
''میں یہیں تھی، نادر خاں کے ساتھ آئی تھی۔''
اس کے بعد نادر شاہد کو لے کر چلے گئے اور میں چچا جان کے ساتھ رہ گئی۔ نادر اور شاہد کہہ کر گئے تھے کہ وہ آج گیارہ بجے تک آجائیں گے۔'' عزیز احمد اور آئزہ بھی اس ہولناک واقعے سے بہت متاثر تھے۔ وہ لوگ صائمہ کو تسلیاں دے رہے تھے صائمہ کی حالت کافی خراب ہورہی تھی وہ رورو کر کہہ رہی تھی کہ آج وہ یتیم ہوئی ہے۔ چچا اور چچی نے ہم دونوں بہن بھائی کو کبھی ماں باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی۔
پھر نادر خان واپس آگیا لیکن وہ اکیلا تھا۔ اس نے یہ حیرت انگیز انکشاف کیا کہ شاہد اس کے پاس نہیں تھا وہ کل شام ہی فارم ہاؤس سے غائب ہوگیا تھا اسے بتائے بغیر، اس کا موبائل بھی بند تھا۔ بعد میں اسے سارا دن تلاش کیا گیا لیکن اس کا کوئی پتا نہیں چلا...... پھر شام کو یہ وحشت ناک خبر ملی کہ شاہد جمال نے تھانے میں حاضر ہوکر خود کو حیدر علی کے قاتل کی حیثیت سے پیش کردیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ پستول بھی پولیس کے حوالے کردیا گیا ہے جس سے گولیاں چلا کر حیدر علی کو قتل کیا گیا۔
صائمہ دیوانی ہوگئی تھی۔ اس پر غشی کے دورے پڑرہے تھے۔ ہوش میں آتی تو یہی کہتی ''ہائے شاہد، یہ تو نے کیا کیا، تو نے فرشتے کو مار ڈالا۔''
آئزہ اسے سہارا دیے ہوئے تھی حالانکہ اس کا دل بیٹھا جارہا تھا، شاہد اس کی محبت، اس کا مستقبل تھا۔ اب کیا ہوگا۔ شاہد کسی کو مار سکتا ہے کیا۔
دوسری طرف نادر خان بھی دنگ تھا۔ اس نے پولیس کو بیان دیا ہے کہ اس نے دولت کے لیے حیدر علی کو قتل کیا ہے۔ لیکن سب کچھ اسی کا تو تھا۔ اس جرم کی کیا ضرورت تھی۔ ایک دن سب کچھ اسی کو ملنا تھا۔
جو سنتا تھا حیران رہ جاتا تھا، سگے بھتیجے نے اپنے چچا کو ماردیا اور پھر خود ہی تھانے میں پیش ہوکر اپنے جرم کا اعتراف کرلیا۔
''وہ ایسا نہیں کرسکتا آئزہ...... وہ ایسا کبھی نہیں کرسکتا، میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔''
آئزہ بھائی کے شانے سے سر ٹکا کر رو پڑی۔

’’میں جانتی ہوں بھائی، مجھے معلوم ہے شاہد کسی کو......‘‘ آئزہ کی آواز بند ہوگئی، بمشکل اس نے کہا ’’پتا نہیں پولیس ان کے ساتھ کیا سلوک کررہی ہوگی۔‘‘

’’نہیں...... پولیس اس کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کرے گی کی اس نے تو خود جرم کا اعتراف کیا ہے؟‘‘

’’آپ پولیس اسٹیشن جاکر شاہد سے ملیں۔ ان سے پوچھیں...... وہ تو آپ کے گہرے دوست ہیں، آپ کو سب کچھ بتادیں گے۔‘‘ آئندہ نے کہا۔

’’ہاں میں اس سے ملتا ہوں، وہ ایسا کرہی نہیں سکتا۔ اس کی فطرت سے واقف ہوں میں، وہ خود تو ہر تکلیف برداشت کرسکتا ہے کسی اور کو دکھ نہیں دے سکتا۔‘‘

عزیز احمد بابر علی کے تعاون سے شاہد سے ملنے میں کامیاب ہوگیا۔

’’اور اگر تم مجھ سے بھی یہی کہو شاہد کہ تم نے حیدر علی کو قتل کیا ہے تو میں خود کو دنیا کا ناکام ترین انسان سمجھوں گا۔ مجھے فخر تھا کہ میں تمہارا گہرا دوست تھا اور ہم کبھی دو بن کر نہیں سوچیں گے۔ کیا تم مجھے اصلیت بتادو گے؟‘‘ عزیز احمد نے کہا۔

’’اصلیت وہی ہے عزیز احمد، جو میں نے پولیس کو بتائی ہے میں نے جرم کیا ہے اس کا اعتراف کیا ہے؟‘‘ شاہد نے غم میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔

’’جھوٹ بول رہے ہو تم، مجھ سے بھی جھوٹ بول رہے ہو۔ تم ایسا کرہی نہیں سکتے۔ تم اپنے چچا سے جتنا پیار کرتے تھے مجھ سے زیادہ کون جانتا ہے؟‘‘

’’بس...... شیطان انسان کے ساتھ برا ہی کرتا ہے۔ میں ہوس اور لالچ کا شکار ہوگیا تھا، لیکن اب اپنے کیے پر شرمندہ ہوں اسی لیے میں خود کو سزا دلوانا چاہتا ہوں، مجھے جینے کا حق نہیں ہے۔‘‘

’’کاش تم پہلے جیسے مخلص شاہد بن جاؤ، کاش تم مجھ سے سچ بول دو، کاش‘‘ عزیز نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

’’جو کچھ میں نے کیا ہے مجھے اس کی سزا ملنی چاہیے۔‘‘ شاہد نے حتمی لہجے میں کہا اور عزیز احمد دل میں دکھ بسائے وہاں سے واپس آگیا، وہ خود سے سوال کرتا تو اس کا دل اس بات کی نفی کرتا تھا کہ شاہد جیسا نیک نفس انسان اپنے چچا کو قتل کرسکتا ہے۔ لیکن وہ ہمت نہیں ہارنا چاہتا تھا۔ شریف اور عزت دار آدمی تھا۔ لیکن آئزہ کے چہرے کو دیکھ کر بھی اس کا دل کٹتا تھا، آئزہ ہر وقت روئی روئی رہتی تھی۔ اس نے آئزہ سے کہا کہ کیا وہ تھانے جاکر خود بھی شاہد سے بات کرے اسے سمجھائے اور اصلیت معلوم کرے، تھانے کے نام سے ہی انسان کو وحشت ہوتی ہے لیکن محبت کی ماری آئزہ فوراً تیار ہوگئی۔

’’میرا کیا ہوگا شاہد، تمہیں سزا ہوئی تو میں بھی مرجاؤں گی، خودکشی کرلوں گی بتائے دے رہی ہوں۔‘‘

’’میں تمہارا بھی گناہ گار ہوں آئزہ، واقعی مجھے تمہارا بھی خیال کرنا چاہیے تھا، لیکن جو کچھ کرچکا ہوں اسے واپس نہیں لاسکتا۔ تم ایسا مت کرنا آئزہ میں مرکر بھی خود کو معاف نہیں کروں گا۔‘‘

’’تم نے چچا جان کو قتل نہیں کیا، سمجھے؟‘‘ آئزہ نے کہا۔

’’جو میں نے کیا ہے اس سے انکار کیسے کرسکتا ہوں؟‘‘ شاہد نے کہا۔

آئزہ کی ناکامی کے بعد عزیز احمد نے صائمہ اور نادر خان سے بات کی۔

’’وہ نہیں سمجھ رہا کچھ بھی ہوسکتا ہے، بڑی سے بڑی سزا ہوسکتی ہے۔ خدانا خواستہ کہیں، ہم اس سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں۔‘‘

’’کیا کریں وہ خود اپنے جرم کا اعتراف کررہا ہے۔‘‘ نادر خاں نے کہا۔

’’پھر بھی آپ دونوں اسے سمجھانے کی کوشش کریں، ممکن ہے وہ کسی دباؤ میں یہ اعتراف کررہا ہو؟‘‘

’’کمال کی بات کررہے ہیں آپ عزیز احمد صاحب...... اگر ایک شخص کچھ کر بیٹھا ہے اور اسے اپنے کیے پر ندامت ہے تو آپ اس کا بیان کیسے بدل

سکتے ہیں؟'' نادر خان کے لہجے میں کسی قدر ناگواری پیدا ہوگئی۔ صائمہ بھی پتھرائی ہوئی بیٹھی رہی تھی۔

''آپ کہہ رہے ہیں تو میں اور صائمہ ایک بار اس سے ملاقات کرکے بات کرتے ہیں، شاید کوئی بات بن جائے۔'' نادر خان نے کہا۔

لیکن دوسرے دن نادر خاں نے فون کرکے عزیز احمد کو بتایا کہ شاہد اپنی بات پر اڑا ہوا ہے۔ اور ٹس سے مس نہیں ہو رہا۔

مجھے چاروں طرف سے مایوسی ہو رہی تھی کبھی کبھی مجھے جھنجلاہٹ ہونے لگی تھی کہ وہی بات ہے مدعی سست گواہ چست...... میں پریشان پھر رہا ہوں اور اسے پرواہی نہیں ہے، بے شک مجھے اس کی دوستی عزیز ہے، لیکن میری بہن کی جو کیفیت ہے وہ مجھے بہت دکھ دے رہی ہے، آپ یقین کریں انسپکٹر صاحب وہ...... قاتل نہیں ہے، وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا۔ خیر اجمل شاہ صاحب سے بھی میری بہت عرصے سے شناسائی ہے۔ اکثر اپنے اخبار کے لیے مجھ سے کاغذ لیتے رہتے ہیں۔ اچھے انسان ہیں مجھے پریشان دیکھ کر وجہ پوچھی تو میں نے بتادی...... کہنے لگے کہ تمہیں یقین ہے کہ شاہد نے قتل نہیں کیا۔ میں نے کہا کہ ہاں مجھے یقین ہے تو انہوں نے آپ کا نام لیا، میں نے کہا کہ کیس تو دوسرے تھانے میں ہے تو اجمل شاہ نے کہا کہ وہ درویش جھوٹ کو جھوٹ اور سچ کو سچ ثابت کرنے کے لیے اس دنیا میں آیا ہے۔ وہ ضرور تمہاری مشکل حل کرے گا، وہ نوکری نہیں عبادت کرتا ہے۔''

عزیز احمد خاموش ہوگیا، اس نے اپنی یادداشت اور معلومات کے سوتے کھول دیے تھے۔ صفورا اور شاہ میر پوری توجہ سے عزیز احمد کی داستان سن رہے تھے۔ دونوں کافی دیر تک خاموش رہے پھر شاہ میر نے صفورا کی طرف دیکھا تو صفورا نے عزیز احمد سے کہا۔

''آپ یوں کریں کہ کل کسی وقت آئزہ کو لے کر یہاں آجائیے، یا اگر یہاں تھانے لانا مناسب نہ سمجھیں تو نہیں اور......''

''آپ جیسے حکم دیں، ہم جتنے پریشان ہیں بتا نہیں سکتے۔'' عزیز احمد نے کہا۔

''ٹھیک ہے کل شام چار بجے آپ آئزہ کو لے کر یہیں آجائیے۔''

شاہ میر کے چہرے پر ایک خوش گوار تاثر پھیلا ہوا تھا عزیز احمد کے جانے کے بعد اس نے کہا۔

''مجھے بہت خوشی ہوئی ہے اس وقت۔''

''کس بات پر؟'' صفورا نے پوچھا۔

''آئزہ سے ملاقات کی بات اگر تم نہ کہتیں تو میں کہنے والا تھا۔ خوشی اس بات کی ہے کہ اب تم اعتماد اور ذہانت سے مناسب فیصلے کرلیتی ہو۔ اچھا مجھے بتاؤ تمہارے ذہن میں آئزہ سے ملاقات کا خیال کیوں آیا؟''

صفورا اسے اپنی سوچ کے بارے میں بتانے لگی، تب شاہ میر نے اپنا بتایا۔

عزیز احمد کا ان معاملات سے لگن کا اندازہ اس طرح ہوتا تھا کہ دوسرے دن جونہی چار بجے اردلی نے عزیز احمد اور اس کی بہن کی آنے کی اطلاع دی، صفورا اور شاہ میر نے خوش اخلاقی سے ان کو خوش آمدید کہا تھا، شاہ میر نے صفورا کو آئزہ سے بات چیت کی مکمل آزادی دے دی تھی اور خود عزیز احمد سے باتیں کرتا رہا تھا۔ صفورا کوئی ایک گھنٹے تک آئزہ سے باتیں کرتی رہی تھی۔ پھر وہ فارغ ہوگئی اور بولی۔

''میں نے آئزہ سے بات مکمل کرلی ہے۔ یہ ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کریں گی اور ہم تین دن کے بعد شاہد سے ملاقات کریں گے۔''

''میں آپ کا کو بتاچکا ہوں کہ اب وہ جیل میں ہے۔ بابر علی صاحب نے اس کا چالان پیش کردیا ہے اور اس کی پیشی کی تاریخ مل گئی ہے۔''

''ٹھیک ہے میں معلوم کرلوں گا'' شاہ میر نے کہا۔

☆☆☆

حسین آباد پولیس اسٹیشن کا انچارج بابر علی اپنی

ذمے داری پوری کر چکا تھا، قتل کا مجرم اقبال تھا، کسی بھی طرح وہ اپنا بیان بدلنے پر آمادہ نہیں تھا، چنانچہ بابر علی نے عدالت کو چالان دے دیا تھا اور پیشی کی تاریخ مل گئی تھی۔ شاہ میر کے لیے جیل میں شاہد علی سے ملاقات کرنے میں کوئی وقت نہیں ہوئی۔ جیلر سے شاہ میر کے بہت اچھے تعلقات تھے چنانچہ اس نے ہر طرح کی سہولت مہیا کی تھی۔ صفورا کے منصوبے کے مطابق آئزہ نے شاہد سے ملاقات کر کے بمشکل اسے انسپکٹر شاہ میر سے ملنے پر آمادہ کیا تھا۔

''تم لوگ مردے میں جان ڈالنے کی کوشش کیوں کر رہے ہو، میں نے جرم کیا ہے۔ میں قانون کا ہی نہیں، اپنے ضمیر کا بھی مجرم ہوں، مجھے صرف موت کی سزا چاہیے۔''

''اور میں صرف تمہاری ہی نہیں اپنی زندگی بھی بچانا چاہتی ہوں، اگر تمہیں سزائے موت ہوئی تو اس سے ایک دن پہلے تمہیں اطلاع مل جائے گی کہ آئزہ گردن میں پھانسی لگا کر مر چکی ہے، خدا کی قسم میں ایسا ہی کروں گی۔''

''نہیں...... خدا کے لیے آئزہ ایسا مت کرنا...... آ......'' شاہد رو پڑا۔

''اور میں جو دن رات رو رہی ہوں شاہد۔''

''تم کیا چاہتی ہو؟''

''تمہارا سچ...... تم انسپکٹر شاہ میر سے مل لو۔ ان سے سچ بولو، وہ ہمارے ہمدرد ہیں۔'' آئزہ نے کہا اور شاہد نے گردن جھکا دی۔

شاہ میر اور صفورا نے شاہد کو دیکھا، خوب صورت سا نوجوان تھا، عمر زیادہ نہیں تھی اس کے چہرے کی سادگی اور معصوم نقوش خود اس بات کے گواہ تھے کہ وہ قاتل نہیں ہو سکتا۔ اس نے سہمی ہوئی نظروں سے ان خوب صورت پولیس والوں کو دیکھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کالج یا یونیورسٹی کے کسی خوب صورت جوڑے نے شرارتاً پولیس کی وردی پہن لی ہو۔

''جی سر'' اس نے کہا۔

''تو تم نے دولت کے حصول کے لیے لالچ میں اپنے چچا کو قتل کیا؟''

''جی سر۔''

''اور اس سے پہلے اپنی چچی کو۔'' شاہ میر نے سرد لہجے میں کہا۔

''جی ...... آپ نے ...... آپ نے چچی کہا...... چچی'' وہ ہکلا کر بولا۔

''جی ہاں...... چچا کے قتل کا اعتراف اور چچی کے قتل سے انحراف...... یہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔''

''چچی کا قتل۔'' شاہد نے اضطراب سے پوچھا۔

''چچا کی جائیداد کا راستہ صاف کرنے کے لیے چچی جان کا درمیان سے ہٹنا ضروری تھا، مجھے صرف اس بات کی الجھن ہے کہ چچی کے قتل کے وقت تمہارا ضمیر کیوں نہیں جاگا، بس میں یہ جاننا چاہتا ہوں۔''

''چچی کو قتل نہیں کیا گیا تھا، وہ بیمار تھیں۔''

جھوٹ بول رہے ہو، یہ اخبار کی تازہ خبر ہے اور یہ پوسٹ مارٹم رپورٹ...... شاہ میر نے دونوں چیزیں شاہد کے سامنے کر دیں، پوسٹ مارٹم رپورٹ میں دردانہ حیدر علی کی موت کی رپورٹ تھی جس میں تفصیل بتا ئی گئی تھی کہ دردانہ کو زہر دے کر ہلاک کیا گیا تھا، اخبار میں تفصیلی خبر تھی کہ پولیس کو شبہ ہوا ہے کہ حیدر علی کے قاتل بھتیجے نے چھ ماہ قبل اپنی چچی کو بھی زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا چنانچہ لاش قبر سے نکال کر اس بات کی تصدیق کر لی گئی۔

صفورا اور شاہ میر نے شاہد سے تین دن کے بعد ملاقات کا وقت اسی لیے لیا تھا کہ اجمل شاہ کے اخبار سے یہ کام لے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی ضرورت کے مطابق حاصل کر لی گئی تھی۔ شاہ میر کے لیے یہ مشکل کام نہیں تھا۔ اجمل شاہ نے بھی خوشی سے تعاون کیا تھا اور شاہ میر کی مرضی کے مطابق خبر چھاپی تھی۔ اسی تفصیل کاری ایکشن بھرپور ہوا، شاہد کا چہرہ گہرا سرخ ہو گیا اس کی کنپٹی کی رگیں پھول گئیں اور وہ شدید ہیجان کا شکار آنے لگا، دردانہ کے انتقال کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا، ماں باپ کی موت کے بعد چچا اور چچی نے دونوں بہن بھائی کو جس طرح رکھا تھا ایسے

شاید کوئی بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اور پھر دردانہ تو خاص طور رسے شاہد کو شہزادہ بنا کر رکھا تھا۔ اتنا خیال رکھتی تھی اس کا کہ شاہد کی گردن جھک جاتی تھی۔ وہ بھی دردانہ کو سگی ماں کی طرح چاہتا تھا، چچی کے قتل کے انکشاف نے اسے پاگل کردیا تھا۔

''یہ کیا سچ ہے چچی کو بھی، میری چچی کو......'' اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھی۔

''یہی میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں جن لوگوں نے آپ کے چچا کو قتل کیا ہے وہ چھ ماہ پہلے آپ کی چچی کو قتل کرچکے ہیں، ان کا پلان کامیابی سے آگے بڑھ رہا ہے اور انہوں نے بڑی ذہانت سے آپ کو قاتل بنا کر پیش کیا ہے، آپ دانستہ یا نادانستہ ان کے آلہ کار بنے ہیں۔''

''میری چچی کو قتل کیا گیا ہے؟'' وہ بدستور ایک ہی جملے کی گردان کررہا تھا۔

''آپ یہاں آرام سے بیٹھ کر موت کا انتظار کریں، لیکن قانون بے وقوف نہیں ہے ہم کام کررہے ہیں۔ آپ کی منگیتر آئزہ ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کررہی آپ کے حق میں استغاثہ انہوں نے ہی دائر کیا ہے اور انہی کی درخواست پر پولیس نے لاش نکلوا کر اس کا پوسٹ مارٹم کرلیا ہے۔''

''اوہ میرے خدا...... میرے خدا......'' شاہد جمال کے چہرے پر نفرت کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔

''تم بزدل ہو شاہد علی، احمقوں کی طرح اپنے آپ کو مٹا سکتے ہو جو کام آئزہ نے کیا ہے وہ تمہاری بہن کو کرنا چاہیے تھا۔ لیکن...... خیر تم مرنا چاہتے ہو، بے شک مرجاؤ، لیکن پولیس حیدر علی اور دردانہ حیدر علی کے اصل قاتلوں کو بہت جلد گرفتار کرلے گی۔''

''میرے چچا رخصت ہوگئے۔ اور چچی نہیں یہ غلط ہے...... یہ غلط کیا گیا ہے۔ میری چچی میرے لیے ماں سے بڑھ کر تھیں۔ میں ان کے قاتلوں کو کبھی معاف نہیں کرسکتا۔''

''اور تم تم ان دونوں کے قاتلوں کو اچھی طرح جانتے ہو۔'' شاہ میر نے کہا۔

''میں...... میں کیا کروں۔'' وہ گلوگیر لہجے میں بولا۔

''اپنی احمقانہ ضد چھوڑ کر پولیس کی مدد کرو، اور جن لوگوں نے دولت اور جائیداد کے لالچ میں تمہارے چچا اور چچی کو قتل کیا ہے انہیں روشنی میں لاؤ۔''

☆☆☆

عزیز احمد، شاہد جمال کے عزیز ترین دوستوں میں سے تھا۔ شاہد اسے بے حد کرتا تھا اور شاہد کو آئزہ بھی بہت پسند کرتی تھی اور پھر جب اس نے محسوس کیا کہ شاہد بھی اسے پسند کرتا ہے تو دونوں تیزی سے ایک دوسرے کے قریب آگئے۔ اس بات کا علم عزیز احمد کو بھی ہوگیا لیکن وہ اس بات سے ناخوش نہیں بلکہ خوش ہوا اور اس نے دل میں سوچا کہ اس کی بہن کے لیے شاہد ایک اچھا شوہر رہے گا اور دونوں ایک دوسرے کو چاہتے بھی ہیں۔ ادھر شاہد کے دل میں بھی یہ خیال تھا کہ عزیز احمد اسے اپنی بہن صائمہ کی شادی کرادے۔ لیکن جلد ہی اسے اندازہ ہوگیا کہ صائمہ اور عزیز احمد کو ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے۔

پھر نادر خاں ان کے درمیان آگیا اور بہت جلد حیدر علی کو یہ اندازہ ہوگیا کہ صائمہ نادر خان کو پسند کرتی ہے، نادر خان خود بھی صاحب حیثیت آدمی تھا۔ حیدر علی اور دردانہ نے اسے ناپسند نہیں کیا او رجب حیدر علی نے ان دونوں کی شادی کا فیصلہ کیا تو شاہد ان سے متفق نہیں تھا لیکن بہن کے مزاج کو سمجھتا تھا وہ نک چڑھی اور مغرور فطرت کی مالک تھی اور عموماً شاہد اس کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتا تھا اس لیے اس نے اس فیصلے میں مداخلت نہیں کی، لیکن نادر خان اسے پسند نہیں تھا۔ نادر خان اور صائمہ کی شادی ہوگئی۔ نادر خان شاہد علی کا بہنوئی بن گیا تھا لیکن شاہد کو اس کا افسوس تھا کہ وہ نادر کی جگہ عزیز احمد کو دیکھنا چاہتا تھا، لیکن یہ نہ ہوسکا۔ رفتہ رفتہ اسے اندازہ ہوتا چلا گیا کہ نادر خان واقعی اچھا انسان نہیں ہے۔ وہ کسی قدر

حاسد اور لالچی بھی ہے۔ اکثر وہ حیدر علی کی دولت اور کاروبار کے بارے میں چھان بین کرتا رہتا تھا اور کئی بار اس نے شاہد علی سے بھی اس طرح کی باتیں کی تھیں۔

"تمہیں جب چچا جان کی دولت اور جائیداد ملے گی تو تم ان کے کاروبار کو دیکھو گے یا اپنا کچھ اور کام کرو گے۔" ایک بار نادر خان نے پوچھا۔

"خدا انہیں سلامت رکھے میں یہ سب کبھی نہیں سوچتا۔"

"سوچنا چاہیے۔ تمہارے اور صائمہ کے علاوہ ان کا کون ہے۔ ان کے بعد صائمہ کے بھی مجھے ہی دیکھنے ہوں گے۔"

شاہد نے ناگواری سے منہ بنالیا تھا اسے نادر خان کی یہ بات بری لگی تھی لیکن بہنوئی کا رشتہ تھا، اس نے کوئی اظہار نہیں کیا۔ صائمہ اور نادر خان کی شادی کے کچھ عرصے کے بعد ہی دردانہ کا انتقال ہو گیا۔ شاہد کے لیے یہ بہت بڑا صدمہ تھا۔ ماں باپ کا نعم البدل دونوں چچا اور چچی اسے بہت پیارے تھے۔ جب صفدر علی اور میمونہ کار ایکسیڈنٹ میں مرے تھے تو دونوں بہن بھائی اچھے سمجھدار تھے، شاہد کافی عرصہ گم صم رہا تھا اگر چچا چچی سہارا نہ دیتے تو پتا نہیں دونوں کا کیا حال ہوتا، پھر جس انداز میں ان دونوں نے اسے سینے لگایا تھا اس میں کوئی دنیاداری نہیں پورا پورا خلوص اور پیار تھا۔ چچی کی موت والدین کی موت کے بعد دوسرا اعظم سانحہ تھا، شاہد بہن سے چھوٹا تھا لیکن بڑے بھائی جیسا پیار کرتا تھا اس سے اور اس کی ہر خواہش کا احترام کرتا تھا۔ دردانہ بیگم کی موت کے بعد حیدر علی بے حد اداس رہنے لگا تھا، ایک دن نادر خاں اور صائمہ رات کے کھانے پر آئے ہوئے تھے۔ کھانے کی میز پر حیدر علی نے اداس لہجے میں کہا۔

"میں اس کاروبار کو فروخت کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"کیوں چچا جان؟" نادر نے چونک کر کہا۔

"بس شاہد کو کاروبار سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور میں تھک گیا ہوں، اب دل نہیں لگتا۔"

"آپ کے کاروبار کی تو دنیا تعریف کرتی ہے چچا جان، اتنے شاندار کاروبار کو آپ چھوڑ دینا چاہتے ہیں۔" نادر خان نے کہا۔

"بس اب دل اکتا گیا ہے۔" حیدر نے اداسی سے کہا۔

"آپ اپنی ذمے داریاں نادر کو کیوں نہیں دے دیتے چچا جان، یہ بھی تو آپ کے بیٹے ہیں؟" صائمہ نے کہا۔

"نہیں ...... نادر خان اپنا کام کر رہے ہیں، یہ ممکن نہیں ہے۔" حیدر نے ٹالنے والے انداز میں کہا اور بات بدل دی، نادر خان نے اس طرح کا تاثر نہیں دیا تھا، البتہ صائمہ کے جانے کے بعد حیدر علی نے کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ مجھے صائمہ کی بات کے جواب میں یہ خشک رویہ اختیار کرنا پڑا۔ میں نادر خان کے بارے میں بہت اچھے خیالات نہیں رکھتا اور پھر اس کے اہل خاندان بھی ہیں جو زیادہ اچھی پوزیشن نہیں رکھتے، خاص طور پر اس کا باپ بہت لالچی انسان ہے۔ نادر خان کے ہاتھ میں اپنا کاروبار دینے کا مطلب ہے کہ میں اسے یہ سب کچھ سونپ دوں۔ میرے دل میں ایک آرزو ہے شاہد تم اپنا رویہ بدل دو، کاروبار میں دلچسپی لو اور میرا بوجھ ہلکا کر دو۔ دوسری صورت صرف یہ ہے کہ میں کاروبار کو فروخت کر دوں اور تم دونوں کو ان کے حصے دے دوں۔" اور ان دنوں وہ اس کاروبار کو فروخت کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ بھی شاہد نے اور کچھ انکشاف کیے تھے جو بے حد کارآمد تھے۔

☆☆☆

"آپ نے یہ جادو کہاں سے سیکھا؟" صفورا نے واپسی میں شاہ میر سے پوچھا۔

"کون سا جادو؟"

"جو کام شاہد کا جگری دوست اس کی محبوبہ نہ کر سکی۔ آپ نے ایک ہی داؤ میں اسے چت کر دیا۔"

''چھوڑو یار...... کوئی جادو وادو نہیں، آج تک تم پر تو کوئی جادو کارگر نہیں ہوسکا۔'' شاہ میر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں، میں تو سر سے پاؤں تک سحر زدہ ہوں، دن رات مرشد مرشد کی گردان کرتی رہتی ہوں۔'' صفورا شوخی سے بولی اور شاہ میر نے کار کو بریک لگادیے۔

''کیا ہوا؟'' صفورا چونک کر بولی۔

''تمہارے ان الفاظ سے میرے دل کو ایسا ہی جھٹکا لگا ہے۔ ویسے اس ریسٹورنٹ میں کافی بہت اچھی ملتی ہے۔'' شاہ میر نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

کافی پیتے ہوئے صفورا نے کہا۔ ''آپ نے آخر پانسا پلٹ ہی دیا۔ ورنہ بابر علی تو یہ کیس ختم کرچکا تھا۔ بے چارے شاہد کو عمر قید یا پھانسی کی سزا ہوجاتی۔''

''ابھی شاہد سے ایک دو ملاقاتیں اور کرنی ہیں۔ اس کا کیس ہم طارق مفتی کو دیں گے۔''

''آپ یقین کریں میرے دل میں بھی یہی تھا۔''

شاہ میر تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوگیا، پھر بولا۔ ''ایک اور کام کرنا ہے اور وہ یہ کہ عزیز احمد اور اس کے اہل خاندان کو کچھ دن کے لیے منظر عام سے ہٹادیا جائے یہ ضروری ہے۔'' شاہ میر صفورا کو اس کی وجہ بتانے لگا۔

پھر عزیز احمد سے ملاقات کی گئی اور عزیز احمد نے شاہ میر کی بات سننے کے بعد اس سے اتفاق کیا تھا۔

''میرے پاس ایسی جگہ موجود ہے۔''

''ہمارا آپ سے رابطہ رہے گا۔'' شاہ میر نے کہا۔

''میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی صفورا بہن۔'' آئزہ نے آنسو بھری آواز میں کہا۔

''یار۔ بہن کہہ کر بھی یہ سب کہہ رہی ہو، اپنی شادی میں بلانا مت بھولنا۔'' صفورا نے کہا اور آئزہ سسک پڑی۔

☆☆☆

سچل دین فش فارم پر نوکر تھا۔ فارم پر دوسرے لوگ بھی نوکری کرتے تھے۔ مگر سچل دین نادر خان کا منہ چڑھا تھا۔ نادر خان نے اسے فارم ہاؤس پر ہی رہنے کو جگہ بھی دی تھی۔ اس روز سچل اچانک فارم ہاؤس سے غائب ہوگیا۔ دوسرے لوگوں کو اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں چلا گیا، ایک نوکر صرف اتنا بتا سکا کہ شاید کوئی شخص اس کو فارم سے بلا کر کہیں لے گیا تھا اس نے سچل کو فش فارم سے باہر جاتے دیکھا تھا، یہ صبح کا وقت تھا۔

نادر خاں کو شام کو پتا چلا کہ سچل صبح سے غائب ہے تو وہ پریشان ہوگیا اور اپنے طور پر سچل کو تلاش کرنے لگا۔ لیکن یہ کوئی نہیں جان سکا تھا کہ زمان شاہ نے سادہ لباس میں بڑی ہوشیاری سے سچل کو فارم ہاؤس سے اٹھالیا تھا اور اس وقت وہ شاہ میر کے تھانے کے ڈرائنگ روم میں موجود تھا، شاہ میر کا ڈرائنگ روم بڑے نفسیاتی طریقے سے سجا گیا تھا۔ دیکھ کر ہی احساس ہوجاتا تھا کہ یہاں کیا ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اس وقت سچل بھی خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس سے پہلے اس نے ایسی خوف ناک جگہ کبھی نہیں دیکھی تھی۔

''ہاں سچل دین، تم شاہد جمال کو تو اچھی طرح پہچانتے ہو؟'' زمان شاہ نے سرد لہجے میں کہا۔

''جی مائی باپ۔'' سچل کی آواز بڑی مشکل سے نکلی تھی۔

''اس وقت جب سیٹھ حیدر علی کو قتل کیا گیا تھا تو شاہد علی کو فارم ہاؤس کے کون سے کمرے میں قید کیا گیا تھا۔'' زمان شاہ کی آواز ابھری اور سچل کی جان نکلنے لگی۔ ''جواب دو۔'' زمان شاہ کی آواز سانپ کی پھنکار جیسی تھی ساتھ ہی اس نے میز پر رکھا ہوا رول اٹھالیا۔

سچل ایک عام آدمی تھا۔ زمان شاہ کے انداز پر اس کی زبان کھل گئی۔ پھر اس نے وہ سب کچھ بھی اگل

دیا جو اس سے پوچھا بھی نہیں گیا تھا۔

''تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ اس ڈیوائس میں ریکارڈ کرلیا گیا ہے۔ اگر عدالت میں تم نے اس بیان سے مکرنے کی کوشش کی تو تمہیں بھی ان مجرموں کے ساتھ پھانسی کی سزا ہوسکتی ہے۔ پھانسی کا مطلب جانتے ہونا۔''

''جی مائی باپ۔'' سچل نے لرزتے ہوئے کہا۔

''تم نے قتل کے اس جرم میں برابر کی شرکت کی ہے، اس لیے تم سزا سے نہیں بچ سکتے، لیکن اگر تم نے قانون کی مدد کی تو تمہیں معافی مل جائے گی دوسری صورت میں تم جانتے ہو کیا ہوگا۔''

''میرے کو معافی دلادو سائیں۔'' سچل نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ''میں نے آپ کو جو کہا ہے وہی عدالت میں کہوں گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' سچل کو لاک اپ میں بند کردیا گیا اور شاہ میر صفورا اور زمان شاہ کو ساتھ لے کر ڈرائنگ روم سے نکل کر آفس میں آبیٹھا۔

''بڑا کامیاب چھاپہ رہا سر، آپ نے بڑے زبردست مہرے پر ہاتھ ڈالا ہے، کمال کے انکشاف کیے ہیں اس نے، اب کس کا نمبر ہے؟'' صفورا نے کہا۔

''صائمہ۔'' شاہ میر بولا۔

☆☆☆

نادر خاں سخت پریشان تھا، ایک ادنیٰ سے ملازم کی گمشدگی کوئی اہم بات نہیں تھی لیکن سچل ادنیٰ ملازم نہیں تھا سچل کا اس کا خاص آدمی تھا، اس کے سینے میں تو اتنے بہت سے راز دفن تھے کہ اگر وہ ان انکشاف کردے تو نادر خان گردن تک دلدل میں دھنس جائے۔ ویسے اسے سچل پر بھروسا تھا کہ وہ کبھی اس کا راز فاش نہیں کرے گا، لیکن وہ گیا کہاں۔ بہت پرانا نمک خوار تھا اور کبھی اس نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی پھر آخر وہ کہاں گیا۔ پھر اس کے دماغ میں ایک خوف ناک دھماکا ہوا، گھر سے فون آیا تھا۔

''پولیس صائمہ کو گرفتار کرکے لے گئی ہے۔''

دیر تک تو وہ کچھ بول ہی نہیں سکا، بمشکل اس نے کہا۔ ''کب...... کیوں؟''

''اسے اپنے چچا حیدر علی کے قتل الزام میں گرفتار کیا گیا ہے۔'' اس کے بعد نادر خاں اور کوئی لفظ نہ بول سکا، اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ کسی تاریک گوشے میں چھپ جائے، اسے اپنے چاروں طرف کالے ناگ لہراتے نظر آرہے تھے۔

اس سے زیادہ خراب حالت صائمہ کی تھی، اس وقت وہ شاہ میر کے عقوبت خانے میں پولیس کی تفتیشی ٹیم کے سامنے بیٹھی تھی، جب اسے گرفتار کرکے بتایا گیا تھا کہ اسے اپنے چچا حیدر علی کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا جارہا ہے تو اس نے سخت احتجاج کیا تھا۔

''قتل کا مجرم تو گرفتار ہوگیا اور اس نے جرم کا اعتراف بھی کرلیا ہے۔''

''یہ سب تمہیں تھانے چل کر معلوم ہوجائے گا کہ اصل قاتل کون ہے؟'' صائمہ نے دیر تک مدافعت جاری رکھی لیکن یہاں آکر اس کی ہمت پست ہوگئی وہاں اس سے کہا گیا۔

''جی صائمہ بیگم، تو آپ نے اور آپ کے شوہر نے حیدر علی کی ساری دولت ہڑپ کرنے کے لیے اپنے چچا اور اکلوتے بھائی کی قربانی دے دی۔''

''مم...... میں نے...... کیا کیا۔'' اس کے حلق سے بھنچی بھنچی آواز نکلی۔

''جو آپ نے کیا ہے، آخر شاہد علی نے وہ حقائق بتادیے۔'' پولیس آفیسر نے کہا اور صائمہ کے ذہن میں دھماکے ہونے لگے، اس کے پورے بدن نے پسینہ اگل دیا تھا۔

''آپ سے زیادہ محسن کش کون ہوسکتا ہے، جس چچا نے آپ کو باپ سے زیادہ پیار دیا آپ نے اسی کی زندگی چھین لی اور اپنے چھوٹے بھائی کے لیے موت کا بندوبست کردیا، کوئی رشتہ آپ کو عزیز نہیں رہا۔ صرف دولت کے لیے جبکہ آپ کے پاس خود بھی بہت کچھ تھا۔''

''میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔'' صائمہ ہیجانی

انداز میں بولی۔
''تم اور تمہارا شوہر، اب موت کی دہلیز پر کھڑے ہیں۔ اپنی گردن میں پھانسی کا پھندہ محسوس کرو، اور غور کرو کہ تم نے اپنی عمر اپنی خوشیاں کس طرح کھودیں۔ اور اپنا اعمال نامہ سنو۔''
زمان شاہ کے اشارے پر ایک سپاہی نے وہ آڈیو ڈیوائس آن کر دی جس کا رابطہ بڑے اسپیکروں سے تھا۔ بڑے ہال نما کمرے میں شاہد کی آواز گونج اٹھی اور صائمہ کا رواں رواں خوف سے کانپ اٹھا، اس کی آنکھوں میں حیرانی اور چہرے پر زردی پھیل گئی۔
''اپنا جرم قبول کرلو، نجات کا راستہ تلاش کرو۔''
اور صائمہ سوگئی، اس پر نیند جیسی کیفیت طاری ہوگئی اور وہ سب کچھ، بتانے لگی، سب کچھ سنانے لگی، اس پر نیم خود فراموشی کی سی کیفیت تھی اور اس کی زبان بے اختیار ہوگئی تھی، وہ بس بول رہی تھی سارے بھید کھول رہی تھی، اور اس کے منہ سے نکلا ہر لفظ ویڈیو کی شکل میں ریکارڈ ہو رہا تھا۔

☆☆☆

صائمہ کی گرفتاری بلاوجہ نہیں ہوئی تھی، پولیس مکمل ثبوتوں کے بنا کسی پر ہاتھ نہیں ڈالتی، مگر یہ ثبوت پولیس کو کہاں سے ملے، اور فوراً ہی اسے سچل کی گمشدگی یاد آئی اوہ میرے خدا، کیا سچل پولیس کے ہاتھ لگ گیا، کیا اس نے زبان کھول دی۔ اس کا دل مچلنے لگا، ایک دم اس نے سوچا کہ یہاں سے سیدھا ریلوے اسٹیشن جائے اور ٹرین میں بیٹھ کر کہیں بھی چل پڑے، روپوش ہو جائے، لیکن یہ کاروبار، یہ عیش وعشرت اور پھر صائمہ...... اس نے خود کو سنبھالا اور آفس سے باہر نکل آیا، اس نے اپنے وکیل کے پاس جانے کا فیصلہ کیا اور سوچا کہ وکیل سے کہے کہ کچھ اور کرنے کے بجائے سب سے پہلے اس سے کہے کہ وہ اس کی ضمانت قبل از گرفتاری لے لے۔ لیکن اس کی بدنصیبی تھی کہ کیس شاہ میر جیسے آفیسر کے پاس آ گیا تھا۔ جو بھیڑیوں کا شکاری تھا اور نادر خان جیسی بھیڑیں اس کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی، وہ کار کے پاس پہنچا ہی تھا کہ اسپیشل پولیس کے دو افراد اس کے دائیں بائیں آ کھڑے ہوئے۔ ''نادر خاں صاحب۔'' ان میں سے ایک نے کہا۔
''ہاں کیا بات ہے؟'' نادر خان نے کرخت لہجے میں کہا۔
''آپ کہیں تشریف لے جا رہے ہیں۔''
''کون ہو تم، کیا چاہتے ہو؟''
''وہ آپ کے لیے شاہی سواری موجود ہے۔''
ان میں سے ایک نے اشارہ کیا اور نادر نے اس طرف دیکھا۔ تھوڑے فاصلے پر پولیس موبائل کھڑی ہوئی تھی۔
''چلیے۔'' دوسرے شخص نے ریوالور نکال کر نادر کی کمر سے لگا دیا۔
''یہ...... یہ کیا؟'' نادر خان کی ساری اکڑ ''فوں'' ختم ہوگئی، اسے پولیس موبائل کی طرف چلنا ہی پڑا اور پھر اسے بڑے احترام سے تھانے اور پھر وہاں سے تاریخی ڈرائنگ روم میں لے جایا گیا، جہاں شاہ میر، صفورا اور شاہی جلاد یعنی زمان شاہ موجود تھا۔
''آپ لوگوں نے میری بیوی کو بھی گرفتار کیا ہے مجھے اطلاع ملی ہے۔''
''آپ کی اطلاع بالکل ٹھیک ہے۔'' صفورا نے کہا۔
''کہاں ہے وہ۔''
''مہمان خانے میں ہیں، آپ اسے لاک اپ کہہ سکتے ہیں۔''
''لیکن یہ سب کیا ہے اور ہمیں کیوں گرفتار کیا گیا ہے؟''
''آپ دونوں کو حیدر علی کے قتل کے سلسلے میں گرفتار کیا گیا ہے۔''
''میرا اس قتل سے کیا تعلق ہے، قاتل تو گرفتار ہو چکا ہے اور اس نے......''
''آپ نے گھڑی ہوئی کہانی سنا دی ہے، نہیں

نادر خان کھیل ختم ہوگیا آپ کا، لالچ آپ کی گردن میں پھانسی کا پھندہ بن گیا، اب آپ ہمیں داستان ہوشربا سنا دیجیے۔"

"میں اپنے وکیل کے بغیر کوئی بات نہیں کروں گا، مجھے اپنے وکیل کو فون کر لینے دیجیے۔"

"یہ کھیل کھیلنے کے لیے تو بہت وقت ہے نادر خان صاحب، فی الحال آپ چور سپاہی...... چور سپاہی کھیل لیجیے، چور آپ اور سپاہی ہم۔"

"یہ یہ سب غیر قانونی ہے۔"

"یہ آوازیں قانونی ہیں، انہیں سننے کے بعد آپ کو بہت سے فیصلے کرنے میں آسانی ہوگی۔"

زمان شاہ کے اشارے پر آپریٹر نے وہ پروجیکٹر آن کر دیا جس پر پہلے سچل دین اور پھر صائمہ کی فلم اور آوازیں سنائی دینے لگیں اور نادر خاں کے دل و دماغ پر کوڑے برسنے لگے۔ اس کا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ یہ کیا ہوگیا، یہ کیا ہوگیا۔ اس کے نزدیک تو پوری کہانی ختم ہوگئی تھی، شاہد علی کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ دو تین پیشیوں میں اسے سزائے موت یا عمر قید کی سزا سنا دی جائے گی اور بس، لیکن یہ نیا کھیل شروع ہوگیا اور اس وقت تو اس کے بدن کا سارا خون سمٹ کر کنپٹیوں میں آگیا۔ دماغ کی نسیں پھول گئیں جب اسے شاہد جمال کا نیا بیان سنوایا گیا، اس نے اپنا سارا اقبالی بیان بدل دیا تھا۔ وہ سب کچھ بتا ڈالا تھا جو اس کیس کی اصل تھی، اس کے بعد سوالات کا ایسا سلسلہ شروع ہوا جس نے نادر خان کے ذہن کو نچوڑ کر رکھ دیا۔ اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ پھانسی کے پھندے کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔

☆☆☆

نادر خان خود بھی ایک مناسب اور صاحب حیثیت گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ مالی طور پر وہ مستحکم تھا لیکن نئے دور کے نوجوانوں کی طرح اس کی بھی خواہش تھی کہ وہ کسی مالدار گھرانے میں شادی کر لے، پھر جب اس کی ملاقات صائمہ سے ہوئی اور اسے صائمہ کے بارے میں تفصیل معلوم ہوئی تو وہ اس پر ریجھ گیا، صائمہ خوب صورت بھی تھی اور دولت مند بھی، اس کے مالدار چچا کی دولت کا آدھا حصہ اس کی ملکیت تھا۔ اس نے صائمہ پر پنجے گاڑھنے شروع کر دیے اور اسے مایوسی نہیں ہوئی، صائمہ پوری طرح اس کی مٹھی میں آگئی اور وہ اس کے گھرانے میں داخل ہوگیا، اس نے اس مختصر سے گھرانے کے ایک ایک فرد کا جائزہ لیا اور اسے اندازہ ہوگیا کہ باقی تو سب ٹھیک ہے لیکن شاہد علی اسے پسند نہیں کرتا، ایک بار اس نے صائمہ سے اس بارے میں بات کی تو صائمہ نے کہا۔

"ہاں...... مجھے اس بات کا اندازہ ہے کہ شاہد آپ سے کچھ کھنچا کھنچا رہتا ہے، لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے وہ آئزہ کو چاہتا ہے تو میں نے اس کے راستے میں کون سی رکاوٹ ڈالی، وہ اپنے کام سے کام رکھے"

"وہ خود تو ہمارے درمیان رکاوٹ نہیں بنے گا۔"

"میں ہر رکاوٹ کو راستے سے ہٹانا جانتی ہوں۔" یہ الفاظ صائمہ نے جس لہجے میں کہے تھے نادر خاں کو اس سے بڑا اطمینان ہوا تھا۔ اور پھر اس نے قدم آگے بڑھا دیے تھے۔ نادر خاں اور صائمہ جانتے تھے کہ لاابالی فطرت کے مالک شاہد کو حیدر علی کے کاروبار سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ اپنی ہی دنیا میں مست ہے چنانچہ اس نے اپنے منصوبے کے تحت کہا۔

"شاہد کو چچا جان کے کاروبار سے دلچسپی نہیں ہے، اگر یہ کاروبار اسے دے دیا گیا تو وہ سب کچھ تباہ کر کے رکھ دے گا اور مجھے اس کا بہت افسوس ہوگا۔"

"اس کا حل ہے میرے پاس۔" صائمہ نے کہا۔

"کیا؟"

"شادی کے بعد میں چچا جان کو مجبور کر دوں گی کہ وہ کاروبار آپ کے حوالے کر دیں۔" صائمہ نے وہ بات کہہ دی تھی جو نادر خان اس سے کہلوانا چاہتا تھا، لیکن وہ نہ ہوا جو نادر خان کا منصوبہ تھا۔ شادی

ہوئی۔ کچھ وقت یوں ہی گزر گیا، لیکن جب صائمہ اور نادر خان نے اپنے مقصد کا اظہار کیا تو حیدر علی نے خوش اسلوبی سے انکار کر دیا، حیدر علی تجربے کار آدمی تھا اور نادر خان کے خاندان سے بھی واقف تھا۔

بیوی کی بیماری کے بعد وہ دوسرے انداز میں سوچنے لگا۔ بہتر ہے وہ اس کاروبار کو فروخت کر کے صائمہ اور شاہد کو حصے دے دے، پھر دردانہ کا انتقال ہو گیا، صائمہ نے کافی دن کے بعد نادر خان کے اکسانے پر حیدر علی سے پھر بات کی کہ اس کی صحت ٹھیک نہیں رہتی، وہ اب اپنا کاروبار نادر خان کو سونپ دے، نادر خان اس کی بہتر دیکھ بھال کرے گا، لیکن حیدر علی نے صاف انکار کر دیا۔

''تم نے دیکھا انکل کا رویہ کیا ہے، صائمہ یہ تو میری توہین ہے۔ کیا میں کوئی چور اچکا ہوں۔ انکل کے دل میں میرے لیے جو کچھ ہے آج وہ کھل کر سامنے آگیا اور تم دیکھنا وہ تمہیں تمہارا حصہ دینے میں بھی انصاف نہیں کریں گے۔''

''کیسے انصاف نہیں کریں گے، میں اپنا حق وصول کرنا جانتی ہوں۔''

''تم ایک معصوم سی لڑکی ہو، کچھ نہیں ملے گا تمہیں۔''

''جانے دو۔ نادر خان۔ میں تمہیں بتاؤں گی کہ میں کیا کر سکتی ہوں۔'' صائمہ کے لہجے میں سانپ کی سی پھنکار تھی۔

''نہیں صائمہ، میں تمہاری جان خطرے میں نہیں ڈالوں گا۔ شاہد انکل سے بہت قریب ہے۔ وہ تمہیں نقصان پہنچانے سے گریز نہیں کرے گا۔'' نادر خاں صائمہ کو بھڑکا کر پکا کر رہا تھا۔

''میں سب کو راستے سے ہٹا دوں گی نادر......
ایک ایک کی چھٹی کر دوں گی، یہ دولت یہ کاروبار ہمارا ہے۔ صرف ہمارا، کوئی اسے ہم سے نہیں لے سکتا۔''
صائمہ نے کہا۔

بات صاف ہو گئی، نادر خاں نے صائمہ کو شیشے میں اتار لیا، منصوبہ اس نے پیش کیا تھا اور دونوں نے نوک پلک پر غور کیا تھا۔ اس منصوبے میں حیدر علی کا قتل اور اس قتل کے الزام میں شاہد کو پھنسانا تھا، صائمہ خود بھی غلط تھی، ورنہ ضرور سوچتی کہ جن کے خلاف وہ یہ منصوبے بنا رہی ہے۔ ان میں ایک اس کا مشفق چچا ہے۔ دوسرا بھائی، لیکن نادر خاں نے اسے ہپناٹائز کر دیا تھا اور وہ سارے رشتے بھول گئی تھی۔ منصوبے کے مطابق نادر خان نے رات کے کھانے پر شاہد سے کہا۔ ''شاہد کل مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔''

''کس بارے میں بھائی؟''

''یار فارم ہاؤس پر کچھ مہمان آرہے ہیں۔ یہ فش فارمنگ کے ایکسپرٹ ہیں، مجھے ان سے بہت مدد ملے گی، بس میں تمہیں ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔''

''لیکن بھائی میں......''

''جائے گا، شاہد آپ کے ساتھ ضرور جائے گا نادر۔'' صائمہ نے بڑی بہن کا حق استعمال کیا اور شاہد کو خاموش کر دیا، منصوبے کے مطابق نادر خان شاہد کو ساتھ لے کر فارم ہاؤس پہنچ گیا، یہاں رسمی طور پر مہمانوں کے استقبال کی تیاریاں کی گئیں جن میں کرم دین پیش پیش تھا، اسے شاید نادر خان نے کچھ ہدایات دی تھیں۔ وہ بار بار مسکرانے لگتا تھا۔

شاہد یہاں سخت بور ہو رہا تھا، لیکن بہن نے کہا تھا اس لیے وہ نادر خاں کی بات مان رہا تھا، شام ہو گئی کوئی مہمان نہیں آیا، تب نادر خان نے شاہد سے کہا کہ وہ مہمانوں کو لینے جا رہا ہے۔ شاہد کو وہ ایک کمرے میں چھوڑ گیا تھا۔ نادر خان کو گئے ہوئے کافی دیر گزر گئی تو شاہد نے موبائل فون پر اس سے مہمانوں کے بارے میں پوچھنے کے لیے موبائل نکالنے کی کوشش کی لیکن موبائل اسے نہ ملا۔ وہ حیران ہو گیا، موبائل کہیں نہیں تھا۔ اسے یاد آیا کہ اس نے موبائل ایک میز پر رکھا تھا۔ وہ وہاں سے غائب تھا۔ دوسری جگہوں پر اسے تلاش کرنے کے لیے اس نے کمرے کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو حیران رہ گیا۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ اس نے زور سے دروازہ پیٹا تو چھوٹی

کھڑکی سے کرم دین نے جھانکا۔
"یہ دروازہ باہر سے کس نے بند کیا ہے؟"
"نادر سائیں نے بابا، میرے کو منع کیا ہے کہ دروازہ نہیں کھولوں اور کہا ہے کہ آپ کوئی گڑبڑ کرو تو آپ کے پیروں میں گولیاں ماردوں۔" کرم دین نے کہا۔

شاہد دنگ رہ گیا۔ یہ کیا ہوا، کیوں ہوا۔ نادر خاں کیا چاہتا ہے۔ نادر خاں کیا چاہتا تھا اسے رات کو معلوم ہوگیا جب نادر خاں کے ساتھ صائمہ بھی کمرے میں داخل ہوئی۔ پیچھے کرم دین گن لیے اندر آیا تھا۔ شاہد نے غصے سے کچھ کہنے کی کوشش کی تو نادر خاں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"اس وقت صرف سنو، بولو مت شاہد، دولت کے حصول کے لیے بڑے بڑے کھیل ہوتے ہیں۔ یہ بھی ایک ایسا ہی کھیل ہے۔ میں نے اور صائمہ نے فیصلہ کیا ہے کہ حیدر علی کو راستے سے ہٹادیا جائے، ویسے بھی اپنی بیگم کی موت کے بعد وہ اداس رہنے لگے ہیں۔ ہم انہیں ان کی بیگم کے پاس روانہ کررہے ہیں۔ صائمہ تم سے کچھ کام لینا چاہتی ہیں۔"

صائمہ نے کہا۔ "ہاں شاہد، ہم نے سب کو راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کیا ہے۔ جس میں تم اور آئزہ فیملی بھی ہے۔ دس لاکھ روپے کے عوض ایسے لوگوں کو تیار کیا ہے جو کرائے کے قاتل ہیں۔ اگر تم نے ہماری ہدایت کے مطابق کام نہیں کیا تو وہ لوگ عزیز احمد اور ان کے اہل خاندان کو بم سے اڑادیں گے۔ یہ ان کی ڈیوٹی ہے۔ انہیں وہ رقم اس وقت ملے گی جب وہ اپنا کام کرلیں گے۔ ہاں وہ لوگ بچ سکتے ہیں اگر تم ان کے لیے قربانی دو۔ حیدر علی کو قتل کردیا جائے گا اور اس قتل کی ذمے داری تم لوگے۔"

صائمہ اسے پورا منصوبہ سمجھاتی رہی اور شاہد پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا، اس نے اتنا ہی کہا۔

"صائمہ تم چچا چچی کی ساری مہربانیوں کو بھول جاؤ گی۔"

"یہ دور ہی بھول جانے کا ہے شاہد، تم اگر آئزہ اور اس کے اہل خاندان کی زندگی چاہتے ہو تو وہی کرو جو کہا جائے۔"

شاہد کو فارم ہاؤس سے دوسری جگہ منتقل کردیا گیا جہاں وہ ساری رات اور دوسرے دن قید رہا۔ کرم دین اس کی نگرانی کرتا رہا۔ ادھر پروگرام کے مطابق صائمہ نے حیدر کو اپنے ہاتھ سے گولیاں ماریں اور پستول ایسی جگہ چھپادیا جو نادر خان کو معلوم تھی بعد میں صائمہ نے بہترین ڈرامہ کرکے پولیس کو خبر کی اور باقی کارروائی ہوئی۔ شاہد نے آئزہ اور اپنے عزیز دوست کی زندگی بچانے کی خاطر اپنی قربانی دے دی، لیکن قدرت کے اشارے کچھ اور تھے۔ اجمل شاہ عزیز احمد کو لے کر شاہ میر کے پاس پہنچ گیا اور شاہ میر کے ریکارڈ میں تھا کہ اس نے کسی بے گناہ کو موت کے منہ میں جانے نہیں دیا تھا۔

شاہد تا قیامت آئزہ کے خاندان کے لیے رسک لے کر زبان نہ کھولتا لیکن شاہ میر نے اس کی چچی کے قتل کی کہانی گھڑ کر اسے سنائی اور وہ ضمیر کی تڑپ کا شکار ہوگیا اور اس نے وہ سب کچھ اگل دیا، یہ شاہ میر کا کامیاب حربہ تھا۔ جس نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کردیا۔ حالانکہ نادر خان نے اپنے منصوبے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ آلہ قتل اس نے شاہد تک پہنچایا تھا کہ وہ اسے لے کر پولیس اسٹیشن پہنچ جائے اور خود کو قاتل کی حیثیت سے پیش کردے۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ کوشش کرکے شاہد کو ضرور بچالے گا۔

شاہ میر کے اشارے پر یہ کیس طارق مفتی کو دے دیا گیا اور اس نے تین پیشیوں میں شاہد علی کو باعزت رہا کرالیا۔ نادر خاں اور صائمہ کے بارے میں صرف ایک ہی اطلاع تھی کہ انہیں اس گناہ کے جرم کے نتیجے میں سزائے موت سے کوئی نہیں بچاسکے گا۔

☆☆

آخری داؤ

ضمیر احمد

اس وقت پوری دنیا کو منشیات کے چیلنج کا سامنا ہے۔ دنیا بھر کی حکومتیں اس عفریت کے خاتمے کے لیے میدان عمل میں اتری ہوئی ہیں لیکن اس عفریت کے پنجے مضبوط اور مضبوط تر ہوتے جا رہے ہیں۔

"آخری داؤ" میں آپ سراغ رساں "کرنل زاہد" اور اس کے جیالے ساتھیوں کو منشیات کے اس عفریت کے خلاف نبرد آزما ہوتے دیکھیں گے۔

تحیر، سنسنی اور ایکشن میں ابھرتا ڈوبتا کرنل زاہد کا ایک نیا کارنامہ

[illegible] شہر میں لباس ایکسپورٹ کرنے کی سب سے بڑی فرم تھی۔ اس کا کاروبار دنیا کے تمام بڑے شہروں سے تھا۔ کروڑوں کا کاروبار تھا فرم کے مالک سیٹھ جوہر کا شمار شہر کے معزز اور دولت مند لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کو جاننے والا ہر شخص سیٹھ جوہر کو خوش نصیب سمجھتا تھا کیونکہ اتنے بڑے کاروبار کا مالک تھا۔ کروڑوں روپے کی جائیداد کا مالک تھا۔ خود پرائیوٹ سراغ رساں احمد بھی اسی کی جائیداد کا کرایہ دار تھا۔

احمد سیٹھ جوہر سے دو بار ملا تھا۔ سیٹھ جوہر بہت بااخلاق آدمی تھا۔ عمر پچاس کے لگ بھاگ ہوگی۔ احمد کا بھی یہی خیال تھا کہ سیٹھ جوہر جیسے خوش نصیب لوگ دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔

لیکن ایک روز احمد کو پتا چلا کہ صرف بے شمار دولت حاصل ہو جانے سے انسان خوش نصیب نہیں ہو جاتا۔ ہر شخص کو کسی نہ کسی طرح کا دکھ لگا ہوا ہوتا ہے جو اسے گھن کی طرح کھاتا رہتا ہے۔ اس روز احمد اپنے فلیٹ کے رہائشی حصے میں نہا دھو کر دفتر والے کمرے میں جانے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ احمد نے جا کر دروازہ کھولا اور دروازے پر سیٹھ جوہر کو کھڑا دیکھ کر حیران رہ گیا۔ فوراً ہی اس کے ذہن میں خیال آیا۔

”کیا سیٹھ جوہر کرایہ لینے آیا ہے۔ لیکن ہمیشہ تو اس کا کلرک کرایہ لینے آتا ہے۔“

”یہ خیال احمد کے ذہن میں ہی تھا کہ جوہر نے کہا۔

”مسٹر احمد کیا آپ کا کچھ وقت لے سکتا ہوں۔“

اس کے بولنے پر پہلی بار احمد کو احساس ہوا کہ اس کی آواز بھاری تھی اور چہرے سے پریشانی کا اظہار ہو رہا تھا۔ احمد نے فوراً پورا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

”ہاں ہاں تشریف لائیے سیٹھ صاحب۔“

جوہر اندر آ کر کرسی پر بیٹھ گیا اور بولا۔ ”کوئی تکلف کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں کچھ نہیں پیوں گا اس وقت میں آپ کی مدد حاصل کرنے آیا ہوں۔“

”میری مدد“ احمد حیرت سے بولا۔

”جی ہاں۔“ جوہر نے جیب سے رومال نکال کر ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

احمد نے اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”آپ کو میری مدد کس سلسلہ میں درکار ہے۔“

”جوہر کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ پھر بولا۔ ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہاں سے شروع کروں۔“

”کہیں سے بھی شروع کریں۔ میں صرف حالات جاننا چاہتا ہوں۔“

جوہر نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”مسٹر احمد آپ ذہین شخص ہیں۔ آپ میرے کرایہ دار بھی ہیں۔ آپ نے میرے بارے میں ضرور کوئی رائے قائم کی ہوگی۔ آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں“

احمد مسکرا کر بولا۔ ”جی ہاں آپ کے بارے میں میں نے ایک رائے قائم کی ہے۔ اللہ نے آپ کو دنیا کے تمام عیش و آرام دے رکھے ہیں۔ آپ بہت خوش نصیب ہیں سیٹھ صاحب۔

پہلی بار جوہر کے لبوں پر ایک شکی سی مسکراہٹ آئی وہ بولا۔ ”ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ میں خوش نصیب ہوں کیونکہ میرے پاس دولت ہے۔ لیکن کوئی یہ نہیں جانتا کہ روپیہ قسمت نہیں بنا سکتا۔ شاید میں دنیا کا سب سے بدنصیب شخص ہوں کیونکہ بے شمار دولت کا مالک ہونے کے باوجود میں خوشی کے ایک ایک لمحے کو ترستا ہوں کوئی ایسا نہیں جسے میں اپنا کہہ سکوں اب آپ نے بات چھیڑی ہی دی ہے تو سنیئے۔ اب سے پچیس سال پہلے میں ایک لڑکی سے محبت کی تھی اس سے شادی بھی کر لی۔ شادی کے تین سال بعد ایک لڑکا ہوا جس کا نام ہم نے نیئر رکھا تھا۔ لیکن ابھی لڑکا ایک سال کا ہی تھا کہ میری بیوی چھوڑ کر چلی گئی۔“

”چھوڑ کر چلی گئیں۔“ احمد حیرت سے بولا۔ ”کیوں۔“

”اس لیے کہ اسے مجھ سے محبت نہیں تھی۔ اس نے صرف میری دولت کے لیے مجھ سے شادی کی تھی

بعد میں اسے ایک ایسا مرد مل گیا جو دولت مند بھی تھا اور اسے پسند بھی تھا اس نے مجھ سے طلاق لے کر اس مرد سے شادی کر لی جو صرف دو سال زندہ رہ سکا اور میری بیوی کے نام بہت ہی جائیداد چھوڑ کر مر گیا۔ میری بیوی فطرتاً رنگین مزاج تھی۔ آج کل وہ صرف دوست بناتی ہے۔ دن رات شراب پیتی ہے اور عیش کرتی ہے۔ وہ لڑکے کو بھی ساتھ لے گئی تھی میں نے عدالت میں کیس کیا۔ چھ سال کے مقدمے کے بعد لڑکا مجھے مل گیا لیکن چھ سال تک لڑکا صرف اپنی ماں کے ساتھ رہا تھا۔ اس لیے اس نے میرے ساتھ رہنا قبول نہ کیا۔ چنانچہ میں نے اسے ایک اچھے اسکول کے ہوسٹل میں رکھ دیا۔

''نیئر کی عمر اب انیس سال ہے۔ کالج میں پڑھتا ہے اور اس کی ساری زندگی ہوسٹل میں ہی گزری گرمیوں کی چھٹیوں میں وہ دس پندرہ دن میرے پاس گزارنے آجاتا ہے۔

''اپنی پہلی بیوی شمیم سے الگ ہونے کے دس سال بعد میں نے دوسری شادی کر لی۔ یہ عورت میری سکریٹری تھی۔ اس سے مجھے محبت نہیں تھی مگر وہ میرا خیال رکھتی تھی۔ لیکن بہت شکی اور حاسد عورت تھی۔ تین سال بعد ہی ایک روز اس کی اور میری لڑائی ہوگئی اور وہ بھی مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ میری دوسری بیوی کا نام ثریا تھا۔ اس سے ایک لڑکی ہوئی تھی جس کی عمر اس وقت پانچ سال ہے۔ لڑکی میرے ساتھ ہی رہتی ہے۔ بدقسمتی ہے اس پر پولیو کا حملہ ہوگیا اور اس کی دونوں ٹانگیں بیکار ہوگئیں۔ میں نے دنیا کے بڑے بڑے ڈاکٹروں سے علاج کرایا۔ سال بھر کے علاج کے بعد اب وہ ذرا اس قابل ہوئی ہے کہ بیساکھیوں کا سہارا لے کر تھوڑا بہت چل سکے۔

''اب آپ ہی فیصلہ کیجیے کہ میں خوش نصیب ہوں، یا بدنصیب۔ میری قسمت میں نہ بیوی کی محبت اور نہ بچوں کا سکھ۔''

احمد نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ ''آپ کی کہانی تو واقعی دکھ بھری ہے۔ اب آپ بتایے میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔''

''میرا لڑکا نیئر تین مہینے سے غائب ہے۔''

''غائب ہے۔'' احمد حیرت سے بولا۔ ''آپ کو کب پتا چلا؟''

''مجھے تین مہینے سے ہی معلوم ہے۔''

''تو پھر آپ اب تک کیا کرتے رہے۔''

''اب تک میں اپنے طور پر اس کو تلاش کر رہا تھا۔ میں نے شہر کے ایک پرائیویٹ جاسوس کی خدمات حاصل کی تھیں۔ اس نے مجھے رپورٹ دی کہ نیئر جہاں رہتا تھا۔ اس کے سامنے ہی نقلی زیور بیچنے کی دکان تھی جسے زیب نام کی ایک خوب صورت عورت چلاتی تھی زیب شادی شدہ تھی۔ اس کی عمر چوبیس سال ہے۔ پھر اسی کے چکر میں آگیا اور زیب کو لے کر کہیں بھاگ گیا۔ نیئر ابھی ناسمجھ ہے وہ عورت اس سے عمر میں بھی بڑی پھر شادی شدہ ہے۔ میں نے اس کے بارے میں چھان بین کرائی پتا چلا کہ شوہر کا نام باری ہے۔ باری کا ایک دوست ہے اس کا نام اکبر ہے اکبر کی ایک بہن سلمہ ہے جس نے ماجد نام کے ایک آدمی سے شادی کر رکھی ہے۔ اکبر اپنی بہن اور بہنوئی کے پاس ہی رہتا ہے۔ اپنی بیوی کے بھاگنے کے بعد باری بھی دکان بند کر کے اکبر کے پاس جا کر رہنے لگا ہے۔

''میں نیئر کی تلاش کرتا رہا لیکن نہ اس کا پتا چلا سکا نہ اس عورت زیب کا پھر میں نے اس پرائیویٹ جاسوس کو ہٹا کر ایک اور پرائیویٹ جاسوس کی خدمات حاصل کیں ایک ہفتہ پہلے ہی اس نے مجھے اطلاع دی کہ نیئر اور زیب بھی کھٹمنڈو میں ہیں۔''

''وہ دونوں بھی کھٹمنڈو میں ہیں۔'' احمد حیرت سے بولا تو کیا آپ ان سے ملنے گئے۔

''نہیں میں جانے کا پروگرام بنا ہی رہا تھا کہ کل ایک شخص مجھ سے ملنے آیا اس نے مجھے ڈرا دیا۔''

''کون تھا وہ آدمی۔'' آدمی بولا۔

وہ سی آئی ڈی کا ایک انسپکٹر تھا اور نیئر کے بارے میں پوچھنے آیا تھا۔''

''کیا نیئر نے کوئی جرم کر دیا ہے۔'' احمد نے

سوال کیا۔
"مجھے معلوم نہیں۔ ویسے انسپکٹر کہتا تھا کہ نیرّ نے کوئی جرم نہیں کیا۔ البتہ وہ نیرّ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔ انسپکٹر کہتا تھا کہ انٹرپول کی رپورٹ کے مطابق ماجد کو کین کا بہت بڑا اسمگلر ہے۔ کھٹمنڈو سے وہ مال دنیا بھر میں اسمگل کرتا ہے یہ سن کر میں اس لیے ڈر گیا کہ انسپکٹر کو نیرّ کے بارے میں ضرور کچھ اور بھی معلوم ہوگا ورنہ وہ اس کی تلاش میں میرے پاس کیوں آتا۔ ہوسکتا ہے نیرّ اس عورت کے چکر میں پڑ کر اس شخص ماجد کے ساتھ مل کر کام کرنے لگا ہو۔ آپ سمجھ سکتے ہیں یہ جان کر مجھ پر کیا گزری ہوگی۔"
"لیکن اگر نیرّ جس عورت کو لے کر بھاگا ہے اس کا شوہر بھی ماجد کے ساتھ رہتا ہے تو نیرّ اور زیب وہاں کیسے جاسکتے ہیں۔"
"اب میں کیا بتا سکتا ہوں۔"
"تو پھر آپ کھٹمنڈو جایے اور اپنے بیٹے کو سمجھا بجھا کر لے آیے۔"
"پہلے میرا یہی ارادہ تھا لیکن کل اسی سی آئی ڈی انسپکٹر سے بات کرنے کے بعد میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔"
"کیوں؟"
"اس لیے کہ مجھے ڈر ہے۔ ممکن ہے پولیس نیرّ کی ہی تلاش میں ہو۔ اس صورت میں وہ سی آئی ڈی والا میری نگرانی کر رہا ہوگا اور سوچے گا میں اپنے بیٹے سے ملنے ضرور جاؤں گا۔"
"میں سمجھ گیا۔ احمد بولا۔ "آپ کا مطلب ہے اس طرح وہ آپ کے ذریعے نیرّ تک پہنچ کر اس کو گرفتار کر لے گا۔"
"جی ہاں۔"
"تو پھر میں آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں۔"
"میں چاہتا ہوں کہ آپ کھٹمنڈو جا کر نیرّ سے ملیں اور اس کو سمجھا بجھا کر لے آئیں۔"
"اور اگر وہ نہ آیا تو۔"
"میرا خیال ہے وہ آپ کی بات ضرور مان لے گا۔"
"کیوں۔ وہ میری بات کیوں مان لے گا۔"
"کیوں کہ وہ آپ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ ایک طرح سے وہ آپ کا فین ہے کرنل زاہد کے ساتھ آپ کا ذکر اکثر اخباروں میں چھپتا رہتا ہے پچھلی بار جب وہ مجھ سے ملنے آیا تھا تو ایک روز اسے پتا چل گیا کہ آپ ہمارے کرایہ دار ہیں۔ نیرّ یہ سن کر بہت خوش ہو رہا تھا اور آپ سے ملنا چاہتا تھا لیکن پھر شاید بھول گیا۔ اور آپ سے ملے بنا ہی چلا گیا۔"
اپنا جملہ ختم کر کے جوہر نے کہا۔ "پلیز کیا ایک گلاس پانی مل سکتا ہے۔"
احمد فوراً اٹھ کر پانی لینے چلا گیا۔
پانی پی کر گلاس رکھتے ہوئے جوہر بولا۔ "تھینک یو مسٹر احمد، مجھے امید تھی کہ آپ میری مدد کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔ مجھے پیسے کی کوئی پروا نہیں میں صرف اپنا بیٹا چاہتا ہوں۔"
احمد نے سوچتے ہوئے کہا۔ "جہاں تک میرا تعلق ہے میرا پیشہ یہی ہے۔ میں آپ کی مدد کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن آپ ایک بات نظر انداز کر رہے ہیں۔"
"وہ کیا۔"
فرض کیجیے واقعی نیرّ غلط صحبت میں پڑ کر یا کسی مجبوری سے اسمگلنگ کا جرم کرنے لگا ہے تو آپ کیا کریں گے۔"
"اس کے بارے میں بھی آپ کو اصلیت کا پتا چلانا ہوگا۔ اگر نیرّ نے کوئی جرم نہیں کیا تو میں خود اس کو پولیس کے حوالے کردوں گا۔ اس کا بیان دلوا دوں گا۔ اگر اس سے واقعی کوئی جرم ہوا ہے تو میں وکیل سے مشورہ کر کے کوئی قدم اٹھاؤں گا۔"
احمد کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا "میرے ساتھ ایک مشکل اور ہے۔"
"وہ کیا۔" جوہر نے سوال کیا۔
"میں کرنل زاہد کے ساتھ رہتا ہوں۔ اس لیے کسی مجرم کا جرم نہیں چھپا سکتا۔"
"میں خود ایسا نہیں چاہوں گا۔ مجھے یقین ہے نیرّ نے کوئی جرم نہیں کیا ہوگا۔ اگر اس کا اس شخص سے

یعنی ماجد سے کوئی واسطہ ہو بھی گیا ہے تو بھی وہ اس عورت کی وجہ سے ہوا ہوگا۔ نیئر ابھی لڑکا ہی تو ہے۔ پوری طرح بالغ بھی نہیں ہوا۔"

"آل رائٹ، احمد بولا۔ میں نیئر کو لینے کھٹمنڈو جانے کو تیار ہوں۔ کیا آپ کو معلوم ہے وہ کھٹمنڈو میں کہاں پر رہتا ہے۔"

"نہیں...... یہ مجھے معلوم نہیں۔"

"لیکن آپ نے کہا تھا کہ دوسرے پرائیویٹ جاسوس نے......"

"ہاں......" جوہر نے بات کاٹ کر کہا۔ اس نے نیئر کو تلاش کرلیا ہے اسی کو معلوم ہے کہ نیئر کھٹمنڈو میں کہاں ہے۔ اس پرائیویٹ جاسوس کا نام مسٹر زین ہے اور وہ اس وقت کھٹمنڈو کے ہوٹل راج محل میں ٹھہرا ہوا ہے کیا آپ آج شام ہی کھٹمنڈو جا سکتے ہیں۔

"آج شام تو نہیں میں کل جا سکتا ہوں۔"

"بس تو ٹھیک ہے آپ کھٹمنڈو جا کر ہوٹل راج محل میں ہی ٹھہر جائیں۔ میں آج ہی فون کر کے مسٹر زین سے کہہ دوں گا کہ وہ آپ سے مل لے اور آپ کو بتا دے کہ نیئر کہاں ٹھہرا ہوا ہے میں اس سے کہوں گا کہ آپ میرے کزن یعنی نیئر کے چاچا ہیں نیئر کو لینے آرہے ہیں۔"

"یہ ٹھیک ہے۔" احمد بولا۔ "میں آج ہی جانے کی تیاری کرلوں گا۔"

"اب رہی آپ کی فیس کی بات۔ احمد صاحب میرے پاس نہ روپے کی کمی ہے نہ جائیداد کی، آپ میرے بیٹے کو واپس لا دے اس کے بدلے میں یہ فلیٹ آپ کے نام کردوں گا جس میں آپ کرایہ دار کی حیثیت سے رہتے ہیں۔"

"یہ فلیٹ میرے نام کردیں گے۔" احمد حیرت سے بولا۔ اتنے معمولی سے کام کے بدلے میں۔"

"آپ کے لیے یہ معمولی کام ہے مگر میرے لیے موت اور زندگی کا سوال ہے۔ نیئر میرا ایک ہی لڑکا ہے اسے کچھ ہوگیا تو میں یہ صدمہ برداشت نہ کرسکوں گا۔"

"اچھی بات ہے آپ فکر نہ کریں۔ میں نیئر کو واپس لانے کی پوری کوشش کروں گا۔ جوہر نے جیب میں ہاتھ ڈال کر سو سو کے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر میز پر ڈالتے ہوئے کہا۔ "یہ کچھ روپے ہیں آپ وہاں کے اخراجات کے لیے رکھ لیجیے۔"

احمد نے دل ہی دل میں کہا۔ "اے خدا آج ضرور تیری نظر کرم مجھ پر ہوئی ہے جو صبح صبح ہی ایک ایسا گاہک آ گیا ہے۔"

اس نے شکریہ ادا کر کے روپے اٹھا کر جیب میں رکھ لیے۔

دوسرے دن بارہ بجے اس کا جہاز کھٹمنڈو کے ایئرپورٹ پر پہنچا۔ جوہر نے اس کو بتا دیا تھا کہ اسے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ رات کو زین سے اس کی بات ہوگئی ہے۔ زین خود اس سے آکر ملے جائے گا۔

چنانچہ احمد نے ہوٹل راج محل پہنچ کر ایک کمرہ بک کرایا اور اپنے کمرے میں جا کر زین کا انتظار کرنے لگا۔

دوپہر کا کھانا بھی احمد نے ہوٹل میں ہی کھایا شام کو چائے بھی وہیں منگالی، لیکن زین اس سے ملنے نہ آیا۔ آخر جب اسے کھٹمنڈو آئے آٹھ گھنٹے ہوگئے تو اس نے ٹیلی فون اٹھا کر آپریٹر سے کہا۔

"آپ کے یہاں ایک صاحب مسٹر زین ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ذرا ان کے کمرے سے کنکشن ملا دیجیے۔"

"ایک منٹ پلیز۔" آپریٹر نے کہا۔

احمد انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر آپریٹر بولی۔ "آپ نے مسٹر زین نام بتایا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"وہ کہاں سے آئے ہیں۔"

"شاید دارالحکومت سے۔"

"آپ کا نام پلیز۔"

"میرا نام احمد ہے۔"

اس کے بعد فون پر کچھ دیر کھڑ بڑ ہوتی رہی۔ پھر ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

"کون بول رہا ہے۔"

”میرا نام احمد ہے۔ کیا آپ مسٹر زین ہیں۔“
”نہیں میرا نام زین نہیں۔“
”تو شاید آپریٹر نے غلط کمرے سے کنکشن ملادیا ہے۔“
یہ کہہ کر احمد نے فون رکھ دیا۔ دوبارہ آپریٹر کو ڈائل کیا لیکن اس بار فون انگیج کا سگنل اتار رہا۔ اس نے جھنجلا کر فون رکھ دیا اور سوچنے لگا کہ کیا کرے۔ کچھ دیر کمرے میں ٹہلنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا۔
”مجھے کاؤنٹر سے زین کے کمرے کا نمبر پوچھ کر خود اس سے جا کر ملنا چاہیے۔“
یہ فیصلہ کر کے وہ کپڑے بدل کر چلنے ہی والا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔
”ضرور زین ہوگا۔“ اس نے دل ہی دل میں کہا۔ ”کیونکہ کھٹمنڈو میرے آنے کے بارے میں صرف اسی کو معلوم ہے۔“
یہ سوچتے ہوئے اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔
مگر دروازے پر ایک پولیس افسر کھڑا تھا۔ پولیس افسر کو دیکھ کر اس کو خطرے کی گھنٹی بجتی محسوس ہوئی۔ اس نے پوچھا۔
”فرمایئے۔“
”احمد آپ ہی کا نام ہے۔“
”جی ہاں۔“
”تو آپ کو میرے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا ہوگا۔“
”کیوں۔“
”آپ مسٹر زین کے دوست ہیں۔“
”جی نہیں، میں نے تو اس بھلے آدمی کو کبھی دیکھا بھی نہیں ہے۔“
”لیکن آپ نے ان کے کمرے پر فون کیا تھا۔“
”ہاں، فون کیا تھا۔ لیکن کیا ہوا۔ کیا مسٹر زین نے کوئی جرم کیا ہے۔“
انسپکٹر نے گھمبیر آواز میں جواب دیا۔ مسٹر زین کا قتل ہو گیا ہے۔“

احمد نے چونک کر سوال کیا۔ ”قتل“
”جی ہاں۔“
”ان کے کمرے میں“ احمد نے سوال کیا۔
”جی نہیں۔ ان کی لاش صبح ہوٹل کے پیچھے ایک پہاڑی پر پڑی ملی ہے۔“
”اس کا مطلب ہے ان کو کل رات قتل کیا گیا ہے۔“
”جی ہاں اور شاید کسی اور جگہ قتل کر کے لاش وہاں ڈالی گئی ہے۔“
”قتل کس طرح ہوا۔“
”ریوالور کی گولی سے۔ کسی نے ان کے پیچھے سے بہت قریب سے گولی چلائی تھی۔ پلیز آپ میرے ساتھ چلیے آپ کا بیان بہت ضروری ہے۔“
پہلی بار احمد کو اندازہ ہوا کہ جس کیس کو وہ بہت آسان سمجھ رہا تھا وہ معمولی نہیں تھا۔ وہ پولیس افسروں کے مزاج سے واقف تھا اس لیے خاموشی سے انسپکٹر کے ساتھ چل دیا۔“
پولیس اسٹیشن ہر ملک کے پولیس اسٹیشنوں کی طرح ہی تھا اور ویسے ہی پولیس افسر تھے۔ احمد کی جیب میں اس وقت دو شناختی کارڈ تھے۔ ایک اس کا پرائیویٹ جاسوس کی حیثیت سے دوسرا ایک جرنلسٹ کی حیثیت سے راستے میں وہ سوچتا رہا کہ وہ انسپکٹر کو اپنے بارے میں کیا بتائے۔
آخر جب وہ پولیس انسپکٹر کے کمرے میں آکر بیٹھ گئے تو احمد نے فیصلہ کر لیا کہ وہ انسپکٹر کو سچ سچ بتا دے گا۔
کرسیوں پر بیٹھ جانے کے بعد انسپکٹر نے پہلے دونوں کے لیے کافی منگوائی۔ پھر کافی پیتے ہوئے بولا۔
”آل رائٹ اب آپ مجھے بتایئے۔“
”کیا بتاؤں۔“
”سب کچھ۔ جو کچھ بھی معلوم ہو۔ پہلے اپنے بارے میں بتایئے۔“
”میرا نام احمد ہے۔“
یہ کہہ کر احمد نے اپنی جیب سے شناختی کارڈ نکال کر انسپکٹر کی جانب بڑھا دیا۔ انسپکٹر کچھ دیر اس

کے کاغذات دیکھتا رہا پھر اس کی طرف دیکھ کر بولا۔
''تو آپ بھی پرائیویٹ جاسوس ہیں۔''
''جی ہاں۔''
''اس کا مطلب ہے مسٹر زین آپ کے لیے کام کرتے تھے یا آپ ان کے لیے......''
''احمد اسکی بات کاٹ کر کہا۔''ان میں سے کچھ نہیں تھا۔ مسٹر زین سے میں کبھی نہیں ملا۔ میری ڈیٹکٹو ایجنسی انڈی پنڈنٹ ہے۔''
''تو آپ نے مسٹر زین کے کمرے میں کیوں فون کیا تھا۔''
''اس لیے کہ وہ جس شخص کے لیے وہ کام کر رہے تھی میں بھی اسی شخص کے لیے کام کر رہا ہوں۔ مسٹر زینت قریباً دو ہفتے سے یہ کام کر رہے تھے۔ میں نے کل سے یہ کام شروع کیا ہے۔''
''آپ دونوں کس کے لیے کام کر رہے تھے اور کام کی نوعیت کیا تھی۔
''ایک باعزت اور شریف شخص مسٹر جوہر کا لڑکا اچانک غائب ہوگیا ہے۔ مسٹر زین اس کی کھوج میں یہاں تک آئے تھے اور انہوں نے اطلاع دی تھی کہ لڑکا یہاں کھٹمنڈو میں ہے۔ یہ اطلاع پا کر مسٹر جوہر نے مجھ سے درخواست کی کہ میں یہاں آکر لڑکے کو لے جاؤں۔''
''کیوں جب ایک پرائیویٹ جاسوس کام کر رہا تھا تو آپ کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔''
''اس لیے کہ انہیں ڈر تھا شاید لڑکا مسٹر زین کے ساتھ نہ آئے۔ لڑکا مجھے جانتا ہے اس لیے مسٹر جوہر نے خیال کیا کہ میں لڑکے کو سمجھا بجھا کر لے جاؤں گا۔''
''کیا وہ باپ سے لڑ کر آیا تھا۔''
''وہ ابھی صرف لڑکا ہے۔ انیس سال عمر ہے۔ ایک اسکول میں پڑھتا تھا۔ ہوسٹل میں رہتا تھا۔ کسی عورت کے چکر میں پڑھ کر یہاں چلا آیا عورت اس سے بڑی عمر کی تھی۔''
انسپکٹر نے آگے جھکتے ہوئے پوچھا۔ لڑکے کا نام
''نیئر۔''
''اس عورت کا نام جس کے ساتھ وہ بھاگ کر آیا ہے۔''
''شاید زیب ہے۔''
''تو اس کا مطلب ہے اس لڑکے کا یا اس عورت کا کوئی جاننے والا یہاں رہتا ہے اس لیے وہ بھاگ کر یہاں آئے ہیں۔''
''یہ تو مجھے معلوم نہیں۔''احمد نے جواب دیا۔ سچ یہ ہے کہ مجھے تو کچھ بھی معلوم نہیں۔ مجھ سے تو مسٹر جوہر نے کہا تھا کہ میں یہاں آکر اس ہوٹل میں ٹھہر جاؤں۔ مسٹر زین مجھ سے خود میرے کمرے میں آکر مل لیں گے اور مجھے بتا دیں گے کہ نیئر کہاں ٹھہرا ہوا ہے میں صبح کو فلائٹ سے آیا ہوں۔ آپ چیک کر سکتے ہیں۔ سارا دن میں انتظار کرتا رہا۔ جب مسٹر زین پروگرام کے مطابق نہ آئے تو میں نے ان کے کمرے میں فون کر لیا۔ بس یہ کل کہانی ہے۔''
''مسٹر جوہر نے فون کر کے ان کو بتا دیا تھا۔''
انسپکٹر پنسل اٹھا کر کچھ دیر کنپٹی پر مارتا رہا اور سوچتا رہا پھر بولا۔
''کیا آپ کو یقین ہے وہ لڑکا یہیں کھٹمنڈو میں ہے۔''
''مجھے کچھ معلوم نہیں۔''
''مسٹر زین نے لڑکے کے باپ کو رپورٹ دی ہوگی۔ تو بتایا ہوگا کہ وہ کہاں ہے۔''
''نہیں اس نے یہ بتایا تھا صرف یہ کہا تھا کہ لڑکا یہاں ہے۔''
''مجھے معلوم نہیں، آپ نے یہ سوال کیوں پوچھا۔''
''ویسے ہی پوچھ لیا۔'' انسپکٹر نے لاپروائی سے کہا لیکن اس کی آنکھیں بتا رہی تھی کہ یہ سوال یوں ہی نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس کے پیچھے کوئی اہم بات تھی۔
چند لمحوں کے توقف کے بعد انسپکٹر نے سوال کیا۔
''اب مسٹر زین کے مر جانے کے بعد آپ کیا کریں گے۔''
''اب میں خود اس لڑکے کو تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔''

”کیا آپ نے لڑکے کو دیکھا ہے۔“
”احمد نے صرف تصویر دیکھی تھی۔ اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔“ ہاں دیکھا ہے۔ مگر میں نے دو سال پہلے دیکھا تھا اور آپ جانتے ہیں اس عمر میں لڑکے کس تیزی سے تبدیل ہوتے ہیں۔“
”اس کا حلیہ بتایئے۔“
احمد نے تصویر کے مطابق حلیہ بتادیا جو انسپکٹر نے نوٹ کرلیا۔ وہ لکھ چکا تو احمد بولا۔
”کیا آپ اب کچھ مجھے بتاسکیں گے۔“
”پوچھیے۔“
”آپ کے خیال میں مسٹر زین کی موت کب واقع ہوئی ہوگی۔“
”ڈاکٹر کی رپورٹ کے مطابق رات کو بارہ اور دو بجے کے درمیان موت ہوئی ہے۔“
”کیا یہ ممکن ہے کہ مسٹر زین کے کمرے میں ان کو قتل کر کے وہاں لے جا کر ڈال دیا گیا ہو۔“
”نہیں، کمرے میں اس قسم کی کے آثار نہیں پائے گئے۔“
”آپ نے لاش کو کیسے شناخت کیا۔“
”مسٹر زین کی جیب میں ہوٹل تاج محل کا کارڈ تھا۔ ان کا شناختی کارڈ بھی تھا۔ ہوٹل کے منیجر اور روم بیرے نے ان کو پہچان لیا ہے۔“
”قتل کے بارے میں آپ کی کیا رائے کسی نے پیسے کی خاطر ان کو قتل کیا ہے۔“
”اس بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے۔ بس اتنا یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ گولی مارنے والا مرحوم کے پیچھے تھا اور ایک گز سے زیادہ کے فاصلے پر نہیں تھا۔“
”تھینکس،“ احمد بولا۔ آپ مجھ سے کچھ اور پوچھنا چاہتے ہیں۔“
”نہیں بس اور کچھ نہیں۔“
”تو میں جاسکتا ہوں۔“
”جی ہاں...... لیکن ابھی آپ یہ شہر چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔“
”کیوں کیا آپ مجھے مشتبہ سمجھ رہے ہیں؟“
”نہیں، لیکن ہمیں تحقیق میں آپ کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔“
”مجھے کب تک یہاں رہنا ہوگا۔“
”شاید دو چار دن۔“
”آل رائٹ، پھر میں اجازت چاہوں گا۔“
”یہ کہہ کر احمد اٹھ کھڑا ہوا۔“

☆☆☆

اپنے ہوٹل میں واپس آکر وہ کمرے کا تالا کھول ہی رہا تھا کہ اندر فون کی گھنٹی بجنا شروع ہوگئی۔ جلدی سے تالا کھول کر اندر داخل ہوا اور ریسیور اٹھا کر ”ہیلو“ کہا۔ دوسری طرف سے ایک مردانہ آواز نے کہا۔
”مسٹر احمد۔“
”یس اسپیکنگ۔“
”میں جوہر بول رہا ہوں۔“
”اوہ مسٹر جوہر۔“ احمد خوش ہوکر بولا۔ تھینکس گاڈ کہ آپ نے فون کرلیا۔ میں یہاں آکر الجھن میں پڑ گیا ہوں۔
”مجھے معلوم ہے۔“ جوہر بولا۔
”کیا معلوم ہے آپ کو۔“
”مجھے زین کے بارے میں پتا چل گیا ہے۔“
”اوہ، مگر آپ کو کیسے پتا چلا۔“
”میں نے صبح اٹھ کر دوبارہ فون کرنے کی کوشش کی تھی اس وقت منیجر نے بتایا تھا۔“
”تو اب میں کیا کروں۔“
”کچھ نہیں، آپ وہیں ٹھہریں میں بھی کھٹمنڈو آرہا ہوں۔“
”کب۔“
”کل صبح کی فلائٹ سے۔ آپ مجھے ایئرپورٹ ملیے۔“ بہت اچھا۔ میں ایئرپورٹ پر آپ کو ملوں گا اور مجھے خوشی ہے کہ آپ آرہے ہیں۔“
”او کے کل ملاقات ہوگی۔“
”یہ کہہ کر جوہر نے فون بند کردیا۔
دوسرے دن صبح کو احمد ناشتا کر کے اپنے کمرے کی طرف جارہا تھا کہ ایک زنانہ آواز نے اس کو چونکا

دیا۔
"کیا بات ہے احمد، کیا پرانے دوستوں کو پہچانتے بھی نہیں۔"
احمد نے بولنے والی کی طرف پلٹ کر دیکھا۔ چہرہ مانوس تھا۔ پہلے تو وہ پہچان نہ سکا۔ پھر اسے یاد آ گیا۔ وہ مسز ریتا ہے۔ دو سال پہلے وہ اسی عمارت میں رہتی تھی۔
جس میں احمد کا فلیٹ اور دفتر تھا یعنی وہ بھی مسٹر جوہر کی ہی کرایہ دار تھی اور مسٹر جوہر کی فرم میں ہی کام کرتی تھی۔ شروع شروع میں مسٹر احمد سے دوستی کرنی چاہی تھی لیکن احمد ان دونوں ایک لڑکی کے چکر میں تھا اس لیے تعلقات رسمی دوستی سے آگے نہ بڑھ سکے تھے۔ پھر پتا چلا کہ ریتا نے کسی سے شادی کر لی ہے اور اس کے کچھ دن بعد ہی نوکری چھوڑ کر چلی گئی۔
اس کو پہچاننے کے بعد احمد بولا۔
"اوہ ہیلو مسز ریتا۔ آپ یہاں کیا کر رہی ہیں۔"
"یہی سوال میں آپ سے پوچھنے والی تھی۔"
"میں بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے آپ بتائیے آپ کیسی ہیں آپ کے شوہر کیسے ہیں اور آپ یہاں کیا کر رہی ہیں۔"
ریتا نے مسکرا کر کہا۔ "آپ نے ایک ساتھ اتنے سارے سوال کر ڈالے۔ ان سب کا جواب کھڑے کھڑے نہیں دیا جا سکتا اس لیے آئیے کہیں بیٹھ کر کافی پیتے ہیں پھر میں آپ کے سوالوں کا جواب دوں گی۔"
احمد نے گھڑی دیکھی۔ فلائٹ آنے میں ابھی دو گھنٹے تھے۔ اس لیے احمد ریتا کے ساتھ اسی ہوٹل کے کافی ہاؤس میں آ گیا۔ کچھ دیر بعد کافی آ گئی تو احمد نے کہا۔
"آل رائٹ، اب میرے سوالوں کا جواب دیجیے۔"
ریتا نے مسکرا کر کہا۔ "آپ کے ایک سوال کا جواب تو یہ ہے کہ شادی کے بعد میں کھٹمنڈو آ گئی تھی۔ میرا شوہر یہیں کا رہنے والا تھا۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس شوہر سے طلاق لیے مجھے ایک سال ہو چکا ہے ہم دونوں میں نہیں نبھ سکی اور تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں یہاں سروس کر رہی ہوں۔"
"اکیلی رہتی ہیں۔"
"ہاں۔"
"اب آپ بتائیے کہ آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔"
"آپ جوہر کے یہاں سروس کرتی تھیں ناں۔"
"جی ہاں۔"
"آپ کو معلوم ہے مسٹر جوہر کا ایک لڑکا ہے جو ہوسٹل میں رہتا تھا۔"
"جی ہاں۔ شاید ان کی پہلی بیوی کا لڑکا تھا۔"
"وہی...... وہ تین مہینے ہوئے پڑھائی چھوڑ کر بھاگ گیا۔ مسٹر جوہر نے اس کی تلاش کے لیے دو پرائیویٹ جاسوسوں کی خدمات حاصل کیں ہیں۔ پتا چلا کہ وہ یہاں کھٹمنڈو میں ہے۔ مسٹر جوہر نے مجھے یعنی تیسرے پرائیویٹ جاسوس کو اپنے لڑکے کو لانے کے لیے بھیجا ہے۔"
"تو کیا آپ کو لڑکا مل گیا۔"
"جی نہیں۔ بدقسمتی سے جاسوس نمبر دو کو جسے اس لڑکے کا پتا معلوم تھا رات کسی نے قتل کر دیا۔"
ریتا سہم کر بولی۔ "قتل کر دیا۔"
"جی ہاں۔"
"اوہ گاڈ، یہ تو برا ہوا۔ پھر اب کیا ہوگا۔"
"مجھے خود معلوم نہیں۔ مسٹر جوہر آج دو گھنٹے بعد جہاز سے کھٹمنڈو آ رہے ہیں۔"
"مسٹر جوہر بہت شریف آدمی ہیں۔ مجھے ان کی سروس چھوڑنے کا اب تک افسوس ہے۔"
"آپ چاہیں تو پھر ان کی فرم میں نوکری کر سکتی ہیں۔"
"میں واقعی چاہوں گی۔ کیا آپ مجھے مسٹر جوہر

سے ملادیں گے۔"
"ضرور ملادوں گا۔" احمد نے جواب دیا۔
باتوں باتوں میں کافی دیر ہوچکی تھی اور جہاز کا وقت بھی قریب آرہا تھا۔ احمد نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔
"اب مجھے جانا ہوگا۔ ایئرپورٹ پر مسٹر جوہر سے ملنے۔"
"آپ کہاں ٹھہرے ہیں۔" ریتا نے پوچھا۔
"اسی ہوٹل میں کمرہ نمبر 112۔"
"آل رائٹ، میں رات کو آپ سے ملنے کی کوشش کروں گی یا فون کروں گی۔"
اس کے بعد دونوں نے جلدی جلدی کافی ختم کی۔ احمد کی ضد کے باوجود ریتا نے کافی کا بل ادا کیا اس کے بعد دونوں پھر ملنے کا وعدہ کر کے جدا ہوگئے۔
ایئرپورٹ پر جہاز اترا۔ ایک ایک کر کے مسافر کسٹم آفس سے گزرنے لگے۔ احمد دیکھتا رہا۔ مسٹر جوہر کا کہیں پتا نہیں تھا۔
جب سارے مسافر نکل گئے تو وہ ایشین ایئر کے کاؤنٹر پر گیا اور اس کے مسافروں کی لسٹ دیکھنے کی کوشش ظاہر کی۔ لسٹ میں بھی مسٹر جوہر کا نام نہیں تھا۔
احمد کو حیرت ہوئی کہ جوہر کیوں نہیں آیا۔ وہ ہوٹل واپس آگیا اسے یقین تھا کہ فون ضرور آئے گا۔
ایک گھنٹہ انتظار کے بعد آخر فون کی گھنٹی بجی، اس نے جلدی سے ریسیور اٹھایا فون پر ایک زنانہ آواز سنائی دی۔
"مسٹر احمد آپ کی کال ہے۔"
"پلیز کنکشن ملا دیجیے۔"
کنکشن ملنے پر ایک اور زنانہ آواز نے کہا۔"
مسٹر احمد۔" "یس اسپیکنگ۔
"میں مونا بول رہی ہوں۔ مسٹر جوہر کی سکریٹری۔"
"یس مونا۔ مسٹر جوہر کو یہاں آنا تھا۔"
"اسی لیے میں فون کر رہی ہوں۔"
"کیا ہوا۔"
"مسٹر جوہر کو ہارٹ اٹیک ہوگیا۔"
"کب......؟"
"کل رات۔"
"اوہ، کیا وہ ابھی تک خطرے میں ہیں۔"
"وہ اسپتال کے انٹینسو کیئر وارڈ میں ہیں کسی کو ان سے ملنے کی اجازت نہیں۔"
"مجھے افسوس ہے۔"
"اس کے باوجود آپ کے لیے پیغام ہے۔"
"کیا پیغام ہے۔"
"مسٹر جوہر نے ڈاکٹر کے ذریعے مجھے پیغام بجھوایا ہے۔ کہ میں فون کر کے ان کے بارے میں آپ کو بتادوں اور کہہ دوں کہ مسٹر جوہر چاہتے ہیں کہ آپ ان کے لڑکے کی تلاش جاری رکھیں کسی طرح بھی ان کے لڑکے کو لے آئیں۔"
آل رائٹ مس مونا۔" احمد بولا۔ میں وعدہ تو نہیں کرتا۔ لیکن اگر آپ کی مسٹر جوہر سے بات ہو سکے تو ان سے کہہ دینا کہ میں پوری کوشش کروں گا۔"
"او کے مسٹر احمد تھینک یو۔"
"یہ کہہ کر مونا نے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

پرائیویٹ جاسوس زین قتل ہو چکا تھا۔ جوہر پر دل کا دورہ پڑ چکا تھا احمد کو کچھ پتا نہیں تھا کہ نیئر کس جگہ ٹھہرا ہوا ہے۔ اتنے بڑے شہر میں اس کو تلاش کرنا گھاس کے ڈھیر میں سوئی تلاش کرنے کے برابر تھا۔
فون کرنے کے بعد احمد سوچ میں پڑ گیا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ کس طرح وہ نیئر کو تلاش کرے اسے صرف ان آدمیوں کے نام معلوم تھے جن کا کیس سے کچھ تعلق تھا۔ زیب وہ عوت جس کے ساتھ نیئر کھٹمنڈو آیا تھا۔ زیب کا شوہر باری تھا اس کا دوست اکبر تھا۔ اکبر کی بہن سلمہ اور اس کا شوہر ماجد تھا۔
صرف ان ناموں کے جاننے سے وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا تھا۔
سوچتے سوچتے اچانک احمد کے ذہن میں ایک

خیال اس نے فوراً فون اٹھا کر ہوٹل کی آپریٹر سے کہا۔
''میں ذرا انسپکٹر بھنڈاری سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ انسپکٹر نام کی تختی احمد نے اس کمرے پر لکھی دیکھی تھی اس لیے اسے یہ نام یاد رہ گیا تھا۔ آپریٹر انسپکٹر کو جانتی تھی۔ اس لیے اس نے پولیس ہیڈ کوارٹر سے کنکشن ملا دیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک مردانہ آواز نے کہا۔
''انسپکٹر بھنڈاری اسپیکنگ۔''
''انسپکٹر صاحب! میں احمد بول رہا ہوں۔ آپ کو یاد ہوگا کل ہماری ملاقات ہو چکی ہے۔''
''جی ہاں، کہیے آپ نے کیسے یاد فرمایا۔''
''انسپکٹر صاحب کیا مقتول زین کی جیب سے کوئی ڈائری آپ کو ملی تھی۔''
''نہیں۔ انسپکٹر نے جواب دیا۔ ''اس کی جیبیں خالی تھیں غالباً قاتل نے قتل کرنے کے بعد اس کی جیبوں کا سارا سامان نکال لیا تھا۔''
''آپ نے اس کے کمرے کی تلاشی لی ہوگی۔''
'' جی ہاں۔ ایک سپاہی کمرے کی نگرانی کر رہا ہے۔ ابھی ہم نے فیصلہ نہیں کیا کہ ان کے سامان کا کیا کیا جائے۔''
'' آپ مجھے ایک بار اس کمرے کو دیکھنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔''
''کیوں۔''
''زین کو معلوم تھا کہ نیئر یہاں کس جگہ ٹھہرا ہوا ہے ممکن ہے اس نے کوئی یادداشت چھوڑی ہو۔ میرے لیے اس لڑکے کو تلاش کرنا ضروری ہے۔ اگر آپ اجازت دے دیں گے تو شاید میری مشکل حل ہو جائے۔''
انسپکٹر کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ ''آل رائٹ میں کمرے کی نگرانی کرنے والے سپاہی کو کہہ دیتا ہوں کہ وہ آپ کو کمرے میں جانے دے۔ لیکن اگر وہ لڑکا آپ کو مل جاتا ہے تو میں بھی اس سے ملنا چاہوں گا۔''
''ضرور، وہ مل گیا تو میں اسے آپ سے ملوا دوں گا۔''
''اچھی بات ہے آپ دس منٹ بعد کمرے پر چلے جائیں۔''
''احمد نے شکریہ ادا کر کے فون رکھ دیا۔
زین کے کمرے میں صرف اٹیچی تھا۔ کچھ کپڑے الماری میں ٹنگے تھے۔ پندرہ بیس منٹ میں احمد نے ایک ایک چیز دیکھ ڈالی۔ لیکن اسے کوئی ایسی چیز نہ ملی جس سے لڑکے کے بارے میں پتا چل سکتا۔ آخری میں وہ الماری میں ٹنگے کپڑوں کی تلاشی لے رہا تھا اسے ایک میلی پتلون کی ٹکٹ پاکٹ میں کاغذ کا ذرا سا پرزہ تہ کیا ہوا ملا۔ اس نے کاغذ کھول کر دیکھا۔ اس پر کھٹمنڈو کا ایک پتا لکھا تھا۔ پتے پر کسی کا نام نہیں تھا۔ احمد نے وہ کاغذ اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اس نے سوچا زین نے یہ پتا بڑی احتیاط سے رکھا ہوگا۔ مجھے اس پر جا کر دیکھنا ہوگا۔
تلاشی ختم کر کے سپاہی کا شکریہ ادا کر کے وہ اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔
ایک گھنٹے بعد وہ اس پتے پر پہنچا۔ یہ کافی بڑا مکان تھا۔ مکان کا دروازہ بند تھا۔ بظاہر ایسا لگتا تھا کہ اس میں کوئی نہیں رہتا۔ احمد نے مکان کے دروازے پر جا کر کنڈی بجائی۔ تھوڑی دیر بعد قدموں کی چاپ سنائی دی۔ پچیس چھبیس سال کے ایک جوان شخص نے دروازہ کھولا اور اس کو گھورتے ہوئے بولا۔
''کس سے ملنا ہے آپ کو؟''
'' بے سوچے سمجھے احمد کے منہ سے نکل گیا۔ ماجد سے ملنا ہے۔''
احمد کو یقین نہیں تھا کہ یہ ماجد کا مکان ہوگا۔ مگر چونکہ زین یہاں ماجد کی تلاش میں آیا تھا اور اس نے پتا بڑی حفاظت سے اپنی ٹکٹ پاکٹ میں رکھا تھا اس لیے احمد کے لاشعور میں یہ بات تھی کہ شاید یہ ماجد کا ہی مکان ہو۔
اندھیرے میں چلایا ہوا تیر نشانے پر بیٹھا۔ وہ ماجد کا ہی مکان تھا۔ دروازہ کھولنے والے نے کہا۔
''وہ تو یہاں نہیں ہیں۔ آپ کو ان سے کیا کام

ہے۔“
”پھر شاید آپ میری مدد کر سکیں۔“ احمد بولا۔ ”میں نیئر کے باپ مسٹر جوہر کا دوست ہوں اور نیئر کی تلاش میں یہاں آیا ہوں، کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ نیئر سے میں کہاں مل سکتا ہوں۔“
نیئر کا نام سن کر اس شخص کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ وہ چند لمحے اپنا نچلا ہونٹ چباتا رہا اور پھر بولا۔
”آپ اندر آجایئے۔“
احمد اس کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ مکان اندر سے قیمتی سامان سے سجا ہوا تھا۔ اس نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔
”کیا آپ کا نام مسٹر اکبر ہے۔“
”آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہوا۔“
”مسٹر جوہر نے بتایا تھا کہ نیئر شاید آپ لوگوں کے ساتھ ہوں۔“
اس آدمی کے جواب سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ وہ اکبر ہی ہے۔“ احمد نے سوچا ممکن ہے زیب کا شوہر باری بھی یہیں ہو۔ ڈرائنگ روم میں پہنچ کر اکبر نے اس کو کرسی پر بیٹھنے کے لیے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
”آپ نے یہ کیسے اندازہ لگایا کہ نیئر یہاں ہوگا۔“
”نیئر کے باپ نے بتایا تھا کہ وہ شاید یہاں ہو۔“
”نہیں وہ یہاں نہیں۔ نہ زیب۔“
لیکن آپ کو یہ پتا ہوگا وہ کھٹمنڈو میں کہاں رہ رہے ہیں۔ زیب کا شوہر آپ کا دوست ہے۔ انہیں ضروری معلوم ہوگا کہ زیب کہاں ہے۔“
اکبر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ”نیئر کا باپ اپنے بیٹے کی تلاش کے لیے خود کیوں نہیں آتا؟“
”اس لیے کہ ان پر اچانک دل کا دورہ پڑ گیا تھا وہ میرے دوست ہیں۔ میرا نام احمد ہے۔“
اسی وقت ایک اور شخص اندر داخل ہوا یہ شخص بنیان اور جینز پہنے تھا اس نے اندر داخل ہو کر احمد کی طرف دیکھتے ہوئے اکبر سے پوچھا۔
”کیا بات ہے یہ کون ہیں؟“
”یہ اپنا نام احمد بتاتے ہیں۔ نیئر کے باپ کے دوست ہیں نیئر کی تلاش میں یہاں آئے ہیں۔“
”تو یہاں کیوں آئے ہیں؟“ انہوں نے یہ کیسے سوچ لیا کہ نیئر یہاں ہوگا۔“
احمد نے اس کے جواب میں سوال کیا۔ ”کیا آپ مسٹر باری ہیں۔“
”ہاں میرا نام باری ہے۔“
”سوری مسٹر باری۔ مجھے معلوم ہے کہ نیئر آپ کی بیوی کے ساتھ کھٹمنڈو آیا تھا۔ نیئر کے ڈیڈی نے مجھے بتایا تھا۔“
باری نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں کستے ہوئے غصے سے کہا۔ ”میں اپنی بیوی کے بارے میں نہ کوئی بات کرنا چاہتا ہوں نہ سننا چاہتا ہوں۔“
احمد نے نرم لہجے میں کہا۔ ”مسٹر باری میں آپ کے جذبات کو محسوس کر سکتا ہوں سچ یہ ہے کہ جو کچھ ہوا بہت برا ہوا۔ آپ کے ذاتی معاملات سے میرا کوئی تعلق نہیں، میں صرف نیئر کو یہاں لینے آیا ہوں۔ کیونکہ اس کے ڈیڈی سخت بیمار ہیں۔“
باری نے غصے سے کہا۔ ”ہمیں نہ نیئر سے کوئی دلچسپی ہے نہ اس کے باپ سے۔“
”لیکن یہ مکان مسٹر ماجد کا ہے۔ مسٹر جوہر نے مجھے بتایا تھا کہ وہ شاید مسٹر ماجد کے پاس آیا ہو۔“
اس وقت باہر ایک کار رکنے کی آواز سنائی دی۔ وہ سب دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ چند منٹ بعد ہی اٹھائیس تیس سال کی ایک خوب صورت عورت کالے لباس میں اندر داخل ہوئی احمد نے اس کو ایک نظر دیکھتے ہی پہچان لیا کہ وہ ماجد کی بیوی سلمہ تھی۔ کیونکہ اس کے نقوش اکبر سے ملتے تھے۔
عورت نے اندر داخل ہوتے ہوئے احمد کی جانب دیکھا۔ پھر اکبر سے پوچھا۔
”یہ کون صاحب ہیں؟“

احمد نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "مادام میں آپ کو بتاتا ہوں اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو آپ مسز ماجد ہیں۔"

"ہاں میں مسز ماجد ہوں۔" عورت بولی۔ "آپ کون ہیں؟"

"میرا نام احمد ہے۔ میں دارالحکومت سے آیا ہوں۔ نیئر کے باپ مسٹر جوہر کا دوست ہوں۔ مسٹر جوہر سخت بیمار ہیں۔ اس لیے میں نیئر کو لینے آیا ہوں۔ ان کا خیال تھا کہ شاید آپ کے شوہر مسٹر ماجد کو نیئر کے بارے میں معلوم ہو۔ یہاں میں مسٹر ماجد سے ہی ملنے آیا تھا۔"

"سوری آپ میرے شوہر سے نہیں مل سکتے۔"

"کیوں۔ کیا وہ یہاں سے باہر گئے ہوئے ہیں۔"

"میرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے۔" سلمہ بولی۔

"انتقال ہو گیا۔" احمد حیرت سے بولا۔

"کب؟"

"دو ہفتے ہوئے میرے شوہر کو قتل کر دیا گیا۔"

"مائی گاڈ۔" احمد کے منہ سے نکلا اور وہ چند لمحوں کے لیے ساکت کھڑا رہ گیا۔

کھٹمنڈو آنے کے بعد یہ دوسرے قتل کی خبر تھی۔ احمد کو حیرت تھی کہ اگر ماجد قتل ہو گیا تھا تو زین نے جوہر کو خبر کیوں نہیں کی۔ بہرحال چند لمحوں کے بعد احمد نے سلمہ سے کہا۔

"آئی ایم ویری سوری مادام، یقیناً یہ آپ کے لیے بڑے دکھ کی بات ہے۔ کیا کچھ پتا چل سکا کہ ان کو کس نے قتل کیا اور کیوں کیا؟"

"جواب میں باری بولا۔ ماجد کو نیئر نے قتل کیا ہے۔

"اوہ نو۔" احمد بولا۔ "نیئر تو ابھی لڑکا ہی ہے۔"

"یہ سچ ہے۔" سلمی بولی۔ "یا کم از کم حالات سے ایسا ثابت ہوتا ہے کہ ماجد کو نیئر نے ہی قتل کیا ہے۔"

"پلیز۔ کیا آپ مجھے تفصیل سے اس بارے میں بتا سکتی ہیں۔"

سلمی نے اپنے بھائی اور باری کی جانب دیکھا اور بولی "اب تم لوگ جاؤ۔ میں ان سے بات کروں گی۔"

وہ دونوں کچھ ناگواری کے انداز میں چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد سلمہ نے پوچھا۔ "آپ کچھ پئیں گے۔"

"نو تھینکس۔ میں تو یہاں نیئر کی تلاش میں آیا تھا۔ مسٹر جوہر کی معلومات کے مطابق نیئر زیب کے ساتھ یہاں ہی آیا تھا۔"

"یہ درست ہے۔ نیئر اور زیب دونوں بھاگ کر میرے شوہر کے پاس ہی آئے تھے۔ اس وقت باری بھی یہیں تھا۔ باری نہیں چاہتا تھا کہ ماجد ان کو سہارا دے لیکن ان دونوں کی حالت اس قدر خستہ تھی کہ میرے شوہر نے ان کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا۔ بے چاری زیب ماں بننے والی تھی۔"

"ماں بننے والی تھی۔" احمد حیرت سے بولا۔ کس کے بچے کی۔

"نیئر کے بچے کی اور کس کی۔ ان کے پاس کھانے کو پھوٹی کوڑی نہیں تھی اسی لیے میرے شوہر نے نیئر کو اپنے ساتھ کام پر لگا لیا تھا۔"

"لیکن نیرء کا باپ کروڑ پتی ہے وہ احمق تھا وہ چاہتا تھا تو باپ سے منگا سکتا تھا۔"

"وہ کہتا تھا اسنے باپ کو روپے کے لیے لکھا تھا۔ لیکن باپ نے کوئی جواب نہ دیا۔"

"یہ جھوٹ ہے۔ کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں آپ کے شوہر کیا کاروبار کرتے تھے۔"

"ایکسپورٹ امپورٹ کا بزنس تھا ان کا۔"

"کیا آپ نے پولیس کو بتا دیا ہے کہ مسٹر ماجد کو نیئر نے قتل کیا ہے۔"

"نہیں میں نے پولیس کو کچھ نہیں بتایا کیوں کہ ماجد کی موت کے بعد پولیس مجھے پریشان کر رہی ہے۔"

''کیوں۔ پولیس آپ کو کیوں پریشان کر رہی ہے۔''
پولیس کا خیال ہے ماجد ایکسپورٹ امپورٹ بزنس کی آڑ میں کوکین کا کاروبار کرتا تھا۔''
''کیا یہ سچ ہے۔'' احمد نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر سوال کیا۔
''میں یقین سے نہیں کہہ سکتی ماجد نے مجھے اپنے کاروبار کے بارے میں کبھی نہیں بتایا۔ سچ یہ ہے کہ ماجد ایک اچھا شوہر نہیں تھا اس لیے مجھے اس کی موت کا بہت زیادہ افسوس بھی نہیں ہے وہ عورتوں کو مردوں سے کم تر سمجھتا تھا۔''
''نیئر آپ کے شوہر کے لیے کیا کام کرتا تھا۔''
''وہ مال ادھر ادھر لے جاتا تھا۔''
''کس طرح کا مال۔''
''مجھے معلوم نہیں۔''
''کیا پولیس کو بھی یہ شک کہ مسٹر ماجد کو نیئر نے قتل کیا ہے۔''
''نہیں......لیکن مجھے معلوم ہے۔''
''وہ کیسے۔''
''آخری بار ماجد اور نیئر دونوں کچھ مال لے کر گئے تھے واپسی پر دونوں ایک ساتھ وہاں سے چلے تھے۔ لیکن دوسرے روز پولیس کو ماجد کی کار ایک کھڈ میں گری ملی ماجد مردہ تھا۔ نیئر کا کہیں پتا نہیں تھا اور ماجد کیسر میں گولی کا سوراخ تھا۔ اگر یہ اتفاقی حادثہ ہوتا تو نیئر کی لاش بھی کار میں ہونی چاہیے تھی۔ اس کے علاوہ حادثے کے دوسرے دن ہی نیئر کو گنگٹوک میں دیکھا گیا تھا اس سے صاف ظاہر ہے کہ ماجد کو نیئر نے قتل کیا ہے۔''
''لیکن قتل کی کوئی وجہ تو ہو گی؟''
''مجھے پتا نہیں لیکن ایک دبی دبی سی افواہ ہے کہ ماجد گنگٹوک سے چار کلو کوکین لے کر آ رہا تھا۔ کیا آپ اندازہ کر سکتے ہیں چار کلو خالص کوکین کتنے کی ہوتی ہے۔''
''شاید لاکھوں روپے کی۔''

''جی ہاں۔ لاکھوں روپے کی۔'' اس لیے میرا خیال ہے کہ نیئر نے اس کوکین کے لیے ہی ماجد کو قتل کیا ہے۔
''اگر ایسا ہے اس نے بہت برا کیا جب کہ مسٹر ماجد نے اس کے ساتھ احسان کیا تھا۔''
''اب کیا کہا جا سکتا ہے۔ دنیا میں کون کس پر بھروسا کرے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''
''لیکن وہ بھاگ کر یہیں کیوں آئے تھے؟''
''نیئر چاہتا تھا کہ باری زیب کو طلاق دے دے تاکہ وہ شادی کر سکیں۔''
''اور مسٹر باری طلاق دینے کو تیار نہیں۔''
''باری کا ابھی کچھ پتا نہیں چلتا۔ میں نے اسے لاکھ سمجھایا کہ زیب اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو طلاق دے دے۔ دراصل میرے لیے باری اور زیب دونوں برابر ہیں ہم سب ایک ہی گاؤں کے رہنے والے ہیں۔''
''کیا آپ کے شوہر کی موت کے بعد نیئر آپ سے آ کر ملا۔''
''نہیں۔''
''اور زیب۔''
''وہ بھی نہیں۔''
''اس کا مطلب ہے وہ دونوں آپ کے ساتھ اس مکان میں نہیں رہتے۔''
''نہیں۔''
''پھر وہ کہاں رہتے تھے۔''
''نیئر یہاں کسی ڈاکٹر کو جانتا تھا۔ دونوں اس ڈاکٹر کے یہاں آ کر ٹھہرے تھے۔''
''آپ اس ڈاکٹر کو جانتی ہیں؟''
''نہیں صرف نام سنا ہے ڈاکٹر سلیمان، اس کا نام ہے۔''
''کھٹمنڈو میں کہاں رہتے ہیں۔''
''مجھے یہ بھی معلوم نہیں، لیکن میں نے سنا ہے وہ کافی مشہور ڈاکٹر ہیں۔ ٹیلیفون ڈائریکٹر میں آپ ان کا پتا دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن ابھی وہ تین دن پہلے میں

نے سنا تھا۔ ڈاکٹر اور اس کی بیوی باہر گئے ہوئے ہیں۔"
"پھر تو ایسا لگتا ہے نیئر کو تلاش کرنے کے لیے مجھے بڑی مصیبت اٹھانی پڑے گی۔"
"سوری۔ میں آپ کی اس سلسلہ میں کوئی اور مدد نہیں کرسکتی۔ مسٹر احمد آپ سے مل کر اندازہ ہوا کہ آپ شریف آدمی ہیں۔ پلیز آپ آئے ہیں تو کھانا کھا کر جایئے۔"
احمد ایک بات محسوس کرر ہا تھا جب سے سلمہ آئی تھی وہ اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھی جن میں دعوت تھی۔ شاید اپنے شوہر کا غم بھولنے کے لیے اسے ایک چاہنے والے کی ضرورت تھی۔ احمد سوچ رہا تھا۔ مجھے سلمہ کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہیے وہ یقیناً اور بھی بہت کچھ جانتی ہوگی۔" اس کی لنچ کی دعوت پر احمد نے کہا۔
"آپ کا مہمان بن کر مجھے خوشی ہوگی سلمہ جی مگر اس وقت مجھے جانا ہے۔ البتہ اگر آپ میری ڈنر کی دعوت قبول کرسکیں تو میں اپنی اس عزت افزائی سمجھوں گا۔"
"آج" سلمہ نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔
"آج ضروری نہیں جب آپ کو فرصت ہو۔"
"پھر ٹھیک ہے۔" آپ مجھے کل فون کرلیجیے۔ ہم ملنے کا کوئی پروگرام بنالیں گے۔"
"او کے مادام تھینک یو۔ اب میں آپ سے اجازت چاہوں گا۔"
یہ کہہ کر احمد اٹھ کھڑا ہوا سلمہ اس کو دروازے تک چھوڑ کر چلی گئی۔

☆☆☆

معاملہ احمد کی توقع سے زیادہ الجھ گیا تھا اور جو حالات اب تک اس کو معلوم ہوئے تھے ان سے اسے یقین ہوگیا تھا کہ نیئر ضرور کوکین وغیرہ کی اسمگلنگ میں ملوث ہوگیا ہے یہاں احمد کا کوئی جاننے والا نہیں تھا۔ اسے نیئر کو تلاش کرنے کے لیے کسی سرکاری افسر کی مدد کی ضرورت تھی اور سرکاری افسر کی مدد کرنل زاہد کے ذریعے ہی مل سکتی تھی۔ چنانچہ نے ہوٹل پر آتے ہی دارالحکومت کے لیے ارجنٹ کال بک کرائی۔
آدھے گھنٹے کے انتظار کے بعد لائن مل گئی۔
فون جاوید نے اٹھایا۔ اس کی آواز پہچان کر احمد نے کہا۔
"جاوید میں احمد بول رہا ہوں۔"
"کہاں سے۔" جاوید نے سوال کیا؟ قبرستان سے یا شمشان سے۔"
"دونوں جگہ سے۔"
"تم اچانک کہاں جا مرے۔ بس اتنا پتا چلا تھا کہ کھٹمنڈو گئے ہو۔"
"ایک کیس کے سلسلے میں آیا تھا۔ میں نے آنے سے پہلے کرنل صاحب سے ملنا چاہا لیکن اتنا وقت ہی نہ ملا۔"
"کیا کسی کیس پر کام کرر ہے ہو۔"
"ہاں۔" کیا کرنل صاحب اس وقت کوٹھی پر ہیں۔"
"ہاں ہیں۔"
"تو پلیز ذرا ان سے بات کرادو۔"
"اچھا۔ بات کراتا ہوں۔ تم کھٹمنڈو سے واپس کب آؤ گے۔"
"ابھی کچھ پتا نہیں۔"
"خیر کوئی بات نہیں، جب بھی آؤ میرے لیے ایک درجن لڑکیاں لے آنا، اعلیٰ کوالٹی کی ہونی چاہئیں۔ پائیدار اور مضبوط۔"
"اچھا لے آؤں گا۔ میرے پاس وقت کم ہے۔ تم کرنل سے بات کرادو۔"
"اچھا بلاتا ہوں۔"
کچھ دیر خاموشی کے بعد زاہد کی آواز سنائی دی۔
"احمد کیا بات ہے۔"
"ابھی مجھے خود پتا نہیں۔ میں مختصر طور پر سارے حالات بتا تا ہوں۔" یہ کہہ احمد زاہد کو مختصر طور پر وہ واقعات بتانے لگا۔ جب وہ ساری کہانی سنا چکا تو زاہد

نے سوال کیا۔
''پھر اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔''
''مجھے کی مدد کی ضرورت ہے۔''
''کیا جاوید کو بھیج دوں۔''
''نہیں جاوید کی ضرورت نہیں، یہاں کوئی آپ کے محکمے کا یا انٹرپول کا افسر جاننے والا ہو تو ذرا اس سے کہہ دیجیے۔ شاید مجھے پولیس کا ریکارڈ دیکھنے کی ضرورت پڑے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پولیس مدد لینی پڑے۔''
''انٹرپول میں ایک انسپکٹر شاہ میرا جاننے والا ہے۔'' وہ ہیڈ آفس میں ہے تم ہیڈ آفس جا کر اس سے مل لو۔ میں اس کو ابھی فون کر دیتا ہوں۔''
''بہت اچھا میں انسپکٹر شاہ سے مل لوں گا۔ بہت بہت شکریہ۔'' یہ کہہ کر احمد نے فون رکھ دیا۔
کوئی دو گھنٹے بعد احمد نے ڈائرکٹری سے انسپکٹر شاہ کا نمبر تلاش کر کے اس کو فون کیا۔ اس کے دفتر سے جواب ملا۔
''مسٹر شاہ ابھی آدھ گھنٹہ ہوا چلے گئے۔''
''اچھی بات ہے میں دوبارہ فون کرلوں گا۔''
یہ کہہ کر احمد نے فون رکھا ہی تھا کہ اس کے دروازے پر دستک ہوئی۔ احمد نے پکار کر کہا۔
''پلیز کم ان دروازہ کھلا ہے۔''
چھ فٹ کا ایک خوب صورت شخص اندر داخل ہوا۔ اس نے اندر آ کر پوچھا۔
''کیا آپ مسٹر احمد ہیں؟''
''جی ہاں۔ آپ کی تعریف۔''
''میرا نام شاہ ہے۔'' اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ابھی ایک گھنٹہ پہلے دارالحکومت سے کرنل زاہد صاحب نے مجھے فون کیا تھا۔''
احمد خوشی سے اچھل کر کھڑا ہو گیا اور شاہ کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھام کر بولا۔
اوہ مسٹر شاہ میں نے ابھی ابھی آپ کے دفتر فون کیا تھا۔ پتا چلا کہ آپ دفتر سے جا چکے ہیں۔ میں شکر گزار ہوں کہ آپ مجھ سے ملنے تشریف لائے۔''
''شاہ نے بے تکلفی سے بیٹھتے ہوئے کہا۔'' کرنل صاحب کا دوست میرا دوست ہے مجھ پر کرنل صاحب کے بہت سے احسانات ہیں۔ ویسے میں آپ کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتا ہوں کرنل صاحب کی ٹیم تو بین الاقوامی سطح پر مشہور ہے۔''
''یہ بات تو ہے لیکن میں پھر بھی آپ کا اور کرنل صاحب کا شکر گزار ہوں۔''
''آپ یہاں کسی کیس کے سلسلے میں تشریف لائے ہیں۔''
''جی ہاں۔ اسی سلسلے میں مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔''
''کیا کیس ہے؟''
''دیکھیے میں آپ کو تفصیل سے سارے واقعات بتاتا ہوں۔''
یہ کہہ کر احمد شاہ کو سارے واقعات بتانے لگا۔
سارے حالات سننے کے بعد شاہ بولا'' ان واقعات کے تحت تو یہ کیس ہمارے محکمے کے تحت آتا ہے اور واقعی ہم لوگ اس شخص ماجد کے بارے میں مشکوک تھے۔ بلکہ ایک عرصے سے اس کی نگرانی کر رہے تھے۔ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ ماجد کوکین اور دوسری ناجائز اشیاء کی اسمگلنگ کرتا تھا۔''
''تو اس کی موت کے بارے میں بھی آپ کو علم ہوگا؟''
''جی ہاں علم ہے۔''
''کیا آپ نے معلوم کیا کہ اس کو کس نے قتل کیا ہے۔''
''قتل۔ شاہ حیرت سے بولا۔''یہ آپ سے کس نے کہا کہ وہ قتل ہوا ہے۔''
''کیا وہ قتل نہیں ہوا۔'' احمد حیرت سے بولا۔
''جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے اس کی موت کار کے حادثے میں ہوئی ہے اس کی کار ایک کھڈ میں گر گئی تھی۔ آگ لگنے سے لاش کافی جل گئی

تھی۔"
"تو کیا اس کے سر میں گولی کا سراخ نہیں تھا۔"
"کم از کم پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں ایسی کوئی بات نہیں۔"
"پھر تو عجیب بات ہے۔ ماجد کی بیوی نے مجھے بتایا کہ اس کے سر میں گولی کا نشان پایا گیا تھا۔"
"تو اسے کوئی ضرور مغالطہ ہو گیا ہے۔"
"کیا اس بارے میں آپ مزید تصدیق کر سکتے ہیں۔"
"میں آپ کو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ حاصل کر کے دے سکتا ہوں۔"
"تو پلیز ایسا ضرور کر دیجیے۔ اور آپ کہتے ہیں اس کی لاش جل گئی تھی۔"
"جی ہاں۔"
"لاش کو شناخت کس نے کیا تھا۔"
"اس کی بیوی نے۔"
"پھر اس نے جھوٹ کیوں بولا۔"
"سوری میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"
"کیا یہاں کی پولیس یا آپ کا محکمہ نیرّ کی بھی نگرانی کر رہے تھے۔"
"میں نیرّ کو تو نہیں جانتا لیکن ہم ماجد کے ساتھ رہنے والوں اور اس کے لیے کام کرنے والوں پر نظر رکھتے تھے آپ کہتے ہیں نیرّ، ماجد کے لیے کام کرتا تھا۔"
"اس کی بیوی نے یہی بتایا ہے۔"
"تو ہو سکتا ہے چونکہ وہ ابھی کھٹمنڈو آیا تھا اس لیے ہمیں اس کے بارے میں پتا نہ چلا سکا ہو۔"
"کیا گنگٹوک میں کوئی ایسا گروپ ہے جو کوکین کی تجارت کرتا ہو۔"
"گنگٹوک ان چیزوں کی اسمگلنگ کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ کوکین، مارفیا، ہیروئن سب چیزیں گنگٹوک کے راستے سے ہی کھٹمنڈو آتی ہیں اور یہاں سے دوسرے ملکوں کو سپلائی کی جاتی ہیں۔"
"کیا آپ گنگٹوک میں کسی ایسے آدمی کو جانتے ہیں۔ جس کا ماجد سے لین دین ہو۔"
"اس بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنی ہوگی۔"
"تو پلیز یہ معلوم کر کے مجھے بتا دیجیے اور اب یہ بتایئے آپ کیا پئیں گے۔"
"کچھ ضرورت تو نہیں لیکن وقت گزارنے کے لیے کافی ہی منگا لیجیے۔"
احمد اٹھ کر فون پر کافی کا آرڈر دینے لگا۔
ڈائریکٹری میں ڈاکٹر سلیمان کا پتا درج تھا۔
احمد نے وہ پتا نوٹ کر لیا اور دوسرے دن اس پتے پر پہنچا یہ ایک چھوٹا سا کاٹج نما مکان تھا۔ گیرج اس کے ساتھ ہی بنا ہوا تھا۔ اس وقت گیرج کا دروازہ کھلا تھا۔ احمد نے سوچا شاید ڈاکٹر واپس آ گیا ہے اس لیے وہ پہلے گیرج کی طرف گیا ابھی وہ گیرج کے دروازے سے چند گز کے فاصلے پر ہی تھا کہ ایک خوف ناک کتا گیرج سے نکلا اور احمد پر بھونکنے لگا۔ فوراً ہی اندر سے ایک مردانہ آواز سنائی دی۔
"کیا بات ہے ٹائیگر۔"
احمد کو آواز مانوس محسوس ہوئی اس نے پکار کر کہا "پلیز ذرا اپنے کتے کو سنبھالے۔"
ایک منٹ کے بعد گیرج کے دروازے میں باری نظر آیا۔ احمد، باری کو وہاں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ باری بھی اس کو دیکھ کر چند لمحوں کے ساکت رہ گیا پھر بولا۔
"تم......تم یہاں کیا کر رہے ہو۔"
"میں ڈاکٹر سلیمان سے ملنے آیا تھا۔" احمد نے جواب دیا۔
"تمہیں ڈاکٹر کا پتا کس نے بتایا۔"
"سلمہ نے۔"
باری کے ہونٹ بھنچ گئے۔ کتا بھونک رہا تھا۔ باری نے کتے سے کہا ٹائیگر چپ رہو۔" پھر اس نے آگے بڑھ کر ٹائیگر کا پٹا پکڑ لیا اور بولا۔
"ڈاکٹر اور اس کی بیوی یہاں نہیں ہیں۔"
"مجھے معلوم ہے لیکن مجھے پتا چلا ہے کہ نیرّ اور

زیب ڈاکٹر کے یہاں رہتے ہیں۔''
باری نے اس کے چہرے پر نظریں جما کر کہا۔''
میں تمہیں ایک دوستانہ مشورہ دیتا ہوں۔تم نیئر کو بھول کر واپس چلے جاؤ۔''
''مشورے کا شکریہ باری، لیکن میں کام سے یہاں آیا ہوں۔ میں یہاں کسی سے لڑنے نہیں آیا۔ اگر نیئر مجھے مل گیا تو اس میں آپ کا بھی فائدہ ہے۔ تمہیں تمہاری بیوی مل جائے گی تو تمہیں چھوڑ کر بھاگ گئی تھی۔''
باری کا چہرہ نفرت سے بگڑ گیا۔وہ غصے سے بولا اس حرافہ نے مجھے نہیں چھوڑا میں نے اسے چھوڑا تھا۔
''پھر تمہیں غصہ کس بات کا ہے۔''
''میں اپنے معاملات میں مداخلت پسند نہیں کرتا اور میرا دوسرا مشورہ یہ ہے کہ سلمہ سے دور رہنا ورنہ اس نے اپنا جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا۔ احمد نے اپنے غصے کو دباتے ہوئے کہا۔
''باری ایک بات کان کھول کر سن لو۔ میں نیئر کو واپس لیے بنا ہرگز نہیں جاؤں گا۔ میں تم جیسے آدمیوں سے خوف زدہ نہیں ہوسکتا۔''
''یہ کہہ کر احمد گھوما اور کاٹج کے دروازے کی طرف چل دیا باری کچھ دیر اسے نفرت بھری نظروں سے دیکھتا رہا پھر گیرج میں چلا گیا۔
احمد نے کاٹج کے دروازے کی گھنٹی بجائی۔
تھوڑی دیر بعد ایک بوڑھی عورت نے دروازہ کھولا۔
احمد نے کہا۔
''کیا ڈاکٹر سلیمان ہیں؟''
عورت اس کا منہ اس طرح تکنے لگی جیسے اس کی زبان نہ سمجھتی ہو یہ ممکن تھا کہ نہ جانتی ہو، احمد نے کہا۔
''میں ڈاکٹر سے ملنا چاہتا ہوں۔اور اگر وہ نہیں تو نیئر یا زیب سے ملنا چاہتا ہوں جو یہاں رہتے ہیں۔''
زیب اور نیئر کا نام سن کر بوڑھیا کے چہرے پر ردعمل ہوا وہ بڑبڑائی اور اس نے جلدی سے اندر داخل ہوکر دروازہ بند کرلیا۔احمد حیرت سے دیکھتا رہ گیا۔

''یہ بات اب یقینی تھی کہ ڈاکٹر سلیمان باہر گیا ہوا تھا اور سلمہ کے بیان کے مطابق نیئر گنگٹوک میں تھا ہوسکتا تھا زیب بھی اس کے ساتھ ہو۔ اس لیے وہ واپس چل دیا۔''
شام کو انسپکٹر شاہ اس سے ملا۔اس نے کہا۔
''ڈاکٹر اور اس کی بیوی آج کل دہرہ دون میں ہیں یہ میں نے پتا چلالیا ہے۔''
''کیا آپ ان کو کسی طرح جلدی بلا سکتے ہیں۔'' احمد نے شاہ سے پوچھا۔
''میں کوشش کروں گا۔'' شاہ نے جواب دیا آج میں ماجد کی موت کی فائل منگا کر دوبارہ دیکھی۔ اس فائل میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ اس کی کھوپڑی میں گولی کا سراخ تھا میں اس کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا فوٹو اسٹیٹ بنوالایا ہوں۔آپ فرصت میں دیکھ سکتے ہیں۔''
''یہ کہہ کر انسپکٹر نے ایک کاغذ نکال کر احمد کی جانب بڑھا دیا۔احمد نے کاغذ لیتے ہوئے کہا۔
''جب آپ نے دیکھ لیا ہے تو اس کی ضرورت نہیں رہ جاتی لیکن اگر سچ ہے تو مجھے حیرت ہے ماجد کی بیوی سلمہ نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا۔
''ممکن ہے وہ آپ کی نظر میں نیئر کو مجرم ثابت کرنا چاہتی ہو۔''
''لیکن کیوں۔''
''کیا کہا جاسکتا ہے، یہ بات تو سچ ہے کہ پولیس ماجد کی نگرانی کررہی تھی اس پر یہ شک تھا کہ وہ کوکین وغیرہ کی اسمگلنگ کرتا ہے کوئی ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے وہ گرفتار نہیں کیا جاسکتا تھا اس لیے یہ ممکن ہے کہ وہ واقعی وہ نیئر کے ساتھ کوکین لے کر آرہا ہو۔ آپ کہہ چکے ہیں کہ اس کے پاس پیسہ نہیں تھا اور اس کی محبوبہ کے بچہ ہونے والا تھا۔اس لیے یہ ممکن ہے کہ اس نے کسی طرح ماجد کو بے ہوش کرکے اس کو کار سمیت کھڈ میں پھینک دیا ہو اور خود کوکین لے کر گنگٹوک واپس چلا گیا ہو۔ ماجد کی بیوی کی یہ بات بھی درست ہے اگر نیئر اس کے ساتھ ہوتا تو کار میں

اس کی لاش بھی ہونی چاہیے تھی۔
احمد سوچنے کے انداز میں بولا۔ ’’وہ تو یہ بھی کہتی تھی کہ دوسرے دن نیرّ کو گنگٹوک میں دیکھا تھا۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ ماجد اکیلا ہی کار سے آرہا ہوں۔‘‘
’’پھر بھی اگر ماجد کوکین کا روبار کرتا تھا تو سلمہ ضرور جانتی ہوگی۔ ہوسکتا ہے۔ سلمہ کو یہ یقین ہو کہ نیرّ اس کے شوہر کی لاکھوں روپے کی کوکین لے کر غائب ہوگیا ہے اس لیے وہ اس کو پھنسانا چاہتی ہو۔‘‘
احمد نے سوچتے ہوئے کہا۔ ’’معاملہ الجھتا ہی جارہا ہے۔ کاش ڈاکٹر سلیمان یہاں ہوتا اس سے بہت کچھ معلوم ہوسکتا تھا۔ آپ کے خیال میں ڈاکٹر سلیمان کیسا آدمی ہے۔‘‘
’’کافی مشہور ڈاکٹر ہے۔‘‘
’’کیا یہ ممکن ہے کہ وہ بھی کوکین کی تجارت میں ماجد کا حصہ دار ہو۔‘‘
’’نہیں۔ میرا خیال ہے ایسا نہیں ہوگا۔‘‘
’’پلیز کسی طرح کی کوشش کیجیے کہ وہ جلد واپس آجائے۔‘‘
’’میں وعدہ نہیں کرتا۔ البتہ ڈاکٹر جلد از جلد ایک پیغام بھجوانے کی کوشش کروں گا۔‘‘ کچھ دیر بعد ادھر ادھر کی باتیں کر کے انسپکٹر شاہ چلا گیا۔
اپنے کمرے میں پہنچ کر احمد بیٹھ کر سوچنے لگا۔
ماجد، گنگٹوک سے آتے ہوئے مرا، اس کی لاش جل کر ناقابل شناخت ہوگئی تھی اس کو سلمہ نے پہچان کر بتایا کہ وہی اس کا شوہر ہے۔ سلمہ نے ضرور لاش دیکھی ہوگی۔ پھر اس نے جھوٹ کیوں بولا کہ اس کے سر میں گولی کا سراخ تھا۔‘‘
اور اگر لاش ناقابل شناخت تھی تو اس نے لاش کو کیسے پہنچانا۔ ضرور کچھ گڑ بڑ ہے۔ مجھے سلمہ سے تعلقات بڑھانے چاہئیں۔ پہلی ملاقات میں ہی اس کی نظروں میں دعوت تھی اس لیے وہ آسانی سے قابو میں آسکتی ہے۔ اگر کسی طرح میں اس کے دل میں اپنا اعتبار قائم کرسکا تو اس سے بہت سی باتیں معلوم ہوسکتی ہیں۔‘‘

یہ باتیں سوچ کر اس نے سلمہ کو فون کیا۔ فون نمبر سلمہ نے اس کو دے دیا تھا۔ چند بار گھنٹی بجنے کے بعد ایک عورت کی آواز نے کہا۔
’’یس۔‘‘
’’میں سلمہ جی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔‘‘
’’کون بول رہا ہے۔‘‘
’’میرا نام احمد ہے۔‘‘
’’اچھی بات ہے میں بلاتی ہوں۔‘‘
’’احمد انتظار کرنے لگا۔ دو تین منٹ بعد ہی سلمہ کی آواز سنائی دی۔
’’ہیلو مسٹر احمد کیسے ہیں آپ۔‘‘
’’ابھی تک زندہ ہوں۔ آج رات آپ کیا کر رہی ہیں۔‘‘
’’کچھ نہیں۔‘‘
’’تو کیا آج رات آپ میری ڈنر کی دعوت قبول کرسکتی ہیں۔‘‘
’’کہاں۔‘‘
’’میں ہوٹل راج محل میں ٹھہرا ہوں ویسے آپ جہاں چاہیں ہم چل سکتے ہیں اپنے شہر کو آپ مجھ سے بہتر جانتی ہیں۔‘‘
چند لمحوں کے توقف کے بعد سلمہ بولی۔ ’’آل رائٹ مسٹر احمد میں آٹھ بجے آپ کے ہوٹل پہنچ جاؤں گی۔‘‘
’’تھینک یو مادام، میں آٹھ بجے گیٹ پر ہی آپ کا استقبال کروں گا۔‘‘
یہ کہہ کر احمد نے فون بند کردیا۔
وعدے کے مطابق ٹھیک آٹھ بجے سلمہ آگئی۔ وہ اس وقت اسکرٹ اور بلاؤز پہنے ہوئی تھی اور خوشبوؤں سے بسی ہوئی تھی۔ احمد نے سر جھکا کر اس کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔
’’یہ خادم کوئن آف نیپال کا خیر مقدم کرتا ہے۔‘‘
سلمہ نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ’’آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں یا فلیٹر کر رہے ہیں۔‘‘
’’میں صرف اپنے جذبات کا اظہار

کررہا ہوں۔'' احمد نے مسکرا کر کہا اور اس کا بازو تھام لیا۔
سلمہ نے اس کی جانب مخمور نظروں سے دیکھا اور اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولی۔
''کیا آپ شادی شدہ ہیں۔''
''جی نہیں...... اب یہ بتایئے ہم اسی ہوٹل میں چلیں یا کہیں اور چلیں۔''
''یہ ہوٹل بھی یہاں کے ہوٹلوں میں سے ایک بہترین ہوٹل ہے۔''
''باتیں کرتے ہوئے وہ ڈائننگ ہال میں آ گئے احمد نے ایک ٹیبل پہلے سے ریزرو کرا رکھی تھی۔ کرسیوں پر بیٹھنے کے بعد احمد نے پوچھا۔
''پہلے آپ کیا لیں گی کوئی سافٹ ڈرنک یا......''
''میں کبھی کبھی شیری لے لیتی ہوں۔''
احمد نے بیرے کو بلا کر سلمہ کے لے شیری اور اپنے لیے لائم جوس لانے کو کہا۔ بیرا چلا گیا تو وہ بولا۔
''آج تو میں سچ مچ ڈر گیا تھا۔
''کس سے۔''
''باری سے۔''
''باری سے۔'' سلمہ حیرت سے بولی۔ ''وہ آپ کو کہاں مل گیا تھا۔ آپ اس سے کیوں ڈر گئے تھے۔''
''میں ڈاکٹر سلیمان کے گھر گیا تھا وہ وہاں تھا۔ اس نے مجھے دیکھ کر مجھے دھمکی دی کہ میں نیپال چھوڑ کر واپس چلا جاؤں اور یہ کہ آپ سے ملنے کی کوشش نہ کروں۔''
''باری احمق ہے۔'' سلمہ بولی۔ ''بیوی نے چھوڑ دیا ہے اس لیے اسے کچھ پتا نہیں ہوتا کہ وہ کس سے کیا کہہ رہا ہے۔''
''وہ کہتا تھا بیوی کو اس نے خود چھوڑا ہے۔''
''کہتا تو یہی ہے۔ کوئی مرد اپنی شکست نہیں مانتا۔ میرے بچپن کا ساتھی ہے اس لیے مجھے رحم آتا ہے میں سچے دل سے اس کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔ اس کی بھی اور زیب کی بھی۔ ہم سب ایک ہی گاؤں کے رہنے والے ہیں۔ ایک ساتھ پلے پڑھے ہیں۔''
''کیا آپ کے شوہر بھی اسی گاؤں کے تھے۔''
''نہیں ...... ماجد تو نیپالی بھی نہیں تھے۔ وہ بھوٹان کا رہنے والا تھا۔ اس لیے وہ گنگٹوک جاتا رہتا تھا۔''
''آپ کو اپنے شوہر سے محبت تھی۔''
''شروع میں، لیکن بعد میں مجھے اکثر احساس ہوتا تھا کہ میں نے اس سے شادی کر کے غلطی کی ہے۔''
''اور اب؟'' احمد نے سوال کیا۔
''اب اس کے مرنے کے بعد میں اس کمی کو ضرور محسوس کرتی ہوں۔ دس سال ہم ساتھ رہ چکے ہیں۔''
''یہ تو قدرتی بات ہے۔ جب آپ نے اپنے شوہر کی لاش دیکھی ہوگی تو آپ کو بے حد صدمہ ہوا ہوگا۔ سنا ہے ان کی لاش جل کر بالکل نا قابل شناخت ہوگئی تھی۔''
سلمہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا اور بولی۔ ''آپ نے کس سے سنا۔''
''پولیس انسپکٹر نے بتایا تھا۔''
''کیا آپ پولیس اسٹیشن گئے تھے؟''
''جی ہاں؟''
''کیوں؟''
''میں جاننا چاہتا تھا کہ مسٹر ماجد کے قتل کے سلسلے میں پولیس کیا قدم اٹھانا چاہتی ہے مگر وہاں جا کے پتا چلا کہ پولیس مسٹر ماجد کی موت کو قتل نہیں سمجھتی بلکہ صرف حادثہ تصور کرتی ہے۔ جب کہ آپ نے بتایا تھا کہ مسٹر ماجد کو قتل کیا گیا ہے۔''
احمد نے سلمہ کے چہرے پر سیاہی کی ایک لہر دوڑتی دیکھی۔ اس نے کہا۔
''اس کا مطلب ہے آپ کو میری بات پر بھروسا نہیں تھا؟''
''یہ بات نہیں۔ میں تو نیئر کے بارے میں جاننا

چاہتا تھا۔ کیا کار میں آگ لگنے سے مسٹر ماجد کا چہرہ ناقابل شناخت ہو گیا تھا؟"

"ہاں بالکل۔"

"پھر آپ نے لاش کو کیسے شناخت کیا؟"

"ایک بیوی اپنے شوہر کو صرف چہرے سے نہیں پہچانتی بیوی اور شوہر ایک دوسرے کے جسم کے ایک ایک انچ حصے کو پہچانتے ہیں۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ پھر بھی کیا یہ بات عجیب نہیں کہ پولیس نے ان کے سر میں گولی کا سوراخ نہیں دیکھا۔"

اس وقت بیرا شیری اور لائم جوس لے آیا اور ان کے سامنے رکھ کر چلا گیا۔ بیرے کے جانے کے بعد سلمہ نے شیری کا ایک سپ لیتے ہوئے کہا۔

"مسٹر احمد کیا میں ایک ذاتی سوال کر سکتی ہوں۔"

"ضرور ضرور۔"

"آپ کیا کرتے ہیں۔"

احمد نے مسکرا کر کہا۔ "اگر واقعی اس سوال کا جواب دینا ضروری ہے تو میں ایک پرائیویٹ سراغ رساں ایجنسی چلاتا ہوں۔"

"تو آپ جاسوس ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"کیا آپ پولیس کے لیے کام کرتے ہیں۔"

"جی نہیں۔"

"پھر تو مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کی دعوت قبول کی۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ میں جاسوسوں سے نفرت کرتی ہوں۔"

"نفرت کی وجہ؟"

"اس لیے کہ جب سے ماجد مرا ہے مجھے ایسا لگتا ہے۔ جیسے جاسوس بھوتوں کی طرح ہر دم میرا پیچھا کرتے رہتے ہیں۔"

"یہ ناممکن نہیں، آپ خود کہہ چکی ہیں کہ آپ کے شوہر کوکین کا کاروبار کرتے تھے۔"

"لیکن اس کے بارے میں مجھے ذرا بھی معلوم نہیں تھا۔ میں پولیس انسپکٹر کو بیان دے چکی ہوں کہ اپنے شوہر کے کاروبار کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔"

"پولیس اپنا فرض پورا کر رہی ہے۔ اگر آپ بے گناہ ہیں تو آپ کو خوف زدہ ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے کیا آپ کبھی زین نام کے کسی آدمی سے ملی ہیں؟"

"زین کون۔ ارے ہاں یاد آیا۔ اس نام کا ایک شخص ابھی دو تین دن ہوئے قتل ہو گیا ہے۔"

"جی ہاں وہی۔"

"وہ بھی جاسوس تھا۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"شاید اخبار میں خبر چھپی تھی یا شاید کسی نے مجھے بتایا تھا۔

"کیا اس شخص سے آپ کبھی ملی تھیں؟"

"نہیں۔ کیا ہم کچھ اور باتیں نہیں کر سکتے؟"

"ضرور کر سکتے ہیں۔" احمد نے مسکرا کر کہا۔ " صرف ایک سوال اور پوچھنا چاہوں گا۔"

"پوچھیے۔"

"زیب آپ کی سہیلی تھی؟"

"جی ہاں۔"

"اور وہ بچے کی ماں بننے والی تھی؟"

"جی ہاں۔"

"تو اس حالت میں وہ نیئر کے ساتھ گنگٹوک نہیں جا سکتی تھی۔ آپ کے خیال میں وہ یہاں کہاں ٹھہری ہوگی؟"

"سوری مجھے معلوم نہیں اور یہ آپ کا آخری سوال تھا مسٹر احمد جس کا میں نے جواب دے دیا ہے۔ اب اگر آپ نے اس بارے میں کوئی بات کی تو میں اٹھ کر چلی جاؤں گی۔"

احمد نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھوں سے وہ عورت یکدم ختم ہو چکی ہے اور اس کی جگہ ایک طرح

کی بے چینی اور غصے نے لے لی تھی۔
احمد کے ذہن میں الجھن تھی۔ بے شمار سوال اس کے ذہن میں اٹھ رہے تھے جن کے جواب اس کے پاس نہیں تھے۔ سب سے اہم سوال یہ تھا۔
''اگر سلمہ کے شوہر، ماجد کی موت ایکسیڈنٹ سے ہوئی ہے تو سلمہ نے اس سے جھوٹ کیوں بولا کہ اسے قتل کیا گیا ہے۔''
دوسرا سوال یہ تھا کہ اس نے اپنے شوہر کی ملی ہوئی ناقابل شناخت لاش کیسے پہچانی۔ کرنل زاہد کے ساتھ کام کرتے ہوئے اسے یہ تجربہ ہو چکا تھا۔ قتل کے ایسے کیسوں میں جن میں مرنے والے کی صورت نہ پہچانی جا سکے۔ ضرور کوئی گہرا راز ہوتا ہے۔ قاتل کسی کو قتل کر کے اس کا چہرہ ناقابل شناخت اس لیے بناتا ہے کہ وہ پہچانا نہ جا سکے۔
لیکن ماجد کے معاملے میں اسے قتل نہیں کیا گیا تھا بلکہ وہ حادثے میں مرا تھا۔ کم از کم گولی سے نہیں مرا تھا۔ سلمہ کے بیان کے مطابق نیئر اور ماجد ایک ساتھ گنگٹوک سے واپس آ رہے تھے۔ راستے میں ماجد کی کار کو حادثہ پیش آ گیا۔ لیکن کار میں صرف ماجد کی لاش ملی۔ پھر نیئر کہاں گیا۔ اس کا مطلب تھا تو نیئر گنگٹوک سے ماجد کے ساتھ چلا ہی نہیں تھا۔
یا پھر نیئر نے راستے میں ماجد کو قتل کر کے اس کی کار کھڈے میں دھکیل دی۔ اس صورت میں اس نے ماجد کو گولی مار کر ہرگز قتل نہیں کیا بلکہ اس کا گلا گھونٹ کر مارا ہوگا۔
یا پھر یہ ممکن ہے لاش ماجد کی نہ ہو، بلکہ نیئر کی ہو، ماجد زندہ ہو اور سلمہ اپنے شوہر کو بچانے کے لیے نیئر کی لاش کو ماجد کی تلاش تسلیم کر لیا ہو؟
آخری سوال اس کے ذہن میں ابھرا۔ پھر اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟
''اسی طرح سوچتے ہوئے اسے نیند آ گئی۔''
دوسرے دن وہ صبح اٹھ کر ناشتا کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی، اس نے جلدی سے ریسیور اٹھا لیا۔
دوسری طرف سے انسپکٹر شاہ کی آواز سنائی دی۔
''کیا ہو رہا ہے مسٹر احمد؟''
''ناشتا کر رہا ہوں۔ آپ کی کہاں سے بول رہے ہیں؟''
''میں دفتر سے بول رہا ہوں۔ آپ کے لیے ایک دلچسپ خبر ہے۔''
''کیا خبر ہے۔''
''ابھی ایک گھنٹہ پہلے ڈاکٹر سلیمان سے میری بات ہوئی تھی۔
''کیا ڈاکٹر سلیمان آ گیا۔'' احمد نے حیرت سے پوچھا۔
''نہیں۔ لیکن میں نے ٹرنک کال پر بات کی تھی۔''
''آپ نے نیئر کے بارے میں پوچھا۔
''جی ہاں۔''
''پھر اس نے کیا جواب دیا؟''
''یہی تو دلچسپ بات ہے۔ ڈاکٹر سلیمان کہتا ہے جب وہ کھٹمنڈو سے روانہ ہوا ہے تو نیئر اور زیب دونوں اس کے مکان پر ہی تھے۔''
''اس کے مکان پر ہی تھے۔'' احمد حیرت بھرے لہجے میں بولا۔
''جی ہاں۔''
''تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اب بھی وہیں ہیں۔''
''یہ ناممکن نہیں۔''
''لیکن سلمہ کہتی تھی نیئر گنگٹوک میں ہے۔''
''یہ بھی ممکن ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ڈاکٹر سلیمان کے جانے کے بعد ماجد کے ساتھ گنگٹوک چلا گیا ہو۔''
''پھر بھی کم از کم زیب اس کے ساتھ نہیں جا سکتی تھی کیونکہ اس کے بچہ ہونے والا ہے۔ میرا خیال ہے یہی بات ہے اسی لیے باری ڈاکٹر کے مکان کے اردگرد پہرہ دے رہا ہے اور شاید اسی لیے بڑھیا نے مجھ سے بات کیے بغیر دروازہ بند کر لیا تھا۔ ڈاکٹر کے مکان میں وہ بڑھیا کون ہے؟''

”وہ بڑھیا ڈاکٹر سلیمان کی رشتے کی چاچی ہے۔ غریب ہے اس لیے ڈاکٹر نے اس کو رکھ لیا ہے گھر کو وہی سنبھالتی ہے۔“

”آپ نے ڈاکٹر سلیمان سے یہ نہیں پوچھا کہ اس نے ان دونوں کو اپنے یہاں کیوں رکھا ہوا تھا؟“

”میں نے پوچھا تھا۔“

”پھر اس نے کیا جواب دیا؟“

”ڈاکٹر سلیمان کا ایک لڑکا بھی اسی اسکول میں پڑھتا تھا جس میں نیئر پڑھتا تھا۔ وہ دونوں ہوسٹل کے ایک ہی کمرے میں رہتے تھے اور دوست تھے۔ ڈاکٹر نے اب اپنے لڑکے کو اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ بھیج دیا ہے۔ دو سال پہلے نیئر ڈاکٹر کے لڑکے کے ساتھ چھٹیاں گزارنے کھٹمنڈو آیا تھا اور ایک مہینہ رک کر گیا تھا۔ ڈاکٹر سلیمان نے بتایا جب نیئر زیب کو لے کر سہارا لینے کے لیے اس کے گھر آیا تو وہ انکار نہ کر سکا کیونکہ وہ اس کے بیٹے کا دوست تھا۔ اور زیب کی حالت اچھی نہ تھی۔“

”یہ تو بہت اہم خبر ہے مسٹر شاہ پھر آپ کے خیال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟“

”اس مکان میں چوری سے گھس کر دیکھنا ہوگا، یا پھر زبردستی۔ آپ چاہیں تو ہم دونوں چل کر زبردستی گھر کی تلاش لے سکتے ہیں۔“

”مجھے منظور ہے۔“

”بس تو ٹھیک ہے آپ ناشتا ختم کر کے آجایئے۔“

”کہاں۔“

”میں ڈاکٹر سلیمان کے مکان سے کچھ فاصلے پر آپ کا انتظار کروں گا۔ میری کار کا رنگ نیلا ہے اور نمبر کے ڈی ۹۵۴ ہے۔“

احمد نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ابھی ساڑھے نو بجے ہیں، میں ٹھیک ساڑھے دس بجے وہاں پہنچ جاؤں گا۔“

”ساڑھے دس کے بجائے گیارہ کا وقت رکھیے تاکہ میں اپنے دفتر کا کام ختم کرلوں۔“

”بہت اچھا۔ میں گیارہ بجے وہاں ملوں گا۔ آپ کے تعاون کا بہت بہت شکریہ۔“ شاہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

”شکریہ تو آپ کرنل زاہد کا ادا کیجیے یہ کہہ کر اس نے فون رکھ دیا۔

ناشتا کر کے احمد کپڑے بدل رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اس نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا تو آپریٹر نے کہا۔ ”ہولڈ کریں آپ کی کال ہے۔“

”او کے۔ بات کرایئے۔“ احمد نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی جاوید کی آواز سنائی دی۔ اس نے کہا۔

”احمد کیا تم ابھی تک زندہ ہو؟“

”زندہ رہنے پر مجبور ہوں۔“ احمد نے جواب دیا۔ ”کیوں کہ ایک بہت خوب صورت لڑکی پر مرمٹا ہوں۔“

”مائی گاڈ!“ جاوید بولا۔ ”کیا کھٹمنڈو میں لڑکیاں بھی رہتی ہیں۔“

”رہتی ہیں۔ یہاں تو خوب صورت لڑکیاں اس طرح بکھری پڑی ہیں جیسے چمن میں پھول کھل رہے ہوں۔“

”مائی گاڈ! تمہیں سچ مچ کسی سے عشق ہوگیا ہے۔ تم شاعری کرنے لگے ہو۔ کیا تمہیں وہاں کسی ساتھی کی ضرورت نہیں پڑی۔ آج کل مجھ پر مفلسی کا دور گزر رہا ہے تین گرل فرینڈ کی شادیاں ہو چکی ہیں۔ دو شہر سے باہر گئی ہوئی ہیں۔ اور دو سے جھگڑا ہو گیا ہے۔“

”سوری ڈیر...... تمہارا یہاں آنا بے کار رہے گا۔“

”کیوں یہاں بے کار رہے گا؟“

”اس لیے کہ یہاں کی لڑکیوں کا معیار ذرا اونچا ہے۔ وہ مجھ جیسے ذہین اور خوب صورت مردوں کو ہی پسند کرتی ہیں۔“

”لعنت ہے تم پر اور تمہاری ذہانت پر اگر وہاں کی لڑکیوں کو معیار اتنا ہی گرا ہوا ہے کہ تم پر عاشق

ہو جائیں تو میں ہرگز وہاں نہیں آؤں گا۔ اچھا اب یہ بتاؤ کیا تم انسپکٹر شاہ سے مل لیے۔ باس جاننا چاہتے ہیں کہ تمہارا کیس کس منزل پر ہے۔"
"باس سے کہنا مسٹر شاہ سے میری ملاقات ہوگئی ہے۔ اور انہوں نے میری بہت مدد کی ہے لیکن کیس لحہ بہ لحہ الجھتا جا رہا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مجھے واقعی کسی وقت تمہاری ضرورت پڑ جائے۔ اب تک دو قتل ہو چکے ہیں۔"
صرف دو...... میں تو سمجھا تم وہاں گئے ہو تو دس بیس قتل کرا کے آؤ گے۔
"ہوسکتا ہے واپس آنے تک تعداد اتنی ہو جائے باس اور سیماں ٹھیک ہیں۔"
"بالکل ٹھیک ہیں۔"
"بس تو میرا سلام کہنا، میں اس وقت جلدی میں ہوں، ابھی مسٹر شاہ سے جا کر ملنا ہے جلد ہی فون کر کے تمہیں تفصیل سے حالات بتاؤں گا۔"
"اوکے گڈ لک۔"
"یہ کہہ کر جاوید نے فون بند کر دیا۔"

☆☆☆

ٹھیک گیارہ بجے احمد ڈاکٹر سلیمان کے مکان کے سامنے پہنچ گیا۔ وہ ٹیکسی سے گیا تھا دور سے ہی اس نے شاہ کی کار پہچان لی تھی۔ ٹیکسی کچھ فاصلے پر ہی رکوا کر اس نے چھوڑ دی اور پیدل شاہ کی کار تک گیا۔ احمد کو دیکھ کر شاہ بھی کار سے اتر آیا اور بولا۔
"میں بھی ابھی آیا ہوں۔ چلو چلتے ہیں۔"
"وہ دونوں ساتھ ساتھ مکان کے دروازے تک پہنچے احمد نے گھنٹی بجائی اور شاہ سے کہا۔
"ڈاکٹر کی چچی شاید اردو نہیں سمجھتی۔"
"وہ تبت کی رہنے والی ہے۔" شاہ نے کہا۔"
آپ فکر نہ کریں میں اس سے بات کرلوں گا۔"
تھوڑی دیر بعد دروازہ کھولا۔ دروازہ کھولنے والی وہی بوڑھی عورت تھی۔ احمد کو دیکھتے ہی اس نے دروازہ بند کرنا چاہا احمد نے فوراً اپنا بوٹ دروازے میں پھنس دیا شاہ نے بوڑھی سے تبتی زبان میں کچھ کہا۔
بوڑھی عورت نے شاہ کی جانب مشکوک نظروں سے دیکھا پھر سر ہلاتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے احمد کو انگریزی میں بتایا۔ "میں نے اس سے کہا ہے کہ ڈاکٹر سلیمان سے میری فون پر بات ہو چکی ہے۔ میرا نام شاہ ہے۔ ڈاکٹر سلیمان نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اپنی چچی کو فون کر دیں گے۔ میں ان سے جا کر مل سکتا ہوں لگتا ہے ڈاکٹر نے فون کر دیا تھا اسی لیے وہ فوراً تیار ہوگئی۔"
وہ اندر داخل ہوئے۔ پہلے کمرے میں ہی ایک نوجوان اور خوب صورت عورت صوفے پر بیٹھی تھی۔ احمد نے فوراً پہچان لیا اور زیب تھی۔
دو مردوں کو ڈاکٹر کو چچی کے ساتھ آتا دیکھ کر زیب نے گھبرا کر اٹھنا چاہا۔ احمد فوراً بولا۔
"مزید اٹھنے کی ضرورت نہیں۔ اور گھبرانے کی بھی ضرورت نہیں۔ ہم دوست ہیں دشمن نہیں۔"
"زیب کچھ دیر دونوں کے چہرے دیکھتی رہی پھر سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔
"کون ہیں آپ؟"
"میرا نام احمد ہے۔" احمد نے جواب دیا اور یہ میرے دوست شاہ ہیں۔"
"مسٹر احمد۔" زیب مری ہوئی آواز میں بولی۔ "کیا کل آپ یہاں آئے تھے؟"
"ہاں، میں نیئر کے باپ کا دوست ہوں اور اس کو لینے آیا ہوں۔"
"نیئر تو یہاں نہیں ہے۔"
"مگر ڈاکٹر سلیمان نے تو بتایا تھا کہ جب وہ گئے تھے تو نیئر یہیں تھا۔" شاہ بولا۔
"جی ہاں جب نیئر یہیں تھا۔ اب نہیں وہ گنگٹوک گیا تھا ابھی تک واپس نہیں آیا۔"
"گنگٹوگ، ماجد کے ساتھ گیا تھا؟ احمد نے پوچھا۔
"جی ہاں۔"
"وہ ماجد کے لیے کام کرتا تھا۔"

''مجبوری تھی۔ ہم دونوں کے پاس کھانے کے لیے پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔''
''ماجد کے لیے نیرّ کیا کام کرتا تھا؟''
''ایکسپورٹ امپورٹ کا مال بھوٹان لے جاتا تھا اور لاتا تھا۔''
''کیسا مال؟''
''مجھے معلوم نہیں۔''
احمد نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔''سنو زیب میں نیرّ کا دشمن نہیں دوست ہوں۔ اس کے باپ کو زبردست ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ بچ نہ سکیں وہ نیرّ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ نیرّ نے تمھیں یہ بھی بتایا ہوگا کہ اس کا باپ کروڑ پتی ہے۔ کیا اس صورت میں تم پسند کروگی کہ نیرّ کوکین لانے اور لے جانے میں پکڑا جائے یا اس پر کسی کے قتل کا الزام آجائے؟''
''زیب نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔''میں سمجھی نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''
''میں سمجھتا ہوں تم اچھی طرح سمجھ رہی ہو کہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ ماجد کیا چیز ایکسپورٹ اور امپورٹ کرتا تھا۔ کیا تم معلوم ہے ماجد مرچکا ہے۔''
زیب نے جواب میں سر ہلا دیا۔
''تو تمھیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ اسے نیرّ نے قتل کیا ہے۔''
''یہ جھوٹ ہے۔'' وہ جلدی سے بولی۔
''کم از کم سلمہ کا یہی خیال ہے۔''
''سلمہ جھوٹ بول رہی ہے۔''
''سلمہ کہتی ہے کہ نیرّ اور ماجد گنگٹوک سے ایک ساتھ واپس آرہے تھے۔ شاید ان کے پاس کافی بڑی مقدار میں کوکین تھی۔ سلمہ کا خیال ہے کہ اسی کوکین کے لیے نیرّ نے ماجد کو قتل کیا ہے اور کوکین لے کر واپس گنگٹوک بھاگ گیا۔''
''نہیں نہیں، سب جھوٹ ہے۔ نیرّ نے ماجد کو قتل نہیں کیا۔ نیرّ، ماجد کے ساتھ نہیں آیا تھا بلکہ ظفر آیا تھا۔''
''ظفر کون؟''
''وہ بھی ایکسپورٹ امپورٹ کا کاروبار کرتا ہے گنگٹوک میں رہتا ہے۔ نیرّ ماجد کا مال لے کر اسی کو پہنچانے جاتا تھا۔''
''تو ظفر اب کہاں ہے؟''
''مجھے معلوم نہیں وہیں گنگٹوک میں ہوگا۔''
''تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ ماجد کے ساتھ نیرّ نہیں آیا تھا۔ ظفر آیا تھا۔''
''زیب کے چہرے پر الجھن کے آثار نمودار ہوئے مگر اس نے فوراً سنبھلتے ہوئے کہا۔
''نیرّ نے گنگٹوک سے فون کیا تھا۔''
''کب۔''
''جس روز ماجد کی لاش ملی تھی۔ اسی دن۔''
''تو اس کا مطلب ہے وہ گنگٹوک میں ابھی تک ہے۔''
''ہاں......''
''کہاں......''
''مجھے معلوم نہیں۔''
زیب بات کرتے ہوئے نظریں ملاتے ہوئے جھجک رہی تھی۔ یہ اس بات کی نشانی تھی کہ وہ جھوٹ بول رہی تھی۔
اس نے بات بدلتے ہوئے کہا۔
''میں کل ب جب یہاں آیا تھا تو تمہارا شوہر بھی یہاں گیرج میں موجود تھا اس کا مطلب ہے باری کو معلوم ہے کہ تم یہاں ٹھہری ہوئی ہو۔''
''ہاں......'' زیب نے سر ہلایا۔
''کیا یہ بات عجیب نہیں کہ تم اسے چھوڑ چکی ہو، پھر بھی تمہارا شوہر تمہاری نگرانی کررہا ہے۔''
''میں اس سے طلاق لینا چاہتی ہوں۔''
''وہ انکار کررہا ہے۔''
''وہ نہ انکار کرتا ہے نہ اقرار۔''
''وہ کہتا ہے کہ اس نے تمھیں چھوڑا تھا۔ کیا یہ سچ ہے؟''

”مجھے پتا نہیں، ہم دونوں میں شادی کے ایک سال بعد ہی جھگڑے شروع ہوگئے تھے۔ شادی کے فوراً بعد ہی ہم دونوں کو اندازہ ہوگیا تھا کہ ہم نے شادی کر کے غلطی کی ہے۔“

”تم سلمہ اور اکبر سب بچپن کے ساتھی ہو، سلمہ تمہاری بچپن کی سہیلی ہے۔ اس لیے تمہیں معلوم ہوگا کہ ماجد کس چیز کی تجارت کرتا تھا۔“

زیب نے نظریں جھکائے مرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”مجھے شک تھا۔“

”پھر بھی تم نے نیئر کو اس کے لیے کام کرنے دیا۔“

”ہم مجبور تھے۔ ہمیں پیسے کی سخت ضرورت تھی۔“

”کیا تمہیں معلوم ہے پولیس بھی نیئر کی تلاش میں ہے۔“

زیب گھبرا کر بولی۔ ”نہیں نہیں یہ نہیں ہوسکتا۔“

”لیکن یہ سچ ہے پولیس بے قوف نہیں۔ وہ جانتی تھی ماجد کا کاروبار کیا ہے۔ اس لیے وہ ماجد کی نگرانی کرتی رہتی تھی اور ماجد کے لیے کام کرنے والوں پر بھی نظر رکھتی تھی ماجد بے حد چالاک تھا اس لیے پکڑا نہیں گیا اب اس کی موت کے بعد وہ اس کے لیے کام کرنے والوں کی تلاش میں ہے۔“

”ماجد کے لیے کام تو باری اور اکبر بھی کرتے تھے۔“

”لیکن آخری بار نیئر، ماجد کے ساتھ گیا تھا۔“

”ہاں۔“

”اور واپس آتے ہوئے ماجد مارا گیا تھا۔“

”ہاں۔“

”تو اس کا مطلب ہے ماجد اپنے ساتھ کوکین لا رہا تھا۔ اور جو بھی اس کے ساتھ آرہا تھا اس نے ماجد کو مار کر کوکین غائب کر دی۔“

”یہ ضرور تو نہیں۔“

”یہ ضروری ہے ورنہ ماجد کو کوئی کیوں مارتا۔“

”ہوسکتا ہے وہ ایکسیڈنٹ میں مارا گیا ہو۔“

”کم از کم سلمہ کا یہ خیال نہیں۔“ احمد بولا۔ ”باری کا خیال بھی یہی ہے کہ ماجد کو نیئر نے مارا ہے۔“

”باری تو نیئر سے جلتا ہے۔“

”اسی وقت بوڑھی عورت نے شاہ سے کچھ کہا۔ شاہ نے احمد سے کہا۔“

”ڈاکٹر صاحب کی چاچی کہہ رہی ہیں۔ کیا آپ چائے وغیرہ پئیں گے؟“

”احمد زیب سے ابھی تفصیل سے بات کرنا چاہتا تھا اس لیے اس نے کہہ دیا۔

”اچھی بات ہے چائے منگا لیجیے۔“

”بوڑھی فوراً اٹھ کر چلی گئی۔“

☆☆☆

بوڑھی کے جانے کے بعد احمد نے زیب سے کہا ”زیب جی آپ یقین کیجیے کہ میں نیئر کے باپ کا دوست ہوں اور میں اس کو واپس لے جانے آیا ہوں۔“

”صرف نیئر کو۔“ زیب نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

”نیئر اگر آپ کو ساتھ لے جانا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ بلکہ آپ دونوں واقعی ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے ہیں تو میں اس کے باپ سے سفارش کروں گا کہ وہ نیئر کو شادی کی اجازت دے دیں۔“

زیب چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ ”میں کیسے یقین کروں کہ آپ سچ کہہ رہے ہیں۔“

”مسٹر شاہ میرے دوست ہیں اور ڈاکٹر سلیمان کے بھی دوست ہیں۔ مسٹر شاہ کی ضمانت ڈاکٹر سلیمان دے سکتے ہیں اور میری ضمانت مسٹر شاہ دے سکتے ہیں۔“

”لیکن باری کہتا ہے یہاں کی پولیس نیئر کی تلاش میں ہے۔“

”ابھی نیئر پر کوئی جرم نہیں۔ پولیس اس سے ماجد کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہے لیکن اگر نیئر مجھ سے مل لے تو ہم اس کی مشکل کو حل کر سکتے ہیں۔“

”کیسے؟“

”میرے اتنے تعلقات ہیں کہ میں آپ دونوں کو نیپال سے اسمگل کر کے باہر لے جاسکتا ہوں۔ ایک بار نیپال کی سرحد عبور کرنے کے بعد آپ دونوں محفوظ ہوں گے۔“

”مگر مجھے معلوم نہیں کہ نیرّ اس وقت کہاں ہے۔“ زیب نے یہ جملہ کہتے ہوئے پھر نظریں چرائی تھیں۔ احمد کو اتنا تجربہ ضرور تھا کہ وہ آدمی کی آنکھوں سے جھوٹ سچ سمجھ لیتا تھا اسے یقین تھا کہ زیب کو معلوم ہے نیرّ کہاں ہے وہ بولا۔

”میرا خیال ہے زیب جی آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔ میں ایک بار پھر کہوں گا آپ ہمارے ساتھ تعاون کریں گی۔ تو فائدے میں رہیں گی۔ باری، اکبر اور سلمہ نیرّ کے دوست نہیں بلکہ دشمن ہیں۔ مجھے یقین ہے وہ تینوں سمجھ رہے ہیں کہ نیرّ ماجد کو قتل کر کے اور لاکھوں روپے کی کوکین لے کر کہیں چھپا ہوا ہے۔ وہ اپنے طور پر نیرّ کو تلاش کر رہے ہیں۔ اگر نیرّ کے پاس واقعی کوکین ہے تو وہ اس کے ملنے پر وہ کوکین اس سے چھین کر اسے بھی قتل کرائیں گے۔“

”مگر نیرّ کے پاس کوکین نہیں۔“ زیب بولی۔

”یہ آپ یقین سے کیسے کہہ سکتی ہیں۔“

”نیرّ مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔“

”اس کا مطلب ہے ماجد کی موت کے بعد آپ نیرّ سے مل چکی ہیں۔“

”نہیں۔ اس نے فون پر بتایا تھا۔“

”آپ پھر جھوٹ بول رہی ہیں زیب جی۔ ٹرنک کال پر اس طرح کی راز کی باتیں نہیں کی جاتیں۔ جب کہ بات کرنے والے کو معلوم ہو کہ پولیس اس کی تلاش میں ہوگی۔ سچ سچ بتایئے نیرّ کہاں ہے۔ کیا وہ آپ سے ملنے آیا تھا؟“

زیب پریشان ہوگئی۔ کچھ دیر وہ نظریں جھکائے بیٹھی رہی پھر سر اٹھا کر بولی۔

”ہاں نیرّ آیا تھا۔“

”اس کا مطلب ہے وہ کھٹمنڈو میں ہی ہے۔“

”ہاں کل ہی آیا ہے۔“

”تو کہاں ٹھہرا ہوا ہے۔“

”یہیں......“

”یہیں“، احمد حیرت سے بولا۔ ”اس کا مطلب ہے کل میں جب آیا تھا وہ یہیں تھا۔“

”ہاں۔“

”کیا اسے معلوم ہے کہ میں اس کی تلاش میں ہوں۔“

”ہاں۔“

”اور باری کو بھی معلوم ہے کہ نیرّ یہاں ہے۔“

”ہاں باری کو معلوم ہے۔“

یہ سن کر احمد کے دل میں ایک اور الجھن کھڑی ہوگئی۔ اسے حیرت ہوئی اگر باری نیرّ اور زیب سے نفرت کرتا ہے تو وہ یہ کوشش کیوں کر رہا تھا کہ میں نیرّ سے نہ مل سکوں وقتی طور پر اس نے اس سوال کو ذہن سے نکالتے ہوئے کہا۔

”کیا نیرّ اس وقت یہیں گھر میں ہے۔“

”نہیں۔“

”کب گیا ہے۔“

”آپ کے آنے سے آدھا گھنٹہ پہلے ہی گیا ہے۔“

”کہاں گیا ہے۔“

”یہ مجھے معلوم نہیں۔“

”کب تک واپس آئے گا۔“

”یہ بھی مجھے معلوم نہیں۔“

”کیا آپ اس کو مجھ سے ملنے پر آمادہ کر سکتی ہو؟“

”میں کوشش کروں گی۔“

”اسی میں آپ دونوں کی بھلائی ہے۔ زیب جی پلیز میرا یقین کیجیے۔ میں آپ دونوں کا دوست ہوں اور نیرّ کے باپ واقعی اس وقت موت اور زندگی کے درمیان ہیں۔“

”نیرّ کو باپ سے کوئی محبت نہیں، وہ کہتا ہے اسے اپنی ماں اور باپ دونوں سے نفرت ہے کیونکہ

دونوں میں سے کسی کو اس کی پرا نہیں۔"
"یہ غلط ہے۔ نیئر کے باپ نیئر کو اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے۔ نیئر خود ہی نہیں رہنا چاہا۔"
"خیر یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے وہ آئے گا تو میں اس سے کہوں گی کہ وہ آپ سے مل لے۔"
"یہ بات آپ کو نیئر نے بتائی تھی کہ ماجد کے ساتھ ظفر کھٹمنڈو آرہا تھا۔"
"جی ہاں۔"
"کیا ان کے ساتھ کچھ مال تھا۔ میرا مطلب ہے کہ کوکین وغیرہ۔"
"جی ہاں۔" وہ کہتا ہے ماجد کے ساتھ چار کلو کے قریب کوکین تھی۔"
"پھر وہ کوکین کہاں گئی؟"
"ظفر لے کر بھاگ گیا ہوگا۔"
"تو نیئر کنگٹوک میں کیوں رہ گیا تھا؟"
"ماجد کچھ اور مال چھوڑ آیا تھا۔ وہ نیئر کو لے کر آنا تھا۔"
"وہ کیا مال تھا؟"
"نقلی ہیرے تھے۔ ماجد جانتا تھا کہ پولیس نیئر کی نگرانی کرنے لگی ہے اس لیے اصلی مال لے کر ظفر کے ساتھ خود روانہ ہوا تھا اور نیئر کے پاس ایسا مال چھوڑ آیا تھا جس پر کوئی پابندی نہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ کسٹم پر نیئر پکڑا جائے اور اس کے پاس سے کوئی ایسی چیز نہ نکلے جس کا لانا جرم ہو۔ اسطرح وہ کسٹم افسروں کی نظروں میں نیئر کو بے گناہ ثابت کرنا چاہتا تھا تا کہ بعد میں اس سے اہم کام لے سکے۔"
"پھر تو اس نے نیئر کے آنے سے پہلے کسٹم والوں کو گمنام فون بھی کر دیا ہوگا۔"
"مجھے معلوم نہیں۔"
"کیا کسٹم پر نیئر کی تلاش ہوئی تھی۔"
"ہاں...... نیئر کہتا ہے اس کی ایک ایک چیز کی تلاشی لی گئی تھی۔"
اسی وقت بوڑھی عورت چائے لے رک آگئی، احمد نے زیب سے کہا۔

"آل رائٹ، زیب جی ہم لوگ چائے پی کر چلے جائیں گے۔ میرا خیال ہے آپ اب معاملات کی نزاکت کو سمجھ چکی ہیں پلیز ہمارے ساتھ تعاون کیجیے۔ اسی میں آپ کا فائدہ ہے۔"
"میں نیئر سے یہ سب باتیں کہوں گی۔" زیب نے وعدہ کیا۔ اس کے بعد وہ چائے میں مصروف ہو گئے۔

☆☆☆

احمد اور شاہ باہر آئے تو شاہ نے گاڑی میں بیٹھے ہوئے کہا۔
"اب ہم کہاں چلیں؟"
"ابھی ہم کہیں جا رہے ہیں۔" احمد بولا۔
شاہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "مطلب۔"
"میرا مطلب یہ ہے کہ مجھے یہ ایک موقع ملا ہے نیئر کو پکڑنے کا میں اس کو گنوانا نہیں چاہتا۔"
"سمجھا نہیں۔"
"بات صاف ہے۔ زیب نے کہا ہے کہ نیئر یہیں ہے اور ابھی کچھ دیر پہلے کہیں گیا ہے اگر گیا ہے تو جلد یا بدیر آئے گا بھی ضرور۔ ہوسکتا ہے وہ یہ جان کر پھر بھاگ جائے کہ میں نے اس کا پتا چلا لیا ہے۔ اس لیے اب میں اس مکان کی نگرانی کرنا چاہتا ہوں۔"
"ہوسکتا ہے وہ سارا دن نہ آئے۔"
"تو بھی میں مکان کی نگرانی کروں گا۔"
"تو پھر میں چلتا ہوں۔"
"ہاں آپ چلیے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے یہ جتنی بھی کامیابی ہے آپ کی وجہ سے ملی ہے۔"
"شکریے کی ضرورت نہیں۔" شاہ نے مسکرا کر کہا۔ "لیجیے چابیاں سنبھالیے۔"
"چابیاں کیوں؟"
"مجھے اب دفتر جا کر بیٹھ جانا ہے۔ آپ کو نگرانی کے لیے گاڑی کی ضرورت ہے گاڑی میں بیٹھ کر آپ آرام سے انتظار کر سکتے ہیں۔"

احمد نے چابیاں لیتے ہوئے کہا۔ ”میں حیران ہوں شاہ اگر آپ جیسے لوگ اس دنیا سے ختم ہو گئے تو ہم جیسے لوگوں کے کاروبار کیسے چلیں گے؟“

”لوگ تو مجھ جیسے ہوں یا آپ جیسے پیدا ہوتے رہتے ہیں اور مرتے رہتے ہیں اس دنیا کا کاروبار اسی طرح چلتا رہے گا۔“

”شاید یہی بات ہے۔ میں ہی بے وقوف ہوں۔“

شاہ نے باہر نکلتے ہوئے کہا ”جس آدمی کو اپنی حماقتوں کا احساس ہو جائے۔ اس سے زیادہ سمجھدار آدمی کوئی نہیں ہوتا۔ آل رائٹ میں چلتا ہوں، گڈ لک۔“

”تھینک یو۔“ احمد نے ہاتھ ملا کر کہا۔ ”انسپکٹر شاہ ایک طرف کو چل دیا۔

کوئی دو گھنٹے انتظار کے بعد احمد کو ایک نوعمر لڑکا آتا ہوا نظر جس کا رخ ڈاکٹر کے مکان کی طرف تھا۔ لڑکے چہرے پر داڑھی تھی مگر اس کے نقوش مانوس محسوس ہو رہے تھے۔ احمد نے نیئر کی صرف تصویر دیکھی تھی اور تصویر میں اس کی داڑھی نہیں تھی پھر بھی چونکہ احمد کی نظریں چہروں کے نقوش یاد رکھنے اور پڑھنے کا تجربہ رکھتی تھیں اس لیے اس نے نیئر کو پہچان لیا اور وہ فوراً کار سے اتر کر اس نوجوان کی طرف اور پکارا۔

”نیئر۔“

نوجوان نے آواز سن کر فوراً پلٹ کر دیکھا احمد اس کے قریب گیا تو اس نے احمد کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”بائی گاڈ، آپ پرائیویٹ جاسوس مسٹر احمد ہیں۔“

”ہاں......“ احمد نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا کر کہا۔

”اگرچہ اس سے پہلے ہم کبھی نہیں ملے لیکن میں نے آپ کی تصویر دیکھی تھی۔ اس لیے پہچان لیا۔“

”میں نے آپ کو اپنے شہر میں دیکھا تھا پھر اکبر نے بھی مجھے بتایا تھا کہ آپ یہاں آئے ہوئے ہیں اور مجھے تلاش کر رہے ہیں۔“

”تو اکبر نے آپ کو یہ بھی بتایا ہوگا کہ میں کہاں ٹھہرا ہوا ہوں۔“

”جی ہاں۔“

”پھر بھی آپ نے مجھ سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔“

”سوری مسٹر احمد میں آپ سے خوف زدہ تھا۔“

”کیوں۔“

”آپ کو بہت سے حالات کا علم ہو ہی چکا ہے۔ میں حیران ہوں کہ آپ کو میرے بارے میں علم کیسے ہوا کہ میں یہاں ہوں۔“

”آپ کے ڈیڈی نے بتایا تھا مجھے۔“

”ڈیڈی کو کیسے معلوم ہوا ہے۔“

آپ کے ڈیڈی پچھلے دو مہینوں سے آپ کو تلاش کرا رہے ہیں۔ ابھی ایک ہفتے پہلے زین نام کے پرائیویٹ جاسوس کو انہوں نے آپ کی تلاش میں بھیجا تھا اس نے آپ کا پتا چلا کر ان کو اطلاع دی تھی کہ آپ کھٹمنڈو میں ہیں اس کے بعد آپ کے ڈیڈی نے مجھے آپ کو لینے بھیجا۔ مجھے آپ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ آپ کے ڈیڈی نے کہہ دیا تھا کہ مسٹر زین مجھ سے مل کر آپ کا پتا بتا دے گا۔ لیکن میں جس دن آیا اسی رات زین قتل ہو چکا تھا۔“

”قتل ہو گیا۔“ نیئر حیرت سے بولا۔

”جی ہاں۔“

”کیوں...... کس نے اس کو قتل کیا؟“

”ابھی تک اس کے قتل کا پتا نہیں چل سکا۔ بہر حال آپ سوچ سکتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے آپ کو تلاش کرنے کی کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔“

”مجھے افسوس ہے، مگر میں یہاں نہیں تھا۔“

”مجھے معلوم ہے لنکوک گئے تھے۔“

”یہ آپ کو کس نے بتایا؟“

”ماجد کی بیوی سلمیٰ نے۔ اس کا خیال ہے کہ آپ نے ماجد کو گولی مار کر قتل کیا ہے۔“

”یہ جھوٹ ہے۔“
احمد نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ ”سلمیٰ کا ہی یہ بھی خیال ہے کہ ماجد کے ساتھ چار کلو کوکین تھی جو آپ لے کر بھاگ گئے ہیں۔“
”یہ سب بکواس ہے۔“ نیئر نے غصے سے کہا۔ ”لیکن یہ سچ ہے کہ آپ ماجد کے لیے کام کر رہے تھے۔“
”ہاں یہ سچ ہے۔“
”اور یہ بھی سچ ہے کہ ماجد کوکین افیون وغیرہ کا کام کرتا تھا۔“
”ہاں یہ بھی سچ ہے۔“
”آپ گنگٹوک سے اسی کا یہی مال کھٹمنڈو لاتے تھے۔“
”ہاں، مگر مجھے ایک ہفتہ پہلے تک پتا بھی نہیں تھا۔ کہ ان پیکٹوں میں کیا ہوتا ہے۔“
احمد سمجھ گیا تھا کہ لڑکا جھوٹ بول رہا ہے اس نے کہا۔ ”پھر آپ کے خیال میں ماجد کو کس نے قتل کیا ہے۔“
”یہ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“
”کیا آپ اس کے ساتھ نہیں آئے تھے؟“
”جی نہیں۔“
”کیوں؟“
”اس لیے کہ ظفر کا ماجد کے ساتھ آنے کا پروگرام بن گیا تھا۔“
”کیا وہ کوکین لا رہے تھے؟“
”جی ہاں۔“
”آپ کو یہ بات معلوم تھی؟“
”جی ہاں۔ پہلے وہ پیکٹ مجھے ہی لانے تھے پھر کسی وجہ سے ماجد نے خود لانے کا فیصلہ کر لیا۔“
”اگر ظفر اس کے ساتھ تھا وہ تو ماجد کے ساتھ کیوں نہیں مرا؟“
”میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“
”آپ کو ماجد کی موت کے بارے میں کب معلوم ہوا؟“
”اس کے مرنے کے دو دن بعد۔“
”کس نے بتایا۔“
”زیب نے فون کیا تھا۔“
”ظفر اب کہاں ہے؟“
”مجھے معلوم نہیں۔“
”کیا وہ گنگٹوک واپس نہیں پہنچا۔“
”میرا خیال ہے اب وہ کبھی گنگٹوک نہیں جائے گا۔ اگر ماجد کو اس نے مارا ہے۔“
”تو کوکین اب اس کے پاس ہوگی۔ وہ کوکین کئی لاکھ روپے کی ہوگی۔ اس لیے اب اسے گنگٹوک جانے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ کسی اور ملک میں جا کر نئی زندگی شروع کر سکتا ہے۔“
وہ کھڑے کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ احمد نے کہا۔ ”یہاں کھڑے رہنے سے تو بہتر ہے کہ ہم کسی کافی ہاؤس میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔“
نیئر نے چند لمحے سوچا پھر بولا چلیے، ٹھیک ہے۔“ دونوں کار کی طرف چل دیے۔
”کافی ہاؤس میں کافی منگانے کے بعد احمد بولا۔ ”مسٹر نیئر میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی ہے کہ کسی کو مسٹر زین کے قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“
”میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میں نے تو اس شخص کو دیکھا بھی نہیں۔“ نیئر بولا۔
”میرے ذہن میں دو تھیوریاں ہیں۔“ احمد بولا۔ ”یا تو کوئی شخص یہ نہیں چاہتا تھا کہ آپ کے بارے میں کسی کو پتا چلے۔ زین چونکہ آپ کے بارے میں انکوائری کر رہا تھا اس لیے اس کو قتل کر دیا گیا۔ اب یہ بتایئے کیا کوئی شخص یہاں ایسا ہے جو یہ نہ چاہتا ہو کہ آپ کہیں جائیں۔“
”ایسا تو کوئی آدمی نہیں۔ یہاں صرف ڈاکٹر سلیمان تھے جن کو میں جانتا ہوں یا ماجد، سلمہ، اکبر اور باری کو جانتا تھا۔“
”آپ کے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو کوئی آپ

سے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''
نیئر نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''میں یہاں آیا تھا تو کھانے کو پیسہ نہیں تھا پھر میرے پاس ایسی کیا چیز ہوسکتی ہے۔''
یہ جملہ اگرچہ اس نے ہنستے ہوئے لاپروائی سے کہا تھا مگر احمد نے محسوس کیا کہ اس سوال پر اس کی آنکھوں میں ایک طرح بے چینی سی ایک لمحے کے لیے پیدا ہوئی تھی۔ احمد نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔
''آپ ماجد کے لیے کام کرتے تھے اس کے لیے کوکین گنگٹوک سے لاتے تھے۔ ممکن ہے کہ کسی کو یہ خیال ہو کہ ماجد کا کچھ مال آپ کے پاس ہو۔''
''اگر کوئی ایسا سوچتا ہے تو غلط ہے۔'' نیئر نے نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''میں صرف ''کیریئر'' تھا۔ ''کیریئر'' اس آدمی کو کہا جاتا ہے جو اسمگلنگ کا مال ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتا ہے اس کے بدلے ماجد مجھے اتنا روپیہ دیتا تھا کہ میں اپنا اور زیب کا پیٹ بھر سکوں زیب کے بچہ ہونے والا ہے ہم اس کی ڈلیوری کے لیے کچھ روپیہ جمع کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک لمحے کے لیے رک کر اس نے پوچھا۔
''مسٹر زین کے قتل کے بارے میں آپ کی دوسری تھیوری کیا ہے۔''
''میری دوسری تھیوری یہ تھی کہ زین یہاں رہ کر شاید ماجد کی نگرانی کر رہا تھا ہوسکتا ہے وہ ماجد کے تعاقب میں گنگٹوک گیا ہو اور واپسی پر اس نے دیکھ لیا ہو کہ ماجد کو کس نے قتل کیا ہے۔ قاتل کو اس کی موجودگی کا احساس ہوگیا ہو اس لیے اس کو قتل کردیا ہو۔''
''سوری! نیئر نے کاندھا اچکاتے ہوئے کہا۔'' میں اس سلسلہ میں کوئی مدد نہیں کرسکتا۔''
''آل رائٹ اب یہ بتایئے کیا آپ میرے ساتھ واپس چلنے کو تیار ہیں۔''
''میں کیسے چل سکتا ہوں۔''
''کیوں کیا رکاوٹ ہے۔''
''میں زیب کو نہیں چھوڑ سکتا۔''
''مگر زیب ابھی قانوناً باری کی بیوی ہے آپ اس سے شادی نہیں کرسکتے۔''
''میں باری کو طلاق دینے پر راضی کرلوں گا۔''
''مسٹر نیئر کیا آپ جانتے ہیں۔ زیب آپ سے عمر میں کتنی بڑی ہے۔ محبت کا یہ جذبہ وقتی ہے اگر آپ نے زیب سے شادی کرلی تو بعد میں آپ پچھتائیں گے۔''
''نہیں میں زیب سے بہت زیادہ محبت کرتا ہوں۔ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور ڈیڈی اسے بہو بنانے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوں گے۔''
''کیا آپ کو اپنے ڈیڈی سے ذرا ہمدردی نہیں ؟''
''صرف اتنی ہمدردی ہے کہ وہ میرے باپ ہیں ورنہ نہ مجھے اپنے باپ سے محبت ہے۔ نہ ممی سے ان دونوں نے مجھے کیا دیا ہے۔ نہ مجھے ماں کا پیار ملا نہ باپ کا۔''
''مجھے اس کا افسوس ہے لیکن حالات سے انسان مجبور ہوجاتا ہے۔ میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے ڈیڈی کو آپ سے بہت محبت ہے ورنہ آپ کو تلاش کرنے میں اتنا روپیہ کیوں خرچ کرتے؟''
''اس لیے کہ وہ کروڑ پتی ہیں۔ دس، بیس پچاس ہزار روپیہ خرچ کردینا ان کے لیے کوئی بڑی بات نہیں دوسرے وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری شادی کی بات پھیلے گی تو ان کی بے عزتی ہوگی۔''
''میرا خیال ہے آپ اپنے ڈیڈی کی محبت کو غلط سمجھ رہے ہیں۔ جانتے ہیں اس وقت ان کی کیا حالت ہے۔''
''نہیں۔''
''کیا ہوا ان کو؟''
''وہ یہاں آپ کی تلاش میں آنے والے تھے کہ اچانک ان پر دل کا دورہ پڑ گیا ہے اس وقت وہ اسپتال میں زندگی اور موت کی لڑائی لڑ رہے ہیں۔

اگر خدانا خواستہ ان کو کچھ ہو گیا تو کاروبار کا کیا ہوگا۔ آپ ان کے وارث ہیں۔ کروڑوں روپے کی جائیداد اور کاروبار ہے۔"

"دوسری بیوی سے ان کی ایک لڑکی بھی تو ہے۔"

"وہ آپ کی بہن ہے۔ ابھی صرف چار پانچ سال کی ہے اور بے چاری اپاہج ہے۔ باس کے بعد اس کی دیکھ بھال کرنا آپ کا فرض ہے۔ مسٹر نیئر ذرا سمجھ سے کام لیجیے۔ آپ کروڑوں کے مالک ہیں اور خود یہاں معمولی نوکری کرتے پھر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کو ابھی معلوم نہیں، یہاں کی پولیس بھی آپ کی تلاش میں ہے۔"

"پولیس......" نیئر نے چونک کر کہا۔ "پولیس کیوں تلاش کر رہی ہے۔"

"آپ کو معلوم ہونا چاہیے، ناجائز اشیاء کی تجارت ختم کرنے کے لیے ہر ملک میں خاص انتظام ہوتے ہیں صرف یہیں کی پولیس نہیں بلکہ تمہارے ملک کی پولیس بھی تمہاری تلاش میں ہے۔"

"اس بار نیئر واضح طور پر خوف زدہ نظر آنے لگا۔ اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں نہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا، پولیس میری تلاش کیوں کرے گی؟"

"سچ یہ ہے کہ آپ کے ڈیڈی اسی لیے زیادہ پریشان تھے۔ ایک سی آئی ڈی انسپکٹر ان کے پاس گیا تھا اور آپ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ آپ سے ماجد کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہے۔ دراصل ماجد کافی عرصے سے مشکوک تھا۔ نیپالی پولیس اس پر نظر رکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے دوستوں پر اور اس کے ساتھ کام کرنے والوں پر بھی نظر رکھتی ہے نیپالی پولیس نے آپ کو ماجد کے ساتھ دیکھا تو آپ کا بیک گراؤنڈ معلوم کرنے کے لیے آپ کی پولیس کو لکھا۔ جانتے ہو وہاں کی پولیس کیا سوچ رہی ہوگی۔"

"کیا سوچ رہی ہو گی؟"

"آپ کے ڈیڈی کا ایکسپورٹ امپورٹ کا بزنس ہے وہ ریڈی میڈ کپڑے دنیا کے تمام ملکوں کو سپلائی کرتے ہیں اس لیے وہ سوچ سکتے ہیں کہ ممکن ہے آپ کے ڈیڈی بھی اسمگلنگ کا کاروبار کرتے ہوں۔ کپڑوں کے پارسلوں میں چھپا کر کوکین وغیرہ بھیجتے ہو۔ آپ چونکہ ان کے لڑکے ہیں اور ماجد مشتبہ آدمی ہے اس لیے وہ یہ سوچ سکتے ہیں کہ ماجد آپ کے ڈیڈی کے لیے کام کر رہا ہوگا۔

"اوہ گاڈ......" نیئر دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گیا۔

"اب آپ خود سوچیے آپ کے یہاں آنے سے آپ کے خاندان پر کتنا بڑا دھبہ لگ سکتا ہے۔ اس لیے مسٹر نیئر میرا کہنا ہے میرے ساتھ واپس چلیے۔"

"لیکن اگر وہاں کی پولیس میری تلاش کر رہی ہے تو......؟"

احمد نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "آپ کے ڈیڈی کا یہ پلان تھا کہ آپ آجائیں گے تو وہ پولیس اسٹیشن لے جا کر آپ کا بیان دلوادیں گے۔ آپ کا چونکہ اسمگلنگ سے کوئی تعلق نہیں اس لیے پولیس آپ کو گرفتار نہیں کرے گی اس کے علاوہ آپ کے ڈیڈی آپ کو بچانے کے لیے بڑے سے بڑا وکیل کر سکتے ہیں ویسے بھی وہاں ان کے بہت بڑے بڑے لوگوں سے تعلقات ہیں۔"

"مگر میں زیب کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"

"اس صورت میں یہاں کی پولیس آپ کو گرفتار کرے گی۔ ماجد کی بیوی یہ الزام لگا رہی ہے کہ اس کے شوہر کو قتل کیا گیا ہے اور آپ ماجد کے ساتھ تھے اس لیے پولیس شبہ میں آپ کو گرفتار کر سکتی ہے میری یہاں کے پولیس انسپکٹر سے ملاقات ہوئی تھی اس نے مجھ سے خود کہا تھا کہ وہ آپ کو تلاش کر رہا ہے۔"

"کیا اس نے کہا تھا کہ وہ مجھے گرفتار کرنا چاہتا ہے؟"

"نہیں......اس نے گرفتاری کی بات تو نہیں کی

ھی صرف یہ کہا تھا کہ ابھی وہ آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتے ہیں۔ سنیئے مسٹر نیئر۔ میں ایک تجویز آپ کے سامنے رکھتا ہوں میں آپ کے جذبات محسوس کرسکتا ہوں، اس لیے میری تجویز یہ ہے کہ فی الحال آپ زیب کو ساتھ لے کر میرے ساتھ چلیے۔ وہاں پہنچ کر آپ زیب کو اسپتال داخل کروادیں، اگر آپ واقعی یہ سمجھتے ہیں کہ آپ زیب کے بغیر نہیں رہ سکتے تو آپ ڈیڈی کو سمجھانے کی کوشش کیجیے کہ وہ آپ کو شادی کی اجازت دے دیں۔ مسٹر جوہر آپ سے بہت محبت کرتے ہیں اگر ان کو یقین ہوگیا کہ آپ واقعی زیب کے بغیر نہیں رہ سکتے تو مجھے یقین ہے وہ اس شادی کی اجازت دے دیں گے اس سلسلے میں میں آپ کی مدد کروں گا۔''

''نیئر نے اداس ہوکر کہا۔ میں جانتا ہوں وہ کبھی اجازت نہیں دیں گے۔''

''وہ اجازت نہیں دیں گے تو آپ آزاد ہیں۔ آپ کے ڈیڈی آپ کو باندھ کر نہیں رکھ سکتے آپ ایک بار کوشش کر کے تو دیکھیے۔''

نیئر کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ ''اگر میں آپ کی بات مان بھی لوں تو میں اور زیب نیپال سے باہر کیسے جاسکتے ہیں؟''

''کیوں جانے میں کیا رکاوٹ ہے؟''

''اگر پولیس مجھے تلاش کر رہی ہے تو وہ مجھے ضرور گرفتار کرلیں گے۔''

''یہ واقعی مشکل ہے۔ احمد نے سوچ کر کہا۔'' آپ کا پاسپورٹ ہے۔''

''جی ہاں اور زیب کا بھی۔''

''اچھی بات ہے یہ کام آپ مجھ پر چھوڑ دیجیے، میں دو دن میں آپ کا اور زیب کا دوسرے ناموں سے پاسپورٹ بنوادوں گا۔ اس طرح آپ نیپال کی سرحد پار کرلیں گے۔''

''آپ دوسرا پاسپورٹ بنوادیں گے۔ نیئر حیرت سے بولا۔

''جی ہاں۔''

''وہ کیسے۔''

''یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجیے، لیکن اس کے لیے آپ کو میری ہر بات ماننی پڑے گی یہ آپ یقین رکھیے کہ میں آپ کا دوست ہوں اور آپ کو اس مشکل سے بچانے کے لیے ہی یہاں آیا ہوں۔ آپ جانتے ہی ہیں۔ میں پرائیویٹ جاسوس ہوں اور مشہور زمانہ کرنل زاہد کے ساتھ کام کرتا ہوں۔''

''مجھے آپ پر پورا بھروسا ہے۔''

''تو میری پہلی تجویز یہ ہے کہ آپ کو آج ہی زیب سمیت ڈاکٹر کا مکان چھوڑنا ہوگا۔''

''کیوں۔''

''اس لیے کہ باری کسی وقت بھی آپ کو گرفتار کرواسکتا ہے۔ مجھے باری کی نیت اچھی نہیں لگتی۔''

''یہ بات تو ہے۔ مگر ہم ڈاکٹر کا گھر چھوڑ کر جائیں گے کہاں؟''

''یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجیے۔ اس کا بندوبست میں کردوں گا۔ آپ میری بات ماننے کو تیار ہوجایے۔ پھر میں ابھی آپ کے رہنے کا ایسی جگہ بندوبست کردوں گا کہ پولیس یا ماجد کے ساتھیوں میں کسی کو آپ کا پتا نہ چل سکے گا۔''

''یہ بات ہے تو میں تیار ہوں۔''

''ویری گڈ'' احمد نے خوش ہوکر کہا۔ ''اب آپ نے سمجھداری کی بات کی۔''

''اب آپ کافی پیجیے۔ میں ذرا ایک فون کر کے آتا ہوں۔''

''یہ کہہ کر احمد کافی ہاؤس کے کاؤنٹر پر فون کرنے چلا گیا۔ انسپکٹر شاہ اپنے دفتر ہی میں تھا۔ احمد کی آواز سن کر وہ بولا۔'' کہیے مسٹر احمد کچھ کامیابی ہوئی۔''

''توقع سے زیادہ۔''

''یعنی آپ کو لڑکا مل گیا۔''

''وہ اس وقت میرے ساتھ ہی ہے۔''

''پھر تو اس سے میں بھی ملنا چاہوں گا؟''

''اسی لیے میں نے آپ کو فون کیا ہے۔ لیکن

میں آپ کو آپ کی سرکاری حیثیت میں اس سے ملوانا نہیں چاہتا۔ اس سے میری تفصیل سے بات ہو چکی ہے جو میں آپ کو بتا دوں گا۔ فی الحال وہ میرے ساتھ واپس جانے کو تیار ہو گیا ہے۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔"

"جی ہاں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ وہ اس عورت زیب کو بھی ساتھ لے جانا چاہتا ہے میں نے اس کا بھی اس سے وعدہ کر لیا ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں کو ڈاکٹر کے گھر سے نکال کر کسی ایسی جگہ رکھا جائے جہاں ان لوگوں میں سے کوئی اس سے نہ مل سکے اور ہم لوگ اس پر نظر رکھ سکیں۔"

"کیا وہ اس کے لیے تیار ہو گیا ہے۔"

"جی ہاں۔"

"تو آپ ان کو میرے مکان پر رکھ سکتے ہیں۔ میں فلیٹ میں اکیلا رہتا ہوں۔"

"آپ کو تکلیف ہوگی۔"

"نہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ میرے پاس چار کمروں کا فلیٹ ہے اور صرف دو کمرے میرے استعمال میں رہتے ہیں۔"

"پھر تو میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ کیا آپ اس وقت یہاں آسکتے ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں، کہاں آؤں۔"

احمد نے اس کو کافی ہاؤس کو پتا بتانے کے بعد کہا۔ "میں نیئر سے آپ کا تعارف اپنے دوست کی حیثیت سے کراؤں گا۔ اس سے یہ نہیں بتاؤں گا آپ کا کس محکمے سے تعلق ہے۔ میں یہ کہہ دوں گا کہ آپ یہاں بزنس کرتے ہیں۔"

"آل رائٹ مجھے منظور ہے۔"

"تو پھر آجایئے۔ ہم لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"او کے میں آدھے گھنٹے میں پہنچ رہا ہوں۔"

احمد فون رکھ کر واپس آ گیا۔ نیئر اپنی کافی ختم کر چکا تھا۔ احمد نے مزید دو کافی لانے کو کہا اور نیئر کو بتایا۔

"خوش قسمتی سے میرا دوست گھر پر ہی مل گیا۔"

"آپ کا دوست کیا کرتا ہے۔"

"پراپرٹی ڈیلر ہے۔ اتفاق سے اس کا اپنا فلیٹ خالی ہے کہتا ہے اس کے پاس چار کمروں کا فلیٹ ہے جس میں دو کمرے خالی ہیں۔ آپ دونوں کمروں میں رہ سکتے ہیں۔"

"مجھے زیب سے بھی مشورہ کرنا ہوگا۔"

"زیب کی حالت اس وقت زیادہ اچھی نہیں پھر اگر وہ آپ محبت کرتی ہے تو اسے آپ پر پورا بھروسا ہونا چاہیے آپ اس کے لیے اتنی بڑی قربانی دے رہے ہیں تو وہ آپ کی کیوں نہیں مانے گی۔"

"یہ تو میں جانتا ہوں کہ وہ میری کسی بات سے انکار نہیں کرے گی۔"

"آپ فکر کرنا چھوڑیے۔ ابھی آدھے گھنٹے تک میرا دوست آجائے گا۔ پھر ہم کار سے چل کر زیب کو اور آپ کا سامان لے کر اس دوست کے فلیٹ میں لے چلیں گے آپ وہاں دو تین دن رہیں گے وہ جگہ بالکل محفوظ ہے۔ اس دوران میں آپ دونوں کے لیے جعلی پاسپورٹ بنوانے کی کوشش کروں گا۔ پاسپورٹ بنتے ہی ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ ہمارے فرضی ناموں سے پاسپورٹ بنوالیں گے۔"

"یہ سب کچھ آپ مجھ پر چھوڑ دیجیے۔ آپ کے پاس سامان کتنا ہے۔"

"صرف دو اٹیچی کیس ہیں۔"

"بس تو ٹھیک ہے، لیجیے کافی آ گئی۔ آپ چاہیں تو اپنے لیے کچھ کھانے کے لیے منگا سکتے ہیں۔"

"نہیں شکریہ۔"

"بیرا کافی رکھ گیا اور وہ دونوں کافی پینے لگے۔ چالیس منٹ بعد شاہ وہاں پہنچ گیا۔ شاہ ہمیشہ سادہ کپڑوں میں رہتا تھا۔ احمد نے اس کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''ان سے ملو شاہ، یہ مسٹر نیئر ہیں۔ میرے ایک دوست کے بیٹے یعنی ایک طرح سے بھتیجے ہیں اپنے، اور نیئر یہ میرے دوست شاہ ہیں یہاں پراپرٹی ڈیلر ہیں۔''

شاہ نے ایک نظر احمد کی جانب دیکھا۔ پھر نیئر سے مصافحہ کرتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

''مسٹر احمد آپ کے لیے بہت پریشان تھے۔ شکر ہے آپ کی ان سے ملاقات ہوگئی۔ مسٹر احمد بتا رہے تھے کہ آپ کے ڈیڈی بہت بڑے بیوپاری ہیں۔''

نیئر نے شرماتے ہوئے کہا۔ ''جی ہاں ان کا ریڈی میڈ گارمنٹس کا کاروبار ہے۔''

''کیا آپ یہاں پر کچھ پراپرٹی خریدنا چاہتے ہیں۔'' شاہ نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

''نہیں نہیں، احمد جلدی سے بولا۔ ''دراصل ان کی بیوی کی طبیعت ٹھیک نہیں اور ڈاکٹر سلیمان یہاں نہیں ہیں۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ان کو اور ان کی بیوی کو کسی محفوظ جگہ ٹھہرا دیا جائے۔''

''دو تین دن کے لیے مجھے یہاں ضروری کام ہیں وہ ختم ہو جائیں گے تو ہم چلے جائیں گے۔''

''اس کے لیے میں نے آپ سے کہہ دیا ہے میرا فلیٹ خالی ہے بلکہ مجھے اس کی شکایت تھی کہ آپ میرا فلیٹ ہوتے ہوئے ہوٹل میں کیوں ٹھہرے ہیں۔''

''آپ کی شکایت بجا ہے۔ لیکن مجھے ہوٹل میں ہی کسی سے ملنا تھا اس لیے میں وہاں ٹھہر گیا تھا۔''

''تو چلیے پھر ہم چلتے ہیں۔''

''وہ اٹھ کر باہر آئے اور کار میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔'' تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر کے مکان کے سامنے گاڑی روک کر احمد نے کہا۔

''مسٹر نیئر میں نہیں چاہتا کہ باری یا اکبر کو معلوم ہو کہ آپ کہاں گئے ہیں کس کے ساتھ گئے ہیں۔ اس لیے پہلے آپ یہ دیکھ لیجیے ان میں سے کوئی گھر میں تو نہیں۔''

''اور اگر ان میں سے کوئی ہوا تو۔''

''تو اس کو کسی بہانے سے کہیں بھیج دیجیے۔''

''اچھی بات ہے میں جا کر دیکھتا ہوں۔''

''یہ کہہ کر نیئر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد احمد نے کہا میں تفصیل سے سارے حالات میں بعد بتاؤں گا۔ کیا آپ ایک آدمی ان کی نگرانی پر لگا سکتے ہیں تاکہ یہ نہ بھاگ سکیں اور نہ ہی کوئی ان سے ملاقات کر سکے۔''

''ایک کیا میں دو آدمی لگا دوں گا۔''

''بس تو ٹھیک ہے اب ان کی حفاظت کی ذمہ داری آپ پر ہے۔''

اس کے بعد وہ لوگ دس منٹ انتظار کرتے رہے آخر نیئر اور زیب گھر سے باہر آتے نظر آئے۔ نیر کے دونوں ہاتھوں میں اٹیچیاں تھیں۔ نیئر نے احمد سے کہا۔ ''گھر پر کوئی نہیں تھا میں نے ڈاکٹر کی چاچی سے کہہ دیا ہے کہ میں آج یہاں سے وطن واپس جا رہا ہوں۔''

''ویری گڈ، یہ آپ نے بہت اچھا کیا۔''

''یہ کہہ کر احمد نے کار کی ڈگی کھول کر اٹیچی کیس رکھ دیں۔ زیب اور نیئر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے اور وہ لوگ روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

احمد نیئر کی باتوں سے مطمئن نہیں تھا۔ یہ اسے یقین ہو چکا تھا کہ وہ اس سے کچھ چھپا رہا ہے اس کے ذہن میں ایک تھیوری تھی اور وہ جاوید کی ضرورت محسوس کر رہا تھا انسپکٹر شاہ پر وہ پورا بھروسا کر سکتا تھا۔ لیکن جاوید کی بات اور تھی جاوید سے وہ ہر قسم کا مشورہ کر سکتا تھا اس لیے اس نے جاوید کو کھٹمنڈو بلانے کا فیصلہ کیا۔ اپنے ہوٹل میں پہنچ کر اس نے دارالحکومت کے لیے ٹرنک کال کی۔ اتفاق سے فون جاوید نے ہی اٹھایا۔ فون اٹھاتے ہی اس نے کہا۔

''آپریٹر کہہ رہی تھی کہ کھٹمنڈو سے ٹرنک کال ہے اس لیے تم احمد احمق دی گریٹ ہی ہو سکتے ہو۔''

''بالکل ٹھیک پہچانا۔'' احمد نے جواب دیا۔''

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ قدر الو کی الو جانتا ہے۔"
"اب تم اپنی تھرڈ گریڈ صورت لے کر کب آ رہے ہو۔"
"مجھے واپس لانے کے لیے تمہیں کھٹمنڈو آنا پڑے گا۔"
"کیوں۔"
"اس لیے کہ میں مصیبت میں پھنس گیا ہوں بلکہ یہ کہو کہ ایک نہیں کئی مصیبتوں میں ایک ساتھ پھنس گیا ہوں۔"
"وہ کیا مصیبتیں ہیں؟"
"مصیبتیں بے حد حسین اور دلکش ہیں۔"
"جاوید کے منہ سے غرانے کی سی آواز نکلی وہ بولا تمہارا مطلب ہے لڑکیاں ہیں۔"
"ہاں ایک نہیں چار ہیں۔"
"اور تم ابھی تک زندہ ہو۔"
"زندہ کہاں ہوں۔ بالکل مر چکا ہوں بس صرف دم نکلنا باقی ہے۔ کیا تم صبح کی فلائٹ سے یہاں پہنچ سکتے ہو۔"
"مجھے باؤلے کتے نے کاٹا نہیں۔"
"میں کاٹ جو رہا ہوں۔ سچ جاوید ایسی خوب صورت لڑکیاں میں نے زندگی بھر نہیں دیکھیں بالکل شیشے کے بدن ہیں۔ سڈول بے داغ اور آنکھیں واہ ایک نظر دیکھتے ایک پیگ کا نشہ ہو جاتا ہے۔"
"اگر وہ تمہاری گرل فرینڈ ہیں تو میں ان کا کیا کر سکتا ہوں۔" "ان میں سے دو میری گرل فرینڈ ہیں باقی دو ان دونوں کی گرل فرینڈ ہیں۔"
"آل رائٹ، اب کام کی بات بتاؤ۔ آج کل میرا موڈ خراب ہے اس لیے خوب صورت لڑکیوں کا لالچ دینا فضول ہے۔"
"تم اتنے بدذوق کب سے ہو گئے ہو۔"
"جب سے شوکی سے میری لڑائی ہوئی ہے۔"
"وہ بھینگی لڑکی، جو دیکھتی کہیں تھی اور نشانہ کہیں اور لگتا تھا۔"

"ہائے!" جاوید نے ٹھنڈا سانس بھر کہا۔ "اس کی اسی ادا پر تو ہم عاشق تھے اس کے سامنے بیٹھ کر بھی اس کے نظروں کے تیروں سے بچے رہتے تھے۔ زخمی دوسرے ہوتے تھے اور عیش ہم کرتے تھے۔"
"لعنت ہے تمہارے عشق پر۔ اچھا سنو، وہ لڑکا مجھے مل گیا ہے۔"
"ویری گڈ، پھر اسے لے کر آ جاؤ۔"
"کام اتنا آسان نہیں۔ مجھے مانس گند آ رہی ہے۔"
"یعنی لڑکا کسی جرم میں ملوث ہے۔"
"ابھی تو یقینی طور پر نہیں کہہ سکتا۔ یہاں کی پولیس بھی اس کی تلاش میں ہے اور کچھ غلط لوگ بھی یہ نہیں چاہتے کہ وہ کھٹمنڈو چھوڑ کر جائے۔"
"پھر کیا کرنا چاہیے۔"
"میں اس کو اسمگل کرنا چاہتا ہوں مع اس کی محبوبہ کے۔"
"تو میری کیا ضرورت ہے۔"
"میں ان کے ساتھ نہیں آ سکتا۔"
"کیوں نہیں آ سکتے؟"
"اس لیے کہ پولیس نے مجھے کہہ رکھا ہے کہ میں ان کی اجازت کے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ جب میں ان سے جانے کی اجازت لوں گا تو وہ میری نگرانی کریں گے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں آ جاؤ تا کہ تم ان کو اسمگل کر سکو۔"
"تم وہاں شاہ سے یہ کام کیوں نہیں لیتے۔"
"نیر کو اگر پتا چل گیا کہ شاہ کا تعلق انٹر پول سے ہے تو وہ بدک سکتا ہے۔"
"جاوید نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "مجھے ڈیڈی سے مشورہ کرنا ہوگا۔"
"باس کہاں ہیں۔"
"سیما کے ساتھ کسی دوست کے یہاں ڈنر پر گئے ہیں۔"
"تم نہیں گئے۔"
"مجھے شوکی کے فراق میں آدھا گھنٹہ رونے کا

ریاض کرنا تھا اس لیے نہیں گیا۔ وہ آجائیں گے تو ان سے مشورہ کرکے آجاؤں گا۔"
"میرا خیال ہے کرنل صاحب انکار نہیں کریں گے۔"
"امید تو یہی ہے۔ بہر حال اگر میں نے فون نہ کیا تو کل تم ایئرپورٹ مجھے لینے آجانا۔"
"نہیں تم سے یہاں ملنا نہیں چاہوں گا۔"
"پھر میں کیا کروں گا۔"
"تم یہاں آکر ہوٹل راج محل میں ٹھہرنا، میں تم سے رابطہ قائم کرکے بتادوں گا کہ کیا کرنا ہے۔"
"اچھی بات ہے۔ اور وہ خوب صورت لڑکیاں کہاں ہیں۔"
"وہ میں تمہارے لیے خرید کر رکھ لوں گا۔"
"کیا مطلب۔"
"چاروں لڑکیاں ساڑھیوں کی ایک دکان کے شوکیس میں رکھی رہتی ہیں شیشے کی یا پلاسٹ کی بنی ہوئی ہیں۔ سچ بہت خوب صورت ہیں۔ جب میں اس دکان کے سامنے سے گزرتا ہوں میرے اندر چار دل دھڑکنے لگتے ہیں۔"
"لعنت ہے تم پر۔ تم زندگی بھر کچھ نہیں کر سکتے، تم جیسا نکما آدمی آج میری نظر سے نہیں گزرا غضب خدا کا کھٹمنڈو رہتے چار دن گزر گئے اور ابھی تک ایک خوب صورت لڑکی کو بھی دوست نہیں بنا سکے۔"
"ایک کو بنایا تھا۔ مگر وہ بہت خطرناک لگتی ہے۔"
"تو کیا ہوا۔ ہر لڑکی یا تو خطرناک ہوتی ہے یا خطرہ ناک ہوتی ہے۔"
"اچھی بات ہے تم آجاؤ گے تو میں تمہارا تعارف اس سے کرادوں گا۔ لیکن اگر اس نے تمہیں گولی مار کر قتل کر دیا تو مجھ سے شکایت نہ کرنا۔"
"اچھا اب فون بند کرو جن باتوں میں کسی حسینہ کا ذکر نہ ہو وہ باتیں مجھے بور کرنے لگتی ہیں۔ میں کل ہوٹل پہنچ جاؤں گا۔ تم کاؤنٹر پر معلوم کر لینا۔"
"او کے ڈیر، تھینک یو۔"

احمد نے فون بند کرنے کے بجائے آپریٹر سے کہا۔ "پلیز میری دارالحکومت میں ہی ایک نمبر پر بات کرد یجیے۔"
"نمبر پلیز۔" آپریٹر نے پوچھا۔
احمد نے جوہر کا نمبر دے دیا۔ کچھ دیر بعد ہی جوہر کی سکریٹری کی آواز سنائی دی۔ احمد نے کہا۔
"میں احمد بول رہا ہوں۔ مسٹر جوہر کیسے ہیں۔"
"اب وہ خطرے سے باہر ہیں" سکریٹری نے جواب دیا۔ مگر ابھی ڈاکٹر ان سے کسی کو ملنے نہیں دے رہے ہیں۔"
"تو آپ ان تک یہ پیغام کسی طرح پہنچوا دیجیے کہ نیئر مجھے مل گیا ہے۔ دو تین دن تک میں اس کو لے کر آرہا ہوں۔"
"او گاڈ، یہ خبر تو بہت اچھی ہے۔" سکریٹری بولی۔
"میں کل ہی ڈاکٹر کے ذریعے ان کو یہ پیغام بجھوادوں گی مجھے یقین ہے یہ سن کر وہ جلدی اچھے ہوجائیں گے۔"
"او کے گڈ لک۔"
یہ کہہ کر احمد نے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

رات کو طے شدہ پروگرام کے مطابق شاہ اور احمد ہوٹل کے بار میں ملے۔ احمد نے دونوں کے لیے وہسکی منگائی وہسکی آگئی تو احمد نے پوچھا۔ "دونوں پنچھی ٹھیک ہیں کیا؟"
"فی الحال تو ٹھیک ہی لگتے ہیں۔" شاہ نے سپ لیتے لیتے ہوئے جواب دیا۔ "لڑکا تو واقعی بہت کم عمر ہے۔"
"صرف انیس سال کا ہے۔ آپ نے نگرانی پر آدمی لگادیے ہیں۔"
"ہاں دو آدمی۔ چوبیس گھنٹے نگرانی رہے گی۔"
"تھینکس، اب آپ کو ایک غیر قانونی کام بھی کرنا ہوگا۔"
"وہ کیا؟"

”میں ان دونوں کے فرضی نام سے پاسپورٹ بنوانا چاہتا ہوں۔“
”وہ کیوں؟“
”ان کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے کہ ان کو نیپال سے لیے جا رہا ہوں۔“
”اس کا مطلب ہے لڑکے پر آپ کو کسی قسم کا شک ہے۔“
”ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن کہیں کوئی گڑ بڑ ہے جس کو میں ابھی سمجھ نہیں پا رہا ہوں نیئر ناسمجھ ہے۔ اس عمر کے لڑکے ناول پڑھ پڑھ کر ہیرو بننے کے خواب دیکھتے ہیں۔ اس لیے اصل بات کو سمجھنے کے لیے نیئر کا اعتبار حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔
”لیکن مجھے اشارہ تو بتایئے کہ آپ کو کیا شک ہے۔“
”ماجد جب گنگٹوک سے آیا تھا تو اس کے ساتھ چار کلو خالص کوکین تھی۔“
”چار کلو۔“ شاہ حیرت سے بولا۔” مائی گاڈ چار کلو خالص کوکین کا مطلب ہے کم از کم بیس لاکھ روپیہ۔“
”جی ہاں...... ماجد کی موت کے بعد وہ کوکین کسی کو نہیں ملی ہے۔“
”ہوسکتا ہے وہ کار کے ساتھ جل گئی ہو۔“
”نہیں وہ جلی نہیں۔ کوکین جلتی تو پولیس کو ضرور پتا چل جاتا۔ مجھے یقین ہے ماجد قدرتی موت نہیں مرا۔“
”اس کے جسم پر کوئی گولی کا نشان نہیں تھا۔“
”آدمی کو صرف گولی سے ہی نہیں مارا جاتا، گلا گھونٹ کر بھی مارا جاتا ہے۔“
”تو کیا آپ کے خیال میں نیئر نے اس کو گلا گھونٹ کر مارا ہے۔“
”مجھے یقین نہیں...... ماجد تجربہ کار کھلاڑی تھا نیئر ناسمجھ لڑکا ہے۔ ماجد اس کے ہاتھوں نہیں مر سکتا تھا لیکن یہ بات میں پورے بھروسے نہیں کہہ سکتا کیوں کہ دنیا میں حیرت انگیز واقعات بھی ہوتے رہتے ہیں۔“
”نیئر کیا کہتا ہے۔ کیا وہ اس وقت ماجد کے ساتھ تھا جب اس کی کار کو حادثہ پیش آیا۔“
”وہ کہتا ہے وہ ماجد کے ساتھ آیا ہی نہیں تھا بلکہ ظفر آیا تھا جو گنگٹوک کا بڑا اسمگلر ہے۔“
”میں جانتا ہوں وہ بھی انٹرپول کی لسٹ پر ہے۔“
”تو آپ ذرا اس کے بارے میں معلوم کرایئے۔“
شاہ نے مسکرا کر کہا میں نے یہاں آتے ہی بھوٹان کے انٹرپول کو پیغام بھیج دیا تھا جواب بھی آ گیا ہے۔
”کیا جواب آیا ہے۔“
”ظفر اب گنگٹوک میں نہیں۔“ شاہ نے جواب دیا۔
”اس کا مطلب ہے ظفر ماجد کو قتل کر کے اور کوکین لے کر کہیں بھاگ گیا ہے۔“
”اگر یہ سچ ہے تو مجھے حیرت ہوئی۔ شاہ نے کہا۔
”کیوں؟“
”اس لیے کہ ظفر پورے بھوٹان کے اسمگلروں کا کنگ ہے اس کا روبار کروڑ روں روپے کا ہے۔ ماجد ایک چھوٹا اسمگلر تھا۔ کم از کم ظفر بیس لاکھ کے لیے اپنا یہاں کا کاروبار چھوڑ کر نہیں بھاگ سکتا تھا۔“
”پھر وہ کہاں گیا۔“
”میں کیا بتا سکتا ہوں اور یہ ممکن ہے کہ اس کا کسی بات پر ماجد سے جھگڑا ہو گیا ہو اور اس نے ماجد کو قتل کر دیا ہو اور اب وہ اس لیے بھاگ گیا ہو تا کہ جب معاملہ دب جائے تو وہ سامنے آ جائے۔“
”کیا بھوٹان کے انٹرپول کو اس کے سارے ٹھکانوں کا پتا ہے۔“
”ان لوگوں کے سارے ٹھکانوں کا پتا لگانا ناممکن ہوتا ہے۔ ہاں آپ نیئر کے بارے میں بتا رہے تھے آپ کو نیئر پر کیا شبہ ہے۔“

''ایک فی صد یہ چانس ہے کہ نیرؔ کو اس چار کلو کوکین کا پتا ہے۔''
''وہ کیسے؟''
''آپ کے سامنے زیب نے بتایا تھا کہ کوکین ظفر اور ماجد ساتھ لے کر آئے تھے اور نقلی ہیروں کے پیکٹ نیرؔ کو لانے کے لیے دے آئے تھے۔''
''ہاں بتایا تو تھا۔''
''تو یہ بھی ممکن ہے وہ پیکٹ نقلی ہیروں کے نہ ہوں بلکہ کوکین کے ہوں۔''
شاہ نے وہسکی کا ایک بڑا سا گھونٹ لے کر کہا۔'' آپ کا مطلب ہے ماجد کے مرنے اور ظفر کے غائب ہونے کے بعد نیرؔ نے وہ کوکین کہیں چھپا دی ہے۔''
''اگر وہ پیکٹ کوکین ہی کے تھے تو یہ ناممکن نہیں ہے۔''
''یہ بات تو ہے۔شاہ نے سوچتے ہوئے کہا۔
''اس لیے کہ میں نیرؔ پر اپنا اعتبار قائم کرنا چاہتا ہوں اور وہ لڑکا جذباتی ہے۔ اس کے ساتھ ذرا سا احسان کیا جائے گا تو اپنا دل کھول دے گا۔''
''میں آپ کی بات سمجھ گیا۔لیکن مسٹر احمد اگر اس کوکین کو نیرؔ کو پتا ہے تو قانون کی نظر میں وہ بھی مجرم ہے۔''
''مجرم تو ہے۔لیکن ابھی نابالغ ہے۔ اگر اسے کوکین کا علم ہے تو وہ میں حاصل کر کے انٹرپول کے حوالے کردوں گا اور رپورٹ دے دوں گا کہ یہ کوکین آپ کی کوشش سے ملی ہے نیرؔ کا باپ دولت مند ہے وہ کسی بڑے وکیل کی مدد سے اپنے بیٹے کو اس جرم سے بری کرالے گا۔''
''کیا لڑکے کے باپ آپ کا دوست ہے؟''
''میرا لینڈ لارڈ ہے۔''
''تو میرا مشورہ ہے کہ اس لڑکے کا کسی طرح اس عورت سے پیچھا چھڑاؤ۔''
''میں یہی کوشش کر رہا ہوں۔ اب بتائیے پاسپورٹ کے بارے میں کیا کریں۔''
''کل ان کے فوٹو مجھے دلوا دیجیے اور فرضی نام بتا دیجیے میں شام تک پاسپورٹ بنوا دوں گا۔''
''لیکن یہ راز صرف ہمارے تمہارے درمیان رہے گا۔''
''آپ فکر نہ کریں۔''
''بس تو ٹھیک ہے کل ان دونوں کے فوٹو میں خود اپنے کیمرے سے بنا کر ارجنٹ بنوالوں گا۔آپ اپنے پاسپورٹ بنوالیں۔ شام تک فوٹو مل جائیں گے۔''
''ٹھیک ہے۔''شاہ نے سر ہلایا۔
''کیا آپ کھانا منگائیں۔''
''ہاں منگایئے۔''
احمد نے بیرے کو بلا کر کھانے کا آرڈر دیا۔اسی وقت احمد کی نظر بار کے دروازے پر گئی تو اس نے دیکھا سلمہ باری اور اکبر داخل ہو رہے تھے۔احمد نے آواز دبا کر کہا۔
''ماجد کی بیوی۔ سالا اور باری اور اندر داخل ہوئے ہیں۔''
''شاہ نے ترچھی نظروں سے ان لوگوں کو دیکھ کر کہا''یہ لوگ یہاں کیوں آئے؟''
''شاید میری چیکنگ کر رہے ہیں۔''
''آپ کی چیکنگ کس لیے؟''
''انہیں اب تک پتا چل چکا ہوگا کہ نیرؔ اور زیب غائب ہو چکے ہیں۔''
''وہ تینوں کچھ فاصلے پر ایک ٹیبل پر آ کر بیٹھ گئے تھے احمد کن انکھیوں سے ان کو دیکھ رہا تھا۔سلمہ بیرے کو بلا کر آرڈر دینے لگی۔ اسی وقت ان کا بیرا بھی آرڈر کا سامان لے آیا۔اور وہ لوگ اپنے کھانے میں مصروف ہو گئے۔

☆☆☆

شاہ کے جانے کے بعد احمد اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ لابی میں اس کو ریتا مل گئی وہ بولی۔
''اوہ ہیلو مسٹر احمد، آپ کہاں چلے گئے تھے میں سمجھی تھی آپ مجھ سے ملنے آئیں گے۔''
''سوری ریتا جی۔''احمد نے اخلاق سے جواب

دیا ”میں اس قدر مصروف رہا کہ آپ سے ملنے کی خواہش کے باوجود نہ مل سکا۔“

”کیا مسٹر جوہر کا لڑ کا ملا؟“

”جی ہاں، مل تو گیا ہے۔“

”یہ تو اچھا ہوا۔ تو کیا اب واپس جا رہے ہیں؟“

”جی ہاں بس ایک دو دن میں واپس جانے ہی والا ہوں۔“

”میں بھی یہاں سے ایک دو دن میں جانے ہی والی ہوں۔“

”کہاں؟“

”کھٹمنڈو سے میرا دل بھر گیا ہے۔ واپس اپنے وطن جانا چاہتی ہوں کچھ روز دارجلنگ میں اپنی بہن کے پاس رہوں گی۔ وہاں سے اپنے وطن آؤں گی۔ امید ہے اس وقت تک آپ بھی پہنچ جائیں گے۔ کوشش کروں گی اگر مسٹر جوہر نے مجھے میری پہلی والی سروس دے دی تو پھر آپ کا پڑوسی بننے کی کوشش کروں گی۔“

”یہ تو بہت اچھا خیال ہے۔“ احمد بولا۔ کیا یہاں سے دارجلنگ کے لیے ہوائی جہاز جاتا ہے۔“

”جی نہیں...... ویسے بھی یہاں سے دارجلنگ جہاز کے ذریعے جانا سراسر حماقت ہے۔“

”وہ کیوں؟“

اس لیے کہ نیپال کے قصبہ بھگت پور سے دارجلنگ تک اتنے خوب صورت منظر ہیں کہ لگتا ہے خدا نے خاص طور پر سے اپنے ہاتھ سے بنائے ہیں کبھی کبھی ٹورسٹ پارٹی اس راستے سے دارجلنگ جاتی رہتی ہے میں کسی ایسے ہی ٹورسٹ گروپ کے ساتھ جانے کی کوشش کروں گی۔ اگر آپ کو وقت ملے تو میں مشورہ دوں گی کہ آپ بھی ایک بار سفر کر کے دیکھے۔ ہمالیہ کی وادی کی خوب صورتی دیکھنی ہے تو اس سے اچھا راستہ کوئی نہیں۔“

احمد ہنس کر کہا۔ ”آپ کی اتنی تعریف نے تو میرے اندر جذبہ شوق بھڑکا دیا ہے۔ اگر میں اس بار وقت نہ بھی نکال سکا تو کبھی اس راستے پر سفر ضرور کروں گا۔“

”کیا آپ کھانا کھا چکے ہیں؟“

”جی ہاں۔“

”تو آیئے کہیں بیٹھ کر کافی پیتے ہیں۔“

”سوری میں کافی پی چکا ہوں۔ لیکن میری کافی آپ پر قرض رہی۔ جانے سے پہلے ایک بار آپ کے کمرے پر آ کر کافی ضرور پیوں گا۔“

”آل رائٹ مسٹر احمد، مین آپ کا وعدہ پورا ہونے کا انتظار کروں گی۔ گڈ نائٹ، یہ کہہ کر ریتا ہوٹل سے باہر چلی گئی۔

☆☆☆

انسپکٹر شاہ کے مکان میں اس کے علاوہ ایک بوڑھی عورت رہتی تھی۔ جسے شاہ کا کی کہہ کر بلاتا تھا۔ دی شاہ کے گھر کی دیکھ بھال کرتی تھی اور کھانا وغیرہ بناتی تھی۔ نیرّ اور زیب نے ایک ہی کمرہ لیا تھا۔ یہ کمرہ فلیٹ کے کونے میں تھا۔

شاہ کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ بستر پر لیٹ کر وہ ایک ناول پڑھ رہا تھا اسے پتا ہی نہ چلا دو بج چکے ہیں۔ فلیٹ پرانے طرز کا بنا ہوا تھا اس لیے چاروں کمروں کے لیے ایک ہی باتھ روم تھا۔ دو بج گئے تو اس نے ناول رکھ دیا اور سونے سے پہلے باتھ روم گیا۔ باتھ روم سے وہ کمرہ نظر آتا تھا جس میں نیرّ اور زیب ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس نے دیکھا کہ کمرے میں روشنی ہو رہی ہے اور دونوں کے بولنے کی آواز بھی آ رہی تھی وہ صرف دبی دبی باتیں سن سکتا تھا۔ الفاظ نہیں سمجھ پا رہا تھا۔ اسے حیرت ہوئی کہ رات کو وہ اس وقت کیا کر رہے ہیں؟“

اس کی فطرت میں تجسس تھا۔ باتھ روم سے نکل کر وہ دبے پاؤں چلتا ان کے کمرے کے پاس پہنچ اور دروازے سے کان لگا کر ان کی باتیں سننے کی کوشش کرنے لگا۔

اندر دونوں دبی دبی آواز میں باتیں کر رہے تھے زیب کہہ رہی تھی۔

"نہیں نیرؔ۔ یہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"تم احمق ہو زیب، یہ ہمارے مستقبل کا سوال ہے۔" یہ نیرؔ کی آواز تھی۔

"لیکن تم کہتے ہو۔ تمہارے ڈیڈی کروڑ پتی ہیں اور تم ان کے اکلوتے بیٹے ہو۔"

"میرے ڈیڈی اور ممی دونوں خود غرض ہیں۔ وہ لوگ صرف اپنی خوشیاں سامنے رکھتے ہیں۔ میں ان پر بوجھ کی طرح ہوں۔ اسی لیے مجھے کسی نے اپنے پاس رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ غیروں کی طرح اسکول کے ہوسٹل میں ڈال دیا۔ ہزار دو ہزار روپے مہینہ خرچ کرنا ان کے لیے معمولی بات تھی اس لیے لاک لاج کے لیے مجھ پر خرچ کرتے رہے۔"

"لیکن اگر ان کو تم سے محبت نہ ہوتی تو وہ تمہاری تلاش میں مسٹر احمد کو کیوں بھیجتے؟"

"اس میں بھی ان کی کوئی غرض تھی۔"

"لیکن نیرؔ میں یہ بات نہیں مان سکتی۔ ماں باپ کتنے ہی سخت دل کیوں نہ ہوں اولاد کا پیار ان کے دل میں ضرور ہوتا ہے۔"

"لیکن زیب تم۔ ان دونوں کی فطرت نہیں جانتیں میرے ڈیڈی تمہیں اپنے گھر کی بہو بنانے کو کبھی تیار نہیں ہوں گے۔ اس لیے ہمیں اپنے مستقبل کی فکر خود کرنی ہوگی۔"

"لیکن جو کچھ تم کر رہے ہیں یہ جرم ہے۔"

"میں تمہیں حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کر سکتا ہوں۔"

"اچھا ایک بات بتاؤ؟"

"پوچھو؟"

"کیا واقعی تم نے ماجد کو قتل کیا ہے؟"

"نہیں...... میں تمہاری قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ماجد کو میں نے قتل نہیں کیا۔"

"پھر یہ مال تمہارے پاس کیسے آیا؟"

"ماجد بے وقوف نہیں تھا۔ وہ مال اپنے ساتھ کبھی نہیں لاتا تھا۔ مال مجھے ہی لانا تھا۔"

"ظفر اس کے ساتھ آیا تھا۔ اس لیے مجھے یقین ہے کہ ظفر نے ماجد کو قتل کیا ہے۔"

"پھر ظفر کہاں گیا ہے؟"

"مجھے معلوم نہیں۔ ہو سکتا ہے وہ پولیس کے ڈر سے چھپا ہوا ہو۔"

"لیکن سوال یہ ہے ہم اس مال کو سرحد کے پار کیسے لے جائیں گے؟"

"تم بے وقوف ہو، تم کیا سمجھتی ہو۔ میں نے احمد کے ساتھ جانا یوں ہی قبول کر لیا ہے۔"

"میں سمجھی نہیں؟"

"احمد بہت تجربے کار جاسوس ہے، تم نے شاید کرنل زاہد کا نام سنا ہو وہ اپنے ملک کا بہت مشہور جاسوس ہے محکمہ انٹیلی جنس کے یہ بڑے افسر ہیں ان کی وجہ سے احمد کے بھی تعلقات پولیس کے ہر محکمہ میں ہیں۔ ان کے ساتھ سفر کر کے ہمارے سامان کی تلاشی بالکل نہیں ہوگی اور مال آسانی سے نیپال کی سرحد کے پار پہنچ جائے گا۔"

"تو تم سرحد پار کر کے کیا کرو گے؟"

"ہم صرف سرحد پار کرنے تک احمد کے ساتھ رہیں گے۔ اس کے بعد موقع پاتے ہی اس سے الگ ہو کر کہیں غائب ہو جائیں گے۔"

"کیا تم وہاں کسی کو جانتے ہو۔ جسے تم یہ مال بیچ سکو گے۔"

"نہیں لیکن میں گاہک تلاش کر لوں گا۔"

"تم کہتے ہو مال تقریباً تیس لاکھ ہے۔"

"ہاں مجھے۔ اگر بیس لاکھ بھی ملے تو دے دوں گا۔"

"نیرؔ ڈیئر میرا دل ڈر رہا ہے۔ میں پھر کہتی ہوں کہ تم یہ خیال چھوڑ دو۔"

"کس بات سے دل ڈر رہا ہے۔"

"یہ چوری کا مال ہے اگر تمہیں پولیس نے پکڑ لیا تو کم از کم دس سال کی سزا ضرور ہو جائے گی۔ پھر تم جانتے ہو اس دھندے کے لوگ کتنے خطرناک ہوتے ہیں یہاں تو دو دو سو روپے کے لیے ایک دوسرے کو قتل کر دیتے ہیں یہ تو تیس لاکھ کا مال ہے اور یہ دھندا

کرنے والے سب لوگ بدمعاش ہوتے ہیں۔ تم ابھی کم عمر ہو تمہیں وہ مار کر سارا مال حاصل کر سکتے ہیں۔''

''اب میں اتنا کمزور بھی نہیں۔ پورے دو مہینے سے ماجد کے لیے مال میں ہی تو لاتا تھا۔''

''تم ماجد کا بھی انجام دیکھ چکے ہو۔ برسوں سے یہ کام کر رہا تھا۔ تجربے کار بھی تھا اور پکا بدمعاش تھا پھر بھی مارا گیا۔''

''اوہ ڈیئر چھوڑو ان باتوں کو۔ یہ سب تم مجھ پر چھوڑ دو فکر نہ کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس ایک بار سرحد پار کر لینے دو۔ اس کے بعد کوئی الجھن نہ رہے گی۔''

''کیا ہمارے اٹیچی کیسوں کی تلاش نہ ہوگی۔''

''چاروں پیکٹوں پر صاف کیے ہوئے جاپانی نمک کا لیبل لگا ہوا ہے۔ ہم احمد کے ساتھ ہوں گے۔ اب وہ پیکٹ تو کھول کر دیکھنے سے رہے۔ اچھا اب سو جاؤ تم بہت دیر ہو گئی ہے۔ پھر تمہیں ان باتوں سے زیادہ آرام کی ضرورت ہے۔''

آخر میں زیب کی سرسراتی ہوئی پیار بھری آواز سنائی دی۔

''میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی نیئر۔''

''میں بھی ڈارلنگ۔''

''مگر ڈیئر میں عمر میں تم سے چھ سال بڑی ہوں، عورتیں جلدی بوڑھی نظر آنے لگتیں ہیں تم مجھ سے اکتا تو نہیں جاؤ گے؟''

''نو ڈیئر، ہمارا پیار سچا ہے۔ میں زندگی کے آخری سانس تک تمہیں اسی طرح چاہتا رہوں گا۔''

ان کی گفتگو سننے کے بعد انسپکٹر شاہ اسی طرح دبے قدموں سے چلتا ہوا واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔

☆☆☆

صبح کو احمد نہا کر غسل خانے سے نکلا ہی تھا دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے ابھی تک ناشتے کا آرڈر بھی نہیں دیا تھا اسے حیرت ہوئی کہ اس وقت کون آیا ہوگا۔ گون جسم کے گرد لپیٹے ہوئے اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ دروازے پر انسپکٹر شاہ کھڑا تھا۔ احمد نے حیرت سے کہا۔

''آپ...... اتنی صبح۔''

''ہاں......'' شاہ نے اندر داخل ہو کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی اس لیے ناشتا کرنے چلا آیا ہوں۔''

''احمد نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ ''آپ کی آنکھوں میں تو اس طرح کی چمک ہے جیسے ابھی ابھی کسی لڑکی سے عشق ہو گیا ہو۔''

''بات کچھ ایسی ہی ہے۔'' شاہ نے کرسی پر بیٹھتے ہی کہا۔ ''لیکن آگے کچھ کہنے سے پہلے ناشتے کا آرڈر دے دو۔ مجھے واقعی بھوک لگ رہی ہے۔ نہاتے ہی یہاں بھاگ کر آ رہا ہوں۔''

''احمد نے فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔'' اس کا مطلب ہے رات کو کوئی ضرور اہم واقعہ پیش آیا ہے۔''

''آپ کی آنکھیں، ایکس ریز،'' کی طرح ہیں مسٹر احمد، اندر تک کا حال پڑھ لیتی ہیں۔''

''کامپلیمنٹ کا شکریہ۔''

''یہ کہہ کر احمد روم سروس کو ناشتے کا آرڈر دینے لگا۔ آرڈر دینے کے بعد واپس آتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''کیا میں آپ کی ہونے والی محبوبہ کا نام پوچھ سکتا ہوں۔''

''کوکین۔''

''کوکین......'' احمد حیرت سے بولا۔ ''کیا مطلب۔''

شاہ نے شرارت بھری نظروں سے احمد کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں وہ چار کلو کوکین کی تلاش کر لی ہے جس کے لیے ماجد کو قتل کیا گیا ہے۔''

''تلاش کر لی ہے۔ کہاں سے'' احمد کے لہجے میں سخت حیرت تھی۔ پھر خود ہی بولا۔ لیکن ٹھہرو۔ میں بتاتا ہوں۔ وہ کوکین نیئر کے پاس ہے۔ کیا آپ نے

اس کے سامان کی تلاشی لی تھی؟''
''نہیں میں نے ان کے سامان کی تلاشی نہیں لی ہے۔ مگر آپ کا اندازہ درست ہے۔ کوکین نیئر کے پاس ہی ہے۔''
''اس کے سامان میں یا اس نے کہیں چھپائی ہوئی ہے؟''
''اس کے سامان میں ہی ہے چار پیکٹوں میں ہے اور پیکٹوں پر جاپانی نمک کا لیبل لگا ہوا ہے وہ نمک جو جاپان نے بلڈ پریشر کے مریضوں کے استعمال کے لیے صاف کر کے بنایا ہے۔''
''لیکن آپ نے تلاشی نہیں لی تو آپ کو کیسے معلوم ہوا؟''
''آپ کو نیئر پر بھی شک تھا نا کہ کوکین اس کے پاس ہو سکتی ہے۔''
''جی ہاں۔ اسی لیے تو میں نے اس کو آپ کے یہاں ٹھہرایا تھا اور اسی لیے میں اس کو جعلی پاسپورٹ کے ذریعے اپنے ملک لے جانا چاہتا تھا میں اس کو وقت دینا چاہتا تھا کہ وہ کوئی قدم اٹھائے اور اس کا راز کھل سکے۔''
''بس تو راز کھل گیا...... قسمت نے اچانک آپ کا ساتھ دیا ہے۔''
''وہ کیسے؟''
''رات کو مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ دو بجے کے قریب میں باتھ روم گیا تو میں نے ان کے کمرے میں روشنی دیکھی اور ان کے ساتھ باتیں کرنے کی آواز سنائی دی میرے دل میں تجسس پیدا ہوا۔ ان کے دروازے کے پاس جا کر میں باتیں سننے لگا۔ خوش قسمتی سے وہ دونوں اس وقت اسی کوکین کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے۔'' احمد نے اچانک سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ ''پھر تو یہ برا ہوا مسٹر شاہ اگر وہ کوکین نیئر کے قبضے میں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ماجد کا قاتل ہے۔''
''نہیں کم از کم وہ قاتل نہیں۔''
''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟''
''اس لیے رات کے دو بجے کوئی مرد اپنی محبوبہ سے جھوٹ نہیں بولتا اس وقت زیب نے بھی رات نیئر سے یہی سوال کیا تھا کہ کیا اس نے ہی ماجد کو قتل کیا ہے؟''
''پھر اس نے کیا جواب دیا۔ احمد نے بے تابی سے سوال کیا؟''
''اس نے زیب کی قسم کھا کر کہا اس نے ماجد کو قتل نہیں کیا۔ اس نے بتایا کہ ماجد بے وقوف نہیں تھا۔ وہ اس طرح کا مال کبھی ساتھ نہیں لاتا تھا وہ اور ظفر دونوں الگ آئے تھے اور نیئر کو وہ چاروں پیکٹ لے کر بعد میں پہنچنا تھا۔ نیئر کھٹمنڈو کب آیا تھا۔ یہ تو مجھے نہیں معلوم نہیں۔ لیکن ماجد قتل ہو گیا۔ یہ خبر نیئر کو معلوم ہوئی تو اس کے ذہن میں وہی خیال آیا جو ان حالات میں کسی کے بھی ذہن میں آ سکتا ہے۔''
''یعنی اس نے تیس لاکھ کی کوکین ہڑپ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔''
''ہاں اس کا پروگرام یہ تھا کہ وہ کوکین اور زیب کو لے کر سرحد پار کر کے اس کو آدھے پونے داموں بیچ کر زیب سے شادی کر لے گا۔''
احمد سوچ میں پڑ گیا کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ ''مجھے یہی شک تھا۔''
''تو اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟'' ہمارے سامنے دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم نیئر کو تیار کر کے پولیس کے حوالے کر دیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ آپ چاہیں تو ہم نیئر سے کوکین حاصل کر لیتے ہیں اور اس کو چھوڑ دیتے ہیں آپ لڑکے کو لے جا کر اس کے باپ کے حوالے کر دیں۔''
''نہیں انسپکٹر شاہ، ابھی ایسا کرنا ٹھیک نہ ہوگا۔''
''کیوں؟''
''میرا خیال ہے معاملہ ختم نہیں ہو جاتا۔''
''وہ کیسے؟''
میرے ذہن میں ایک تھیوری ہے جو ابھی نامکمل ہے ماجد کی موت پراسرار ہے اور ماجد کا قاتل نہیں پکڑا گیا۔ میں ان واقعات کی تہ میں ایک گہری

سازش کی بومحسوس کررہا ہوں۔"
"آپ کے خیال میں وہ سازش کیا ہے۔"
"یہ تو ابھی مجھے خود بھی معلوم نہیں۔ اسی لیے میں ابھی نیئر سے وہ کوکین چھیننا نہیں چاہتا۔ میں جان بوجھ کر اس کو آزاد چھوڑنا چاہتا ہوں۔"
"نیئر کا پروگرام یہ ہے کہ وہ نیپال کی سرحد پار کرتے ہی آپ کو چکمہ دے کر غائب ہو جائے گا۔"
"یہ بات میں سوچ چکا ہوں۔ میں پہلے سے اس بات کے لیے تیار ہوں۔ میں جانتا تھا اگر نیئر کے پاس وہ کوکین ہے تو وہ ضرور سرحد پار کر کے بھاگنے کی کوشش کرے گا۔"
"وہ بھاگ کر جہاں بھی جائے گا ہمارا ایک ساتھی اس کا پیچھا کرتا رہے گا۔ مجھے یقین ہے جن لوگوں نے بھی ماجد کو قتل کیا ہے۔ اسی کوکین کے لیے کیا ہے۔ وہ بھی نیئر کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔ جب نیئر اپنی دانست میں ہمیں چکمہ دے کر بھاگے گا تو وہ لوگ اس کا پیچھا کریں اور اس سے وہ کوکین حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اس طرح ہم ان لوگوں کو رنگے ہاتھوں گرفتار کرسکیں گے۔"
انسپکٹر شاہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ "تجویز بری نہیں لیکن ذراسی غلطی سے لڑکے کی زندگی خطرے میں پڑسکتی ہے۔"
"آپ یہاں کے انٹرپول کے آفیسر ہیں میں آپ کی ذمہ داری سمجھتا ہوں۔ میری آپ سے صرف یہ درخواست ہے کہ مجھے میرے پلان پر عمل کرنے دیجیے یہ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ وہ "کوکین آپ کو واپس مل جائے گی۔" اور منافع میں شاید ماجد کا قاتل بھی آپ کو پیش کرسکوں۔"
"آپ کو مجھ سے درخواست کرنے کی ضرورت نہیں مسٹر احمد۔" شاہ بولا۔ "آپ میرے محسن اور میرے دوست کرنل صاحب کے ساتھی ہیں۔ میں آپ پر پورا بھروسا کرتا ہوں۔ آپ خوشی سے اپنے پلان پر عمل کیجیے۔ میں آپ کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کروں گا۔"
"تھینک یو۔"
اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ احمد بولا۔ شاید ناشتا آگیا۔" یہ کہہ اسی نے پکارا کہا۔" اندر آجاؤ"۔
دروازہ کھلا اور بیرا ناشتہ کی ٹرالی لیے اندر داخل ہوگیا۔

☆☆☆

ناشتا کرکے شاہ چلا گیا تھا۔ گیارہ بجے دارالحکومت سے کھٹمنڈو فلائٹ آتی تھی احمد کو امید تھی جاوید بارہ بجے تک ہوٹل پہنچ جائے گا اس لیے وہ بارہ بجے کے قریب ہوٹل کے گیٹ پر آکر کھڑا ہوگیا۔ وہ سڑک کے کنارے کھڑا منظر دیکھ رہا تھا کہ ایک کار اس کے پاس آکر رکی کار ایک نیپالی شخص چلا رہا تھا۔ دو آدمی پیچھے بیٹھے تھے انہوں نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔
"بزنس روڈ یہی ہے؟"
"جی نہیں۔" احمد بوال۔
"پھر کدھر ہے؟"
"مجھے معلوم نہیں۔"
ان دونوں نے ایک دوسرے سے کہا۔ "چلو گیٹ پر چوکیدار سے پوچھتے ہیں۔"
وہ دونوں کار سے اتر کر احمد کے دائیں بائیں رک گئے۔ پھر ان میں سے ایک نے احمد کا ندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
"آپ کو نہیں معلوم کہ بزنس روڈ کدھر ہے؟"
"سوری۔"
"تو ہم بتا دیتے ہیں۔ میں اور میرے ساتھی دونوں کی جیبوں میں ریوالور ہے۔ کار کا انجن چل رہا ہے۔ ہماری انگلیاں جیبوں کے اندر ریوالوروں کے ٹریگر پر ہیں۔ اگر تم زندگی چاہتے ہو خاموشی سے دوستوں کی طرح کار میں بیٹھ جاؤ ورنہ دو گولیاں تمہارے جسم میں ہوں گی۔"
احمد نے حیرت سے دونوں کی جانب دیکھا وہ دونوں تجربے کار غنڈے معلوم ہوتے تھے اور واقعی

ان کا ایک ایک ہاتھ کوٹ کی جیب کے اندر تھا۔ جیب بھی بھاری نظر آ رہی تھی احمد سمجھ گیا کہ وہ سچ بول رہے ہیں۔

ایک لمحے میں احمد کے ذہن نے کئی باتیں سوچ لیں اس نے سوچا اگر یہ لوگ مجھے قتل کرنا چاہتے تو گزرتی گاڑی سے گولیاں برساتے ہوئے گزر جاتے۔ اس کا مطلب ہے کہ کم از کم ابھی یہ مجھ کو قتل کرنا نہیں چاہتے اس لیے خیریت اسی میں ہے کہ فی الحال ان کی بات مان لی جائے۔ پھر بھی اس نے پوچھا۔

"آپ لوگوں کو شاید مغالطہ ہو گیا ہے میں وہ نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔"

"ہمیں مغالطہ نہیں ہوا کرتا۔" اس میں سے ایک مسکرا کر بولا۔ "ہم مغالطے میں کبھی کام نہیں کرتے۔"

وہ اس طرح مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہے تھے۔ جیسے احمد واقعی ان کا دوست ہو۔ دوسرا شخص بولا۔

"تمہارا نام مسٹر احمد ہے؟"

"ہے تو سہی۔" احمد بولا۔

"بس تو پھر مغالطے کی بات ختم ہوتی ہے۔"

"لیکن آپ لوگ مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہیں۔"

"تمہارے ایک دوست سے ملانے۔"

"کس دوست سے؟"

دونوں نے اس کے باوز تھامتے ہوئے۔ "کبھی تم نے انگریزی کا ایک محاورہ شاید نہیں سنا۔ تجسس کبھی کبھی بلی کی موت کا سبب بن جاتا ہے۔ اس لیے تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ خاموشی سے ہمارے ساتھ چلے چلو۔"

اب کسی بحث کی گنجائش نہیں رہی تھی اس لیے احمد کار میں بیٹھ گیا۔ وہ دونوں اس کے ادھر ادھر بیٹھ گئے اور کار چل پڑی۔

تھوڑی دیر میں کار آبادی سے باہر آ گئی تو احمد بولا۔ شاید آپ لوگ مجھے اپنے ملک کی سرحد کے پار چھوڑنے جا رہے ہیں؟"

"یہ تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا۔"

"اب ان دونوں نے اپنے ریوالور جیبوں سے نکال لیے ہاتھ میں لے لیے تھے۔ تقریباً آدھا گھنٹہ چلنے کے بعد کار ایک راستے پر مڑ گئی۔ سامنے ہی ایک اونچی جگہ پر لکڑی کا ایک کاٹج ہوا تھا۔ سڑک آگے جا کر ختم ہو گئی تھی۔ کاٹج وہاں سے کوئی پچاس گز دور تھا۔ گاڑی رک گئی تو انہوں نے احمد سے کہا۔

"نیچے اترو۔"

"وہ نیچے اتر گیا تو ان میں سے ایک بولا۔" پہلے اس کی تلاشی لو۔"

دونوں نے مل کر احمد کی تلاشی لی مگر اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ اپنا اطمینان کرنے کے بعد انہوں نے احمد سے کہا۔

"اب آگے چلو۔"

احمد چل دیا۔ وہ ابھی تک نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ اس طرح اس کو گرفتار کرنے والا کون تھا۔ آخر وہ کاٹج تک پہنچ گئے۔ شاید کوئی آتے ان کو دیکھ چکا تھا۔ ان کے آتے ہی دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والے کو دیکھ احمد حیران رہ گیا۔

"وہ زیب کا شوہر باری تھا۔"

"احمد حیرت سے بولا "باری تم۔

"ہاں میں۔" باری نے خشک لہجے میں کہا۔ پھر اس کو پکڑ کر لانے والوں سے بولا۔

"اس کو اندر لے جاؤ۔"

"وہ احمد کو دونوں طرف سے پکڑے اندر داخل ہوئے باری بولا۔

"یہ خطرناک آدمی ہے۔ دوسرے کمرے میں رسی سے اس کو کرسی سے باندھ دو۔"

احمد اب سمجھ چکا تھا کہ اس کو پکڑ کر کیوں لایا گیا ہے۔ اس نے باری کو باتوں میں لگانے کے لیے کہا۔

"کیا مجھے باندھنا ضروری ہے باری۔ ہم لوگ دوستانہ ماحول میں بھی بات کر سکتے ہیں۔"

"تم دوست نہیں ہو سکتے۔" باری نے لاپروائی

سے کہا۔ ''اس کو باندھ دو۔''
فوراً ہی ایک شخص اندر سے رسی لے آیا اور دو ریوالور اس کو نشانہ بنائے ہوئے تھے۔ اس لیے احمد جانتا تھا کہ مقابلہ کرنا بیکار ہے۔ وہ لوگ اس کو کرسی سے باندھنے لگے تو احمد نے باری سے کہا۔
''کیا تم لوگ زین کو بھی یہیں لائے تھے۔''
زین کون؟''
''پہلا پرائیویٹ جاسوس جس نے نیئر کا پتا چلایا تھا۔''
''ہمیں اس کے بارے میں معلوم نہیں۔''
''کیا تمہیں اپنی بیوی سے بہت محبت ہے باری؟''
''باری نے ایک موٹی سی گالی دے کر کہا۔'' میں اس چڑیل پر تھوکنا بھی نہیں چاہتا۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں نے خود اس کو چھوڑا ہے۔''
''پھر تم اس کا پیچھا کیوں کر رہے ہو۔''
''یہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔''
''میں۔'' احمد نے حیرت کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔
''ہاں تم۔''
وہ لوگ اس کو کرسی سے اچھی طرح باندھ کر جا چکے تو باری اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور بولا۔
''اب تم مجھے بتاؤ گے۔''
''کیا بتاؤں گا۔''
''یہی کہ نیئر اور زیب کہاں ہیں۔''
''مجھے کیا معلوم۔''
باری نے اچانک الٹے ہاتھ کا طمانچہ اس کے منہ پر مار کر کہا۔ ''مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو۔ مجھے معلوم ہے نیئر اور زیب کل تمہارے ساتھ گئے تھے۔''
''نہیں وہ میرے ساتھ نہیں گئے۔ میں ایک ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ میں بھلا ان کو کہاں لے جا کر رکھتا۔''
''دیکھو احمد باری نے آہستہ سے کہا۔'' یا تو بتا دو تم نے ان دونوں کو کہاں چھپایا ہے ورنہ میرے یہ ساتھی ایک ایک ہڈی توڑ کر سرمہ بنا دیں گے۔''
احمد نے کہا۔ ''جب تم زیب کو خود چھوڑ چکے ہو تو اب اس کے بارے میں جاننے کے لیے کیوں بے چین ہو۔''
''تم اس کی وجہ جانتے ہو؟''
''میں کچھ نہیں جانتا میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میری دلچسپی صرف یہ ہے کہ میں نیئر کو اس کے باپ کے پاس لے جاؤں۔''
''تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم جانتے نیئر کے پاس چار کلو کوکین ہے اسی لیے تم دونوں کو کل لے گئے ہو۔''
''کم از کم وہ کوکین نیئر کے سامان میں نہیں۔''
''تو ہم اس سے معلوم کر لیں گے۔ تم اس کا پتا بتا دو۔''
''اچھا مجھے کھول دو۔ میں تمہیں نیئر کے پاس لے چلتا ہوں۔''
''نہیں تم پتا بتا دو ہم خود اس کو یہاں لے آئیں گے۔''
''یہ مجھے بھی پتا نہیں۔ میرا ایک دوست ان کے کو لے گیا تھا۔ میں اپنے اس دوست کے......''
''اس کا جملہ ختم ہونے سے پہلے ہی باری نے ایک گھونسا اس کے منہ پر مارا پھر پلٹ کر اپنے ساتھیوں سے بولا۔
''اس طرح زبان نہیں کھولے گا تم اس کو ذرا پلپلا کر دو۔''
دونوں غنڈوں نے دانت نکالے۔ ہونٹوں پر زبان پھیری اا اور احمد کی جانب بڑھنے لگے۔

☆☆☆

اپنی زندگی میں احمد کئی بار ان حالات سے گزرا تھا اس لیے اس نے خود کو دانت بھینچ کر مار کھانے کے لیے تیار کر لیا۔ دنوں غنڈے آگے بڑھے اور انہوں نے احمد پر گھونسوں کی بارش کر دی۔ زیادہ تر وہ گھونسے اس کے پیٹ پر مار رہے تھے۔ ہر گھونسے پر احمد کے

سارے جسم میں درد کی لہریں دوڑ جاتیں ہر تھوڑی دیر کے بعد وہ رک کر پوچھتے۔

"بتاؤ نیئر اور زیب کہاں ہیں؟"

"احمد کوئی جواب نہ دیتا تو وہ پھر گھونسوں کی بارش کر دیتے۔ آخر تکلیف اتنی بڑھی کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اور پھر اسے ہوش نہیں رہا کہ کیا ہوا۔"

نہ جانے کتنی دیر بعد اسے ایسا لگا جیسے وہ دریا میں غوطے کھا رہا ہو اور ڈوبنے والا ہو۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو باری اس کے سامنے کھڑا تھا اس کے ہاتھ میں پانی کی بالٹی تھی اور احمد سارا پانی میں بھیگا ہوا تھا۔

احمد کے سارے جسم میں ابھی درد کی لہریں دوڑ رہی تھیں اس کو مارنے والے دونوں آدمی کمرے میں نہیں تھے۔ اس کو آنکھیں کھولتے دیکھ کر باری بولا۔

"کچھ ہوش ٹھکانے آئے یا نہیں؟"

"آ گئے۔" احمد ہانپتے ہوئے بولا۔

"تو اب بتانے کو تیار ہو؟"

"نہیں۔"

باری نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔ "تم خود کو بہت سخت جان سمجھتے ہو مگر میرے دوست ہر آدمی کی قوت برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" احمد بولا۔

"کیوں اپنی مرمت کرا رہے ہو اس کا پتا دو تمہیں چھوڑ دوں گا۔"

"تکلیف دھیرے دھیرے کم ہو رہی تھی۔ احمد کا ذہن پھر کام کرنے لگا تھا وہ سوچ رہا تھا۔

کیا کوئی مجھے یہاں بچانے آ سکتا ہے؟ جاوید ایئرپورٹ سے ہوٹل پہنچ چکا ہوا اور میرا انتظار کر رہا ہو گا، انسپکٹر شاہ مجھے فون کرے گا تو صرف یہ پتا چل سکے گا کہ میں کمرے میں نہیں۔ ہو سکتا ہے شاہ اور جاوید بھی ایک دوسرے سے مل لیں۔ رات کو اگر میں ہوٹل نہ پہنچا تو شاہ اور جاوید سمجھ لیں گے کہ میں کہیں پھنس گیا ہوں۔ ورنہ میں رات کو غائب نہیں رہ سکتا تھا۔ شاہ کو معلوم ہے کہ زین قتل ہو چکا ہے۔ اس لیے وہ مجھے تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔

لیکن یہ سب کچھ کل سے پہلے نہیں ہو سکتا اس کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ وہ مجھے تلاش کر پاتے ہیں یا نہیں پتا نہیں اس سازش میں کون کون شریک ہے۔ باری نے اس کو اپنے طور پر اغوا کرایا ہے یا اس میں اکبر اور سلمہ بھی شامل ہیں۔ انسپکٹر شاہ، باری اکبر اور سلمہ کے بارے میں جانتا ہے میرے غائب ہونے کے بعد وہ ان ہی سے پوچھ گچھ کرے گا۔ اب اگر اکبر اور سلمہ کو یہ معلوم ہے کہ باری مجھ کو اغوا کر کے کہاں لے گیا ہے تو سو میں سے دس فیصد چانس ہیں کہ شاہ یہاں تک پہنچ جائے اور اگر اکبر اور سلمہ کو بھی باری کے اس پروگرام کا پتا نہیں تو پھر میرا خدا حافظ ہے۔

حالات زیادہ امید افزا نہیں تھے۔ پھر بھی احمد نے فیصلہ کیا کہ مجھے کل تک ان کو روکے رکھنا ہو گا۔ شاید کوئی مدد آ جائے۔

دوسرے اسے یہ بھی یقین نہیں تھا کہ نیئر کا پتا معلوم کر کے بھی باری اس کو چھوڑ دے گا۔ اگر زین کو بھی باری نے ہی قتل کیا ہے تو وہ اسے بھی قتل کر سکتا تھا۔ یہ ساری باتیں سوچ کر احمد نے زبان بند رکھنے کا ہی فیصلہ کیا تھا۔

باری نے اس کو خاموش دیکھ کر کہا۔ "دیکھو احمد مجھے تم سے کوئی دشمنی نہیں مجھے نیئر سے بھی دشمنی نہیں ہے میں صرف وہ چار کلو کوکین چاہتا ہوں اس کے بعد میرے حساب سے تم سب جہنم میں جا سکتے ہو۔"

"تم احمق ہو۔" احمد نے اس کا باتوں میں الجھائے رکھنے کے لیے کہا۔ "وہ کوکین تمہیں نہیں مل سکتی۔"

"کیوں نہیں مل سکتی؟"

"اس لیے کہ نیئر کے پاس کوکین نہیں ہے۔"

"تم احمق ہو۔ نیئر کے پاس کوکین ہے۔ مجھے آج ہی پتا چلا ہے۔ ماجد کوکین اپنے ساتھ نہیں لایا تھا وہ کوکین کے پیکٹ گنگٹوک میں ہی چھوڑ آیا تھا تاکہ نیئر وہ پیکٹ لے آئے۔"

"تم بھی عجیب آدمی ہو۔" احمد نے تکلیف پر قابو پاتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی اور کہا۔ "تم نے ہی مجھے بتایا تھا کہ نیّر اور ماجد ایک ساتھ آرہے تھے۔ راستے میں نیّر نے گولی مار کر اسے ہلاک کر دیا اور اب تم ہی کہہ رہے ہو۔ نیّر گنگٹوک میں رہ گیا تھا۔"

"وہ ماجد کو قتل کر کے پیکٹ واپس لے گیا ہوگا؟"

"پھر وہ احمق تھا۔ اسے وہ پیکٹ یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی وہ گنگٹوک سے سیدھا اپنے ملک جاسکتا تھا۔"

"یہاں زیب جو تھی۔ وہ تو رومیو بنا ہوا ہے اپنی جولیٹ چھوڑ کر کہاں جاسکتا تھا۔ زیب کا ذکر کرتے ہوئے باری کے لہجے میں سختی آجاتی تھی اس لیے احمد نے سوچا کہ اسے اپنی بیوی سے اب بھی محبت ہے یا پھر اس کو مردانگی کا غرور ٹوٹنے کا دکھ ہے احمد وقت چاہتا تھا تاکہ دوسری بار پٹنے کے لیے خود کو تیار کر سکے۔ اس نے کہا۔

"زیب کو وہ خط لکھ کر بلا بھی سکتا تھا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ان دونوں کے پاس کوکین نہیں۔"

"اچھا نہ سہی تم مجھے ان کا پتا بتادو۔"

"تم کیا کرو گے؟"

"تمہیں اس سے کیا غرض۔"

"غرض ہے۔ میں نیّر کے باپ سے وعدہ کر کے آیا ہوں کہ نیّر کو میں زندہ واپس لے کر آؤں گا۔ نیّر تمہاری ہاتھوں میں آگیا تو تم اسے قتل کر دو گے کیونکہ تم اس سے نفرت کرتے ہو۔ اس نے تم سے تمہاری بیوی جو چھین لی ہے۔"

احمد نے پھر باری کی دکھتی ہوئی رگ چھو دی تھی۔ وہ غصے سے چلا کر بولا۔

"اس نے مجھ سے زیب کو نہیں چھینا احمق آدمی میں نے اس چڑیل کو خود چھوڑا ہے۔"

"تو پھر اتنا جلتے کیوں ہو۔" جوتی پاؤں سے اتار کر پھینک دی جاتی ہے تو آدمی کو دیکھ کر دکھ نہیں ہوتا کہ جوتی کو کوئی فقیر پہن گیا ہے یا کوڑے پر گل سڑ رہی ہے۔"

"یہ بکواس بند کر۔" باری مٹھیاں کس کر بولا۔ "مجھے بتا نیّر کہاں ہے۔"

"میں نہیں بتاؤں گا۔"

"نہیں بتائے گا!" وہ گالی دے کر بولا۔

"کبھی نہیں۔"

"آل رائٹ لگتا ہے ابھی تیری عقل ٹھکانے نہیں آئی ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے زور سے پکارا۔ "جونگا، راجو، لاما یہاں آؤ۔"

"آیا باس،" کاٹج کے کسی حصے سے آواز آئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہی تینوں شخص شراب کے گلاس ہاتھوں میں لیے کمرے میں داخل ہوئے۔ احمد کو ہوش میں دیکھ کر ایک بولا۔

"اس کو پھر ہوش آگیا۔"

"ہوش تو آگیا۔" باری نے جواب دیا۔ "مگر عقل ابھی نہیں آئی۔"

"کوئی بات نہیں۔ وہ ہم اس کے بھیجے میں بھر دیں گے۔"

"اس بار تم نے کافی نرمی سے کام لیا ہے۔ یہ اس طرح باز آنے والا نہیں۔"

"آل رائٹ باس، اس بار ہم سچ مچ اس کے بھیجے میں عقل بھر دیں گے۔"

"تو پھر تم اپنا کام کرو۔ میں چلتا ہوں۔"

"باس......" ان میں سے ایک لہرا کر بولا۔ "اگر اس کی دو چار ہڈیاں ٹوٹ جائیں تو چلے گا۔"

"بالکل چلے گا۔ دو چار کیا تم ساری ہڈیاں توڑ دو۔ بس یہ ایک بار زبان کھول دے۔ اس کے بعد مر بھی جائے تو مجھے پرواہ نہیں۔"

"آل رائٹ باس،" تینوں نے ایک ساتھ ایک زبان ہو کر کہا۔ تینوں نے اپنے گلاس خالی کر کے ایک طرف رکھے اور ایک ساتھ بھوتوں کی طرح احمد کی طرف بڑھے۔

اسی وقت ایک معجزہ رونما ہو گیا۔ اچانک ایک آواز نے کہا۔

"پلیز...... ذرا زیادہ زور سے گھونسے نہ مارنا بچہ ہے مر جائے گا۔"

احمد نے چونک کر دیکھا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دروازے میں جاوید کھڑا تھا۔

☆☆☆

چند لمحوں کے لیے کمرے میں جیسے ہر چیز جم کر رہ گئی تھی باری اور اس کے ساتھی حیرت سے جاوید کو تکتے رہ گئے تھے خاص طور پر اس کے ہاتھ کو جس میں ریوالور تھا۔ پھر سب سے پہلے جاوید نے ہی ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے امید ہے آپ لوگ اس ہتھیار کو پہنچاتے ہوں گے جو میرے ہاتھ میں ہے۔ یہ انسانوں کی کھوپڑیوں میں روشن دان بنانے کا آلہ ہے اگر آپ لوگوں میں سے کسی نے ذرا سی بھی حرکت کی تو سب کے بھیجے ابھی فرش پر پڑے ہوں گے۔"

"کون ہو تم۔" باری نے مری ہوئی آواز میں سوال کیا؟

"یہ شخص جو کرسی پر بندھا ہوا ہے میرا رقیب روسیاہ ہے۔ اب تک یہ میری گیارہ محبوبائیں چرا چکا ہے اور میں نے اپنے کسی رقیب کو اس طرح باندھ کر نہیں مارا نہ ہی میں کسی رقیب کو مرتے ہوئے دیکھنا پسند کرتا ہوں کیوں کہ بغیر رقیب عشق کرنے کا مزا نہیں آتا۔"

"کیا تم پاگل ہو۔" باری جھلا کر بولا۔

"آدھا...... پورا نہیں...... ہاف میڈ انگریزی میں۔ اب آپ لوگ مہربانی کر کے دائیں جانب والی دیوار کی طرف منہ کر کے دیوار پر دونوں ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو جائیے جلدی کیجیے ورنہ میں بتا چکا ہوں۔ میں ہاف میڈ ہوں میری انگلیاں ٹریگر دبانے کو بے چین ہیں۔"

ان چاروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ لیکن وہ خالی ہاتھ تھے اور ریوالور ان پر تنا ہوا تھا۔ آخری باری نے کندھے اچکا کر کہا۔

"آل رائٹ۔ اس کی بات مان لو۔"

وہ چاروں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے تو سب سے پہلے پیچھے سے جاوید نے ایک ایک کی تلاشی لی۔ ان میں سے کسی کے پاس ہتھیار نہیں تھا ان کے کوٹ ایک دوسرے کمرے میں تھے۔ جن میں ریوالور تھے ان لوگوں کو یقین تھا کہ وہاں تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے مطمئن تھے۔

ان سب کی تلاشی لینے کے بعد جاوید نے احمد کی رسیاں کھولتے ہوئے کہا۔

"تمہیں لاکھ بار سمجھایا کہ غلط لوگوں میں مت بیٹھا کرو۔ پتا نہیں تمہیں کب عقل آئے گی۔"

"میں غلط لوگوں میں بیٹھا نہیں کھڑا تھا۔" احمد نے اپنی کلائیوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔ "مگر تم اس وقت فلمی ہیرو کی طرح اچانک کہاں سے آ گئے۔ تمہیں اس جگہ کے بارے میں کیسے معلوم ہوا۔"

"میں شروع سے ہی تمہارے ساتھ تھا۔"

"شروع سے میرے ساتھ تھا۔" احمد حیرت سے بولا۔ "مگر تمہاری فلائٹ تو گیارہ بجے آئی ہوگی۔"

"ٹھیک گیارہ بجے کسٹم پر دیر نہیں لگی۔ میں ٹیکسی لے کر ہوٹل پہنچا۔ ٹیکسی سے اترنے ہی والا تھا کہ میری نظر تم پر پڑ گئی۔ ان دونوں کو تمہارے دائیں بائیں دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا جب دو آدمی میرے دائیں بائیں کھڑے ہوئے ہوں تو میں خود کو سینڈوچ محسوس کرنے لگتا ہوں۔ پھر تمہارے چہرے پر جو تاثرات اس وقت تھے ان سے بھی پتا چلا چل گیا تھا کہ آپ کو کوئی کڑوی گولی کھانے کو کہا جا رہا ہے۔ میں نے ٹیکسی والے کے ہاتھ پر سو کا نوٹ رکھا اور اس سے کہا کہ وہ دور رہ کر اس کار کا پیچھا کرے جس میں وہ تمہیں بٹھا کر لائے تھے۔

"ہم نے دونوں گاڑیوں کے درمیان کافی فاصلہ رکھا تھا اور یہ لوگ...... اوور کانفیڈنس تھے انہیں خیال بھی نہیں تھا کہ کوئی ان کا پیچھا کر سکتا ہے جب ان

کی کار میں روڈ سے چھوٹی سڑک پر گھومی تو مجھے یقین ہو گیا یہیں کہیں ان کا کوئی ٹھکانا ہے اس لیے میں نے ٹیکسی کو وہیں چھوڑ دیا۔ اور پیدل چلتا ہوا یہاں تک پہنچ گیا۔ دیکھ لیے جانے کے ڈر سے مجھے کافی لمبا چکر کاٹ کر اس کالج کے پیچھے تک آنا پڑا۔''

''تھینکس گاڈ۔'' احمد بولا۔ ''میں تو سمجھ چکا تھا یہ لوگ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے اور کہیں سے امداد آنے کی بھی توقع نہیں تھی۔''

''یہ کون لوگ ہیں؟''

''نیئر جس عورت کو لے کر بھاگا تھا یہ شخص باری اس عورت کا شوہر ہے اور باقی تینوں کرائے کے غنڈے ہیں۔''

''تو پھر اب تم ان کا کیا کرنا چاہتے ہو۔ کہو تو ہم ان کو اسی کالج میں بند کر کے آگے لگا دیتے ہیں۔'' آگ کا ذکر سن کر وہ چاروں ایک ساتھ چلائے۔ ''نہیں نہیں خدا کے لیے ایسا مت کرنا۔''

''تم بھی تو میرے دوست کو قتل کرنے والے تھے۔''

''نہیں۔'' باری بولا۔ ''میر ارادہ ان کو قتل کرنے کا نہیں تھا میں تو ان سے صرف اپنی بیوی کا پتا پوچھ رہا تھا۔''

احمد باری کے سامنے جا کر کھڑا ہوا اور بولا۔ ''باری یہ آدمی تمہارے ساتھ کون ہیں؟''

''میرے دوست ہیں۔''

''مجھے پکڑ کر لانے کے لیے تم نے ان کو روپے دیے تھے کیا؟''

''نہیں۔''

''احمد نے جواب میں اس کے منہ پر گھونسا مارا وہ گھونسے کے زور سے دیوار سے ٹکرا کر گرا۔ احمد نے نیچے بیٹھ کر اس کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔ اندر کی جیب میں سو سو کے نوٹوں کی ایک گڈی تھی۔ اس نے نوٹ نکال کر اسے دکھاتے ہوئے کہا۔

''باری تم نیپال میں ماجد کی نوکری کرتے تھے۔ پھر تمہارے پاس اتنے سارے روپے کہاں سے آئے بتاؤ۔''

''تم کس کے لیے کام کر رہے ہو۔''

''میں کسی کے لیے کام نہیں کر رہا۔'' باری منہ سہلاتے ہوئے بولا۔ میں اپنے لیے وہ کوکین چاہتا تھا۔''

''پھر یہ روپے کہاں سے آئے؟''

''روپے میں نے ایک صاحب سے ادھار لیے تھے۔''

احمد نے دوسرا گھونسا اس کے منہ پر مارا۔ ''سچ سچ بولو ورنہ میں ریوالور کے دستے سے تمہارے سارے دانت توڑ دوں گا۔''

''باری خوف زدہ ہو گیا تھا اس نے جلدی سے کہا۔ ''یہ روپے مجھے سلمہ نے دیے تھے۔''

''تو سلمہ بھی یہ سمجھتی ہے کہ نیئر کے پاس کوکین ہے۔''

''ہاں وہ...... ماجد کا مال تھا۔ ماجد کے مرنے کے بعد سلمہ اس کی مالک ہے۔''

''اچھا...... بتاؤ تم نے اور سلمہ نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا ہے۔''

''کون سا جھوٹ۔''

''تم دونوں نے کہا تھا کہ ماجد کو نیئر نے گولی مار کر قتل کیا ہے بلکہ پولیس کی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں ایسی کوئی بات نہیں لکھی۔''

''ہم یہ نہیں چاہتے تھے کہ تم نیئر کو لے کر جاؤ، ہم نے سوچا اس طرح کہ نیئر کو قاتل سمجھ کر چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔''

یہ بات سمجھ میں آئی تھی اس لیے احمد نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''فی الحال یہ لوگ ہمارے لیے بیکار ہیں۔ اس لیے ہم ان کو باندھ کر یہیں چھوڑ جاتے ہیں۔ مجھے امید ہے جلد یا بدیر سلمہ اکبر ان کی تلاش میں ضرور آئیں گے۔''

''فیصلہ تمہیں ہی کرنا ہے۔'' جاوید بولا۔ ''میں تو ان لنگور کے بچوں سے پہلی بار مل رہا ہوں۔''

''ان کے بارے میں میں تمہیں ہوٹل چل کر

تفصیل سے بتاؤں گا۔“

”تم ان کو پولیس کے حوالے کیوں نہیں کر دیتے ۔“ جاوید نے مشورہ دیا۔

”میں اپنی لڑائی خود لڑنا چاہتا ہوں۔ تم ان کو ذرا سنبھالوں میں دوسرے کمرے میں دیکھتا ہوں۔ کیا ہے؟“

”یہ کہہ کر احمد کاٹج کی تلاشی لینے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک رسی اور چاقو لے کر آیا۔ اس نے رسیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکرے کاٹتے ہوئے کہا۔

”ہم ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر یہیں چھوڑ جاتے ہیں۔ کاٹج میں کوئی رہتا نہیں شاید ماجد اس جگہ اپنا مال چھپا کر رکھتا ہو۔“

رسیوں کے ٹکڑے کر کے دونوں نے ان چاروں کے ہاتھ پیچھے کی طرف باندھ دیے پھر ان کے پاؤں بھی باندھ دیے اور چاروں کو کاٹج کے الگ الگ کمروں میں دروازوں یا لکڑی کے ستونوں سے باندھ دیا تا کہ وہ ایک دوسرے کی رسیاں نہ کھول سکیں۔ اس سے فارغ ہو کر جاوید نے پوچھا۔

”اب کیا پروگرام ہے؟“

”تمہاری ٹیکسی ہوگی؟“

”ہونی چاہیے ٹیکسی والے کو میں نے سو روپے دینے کا وعدہ کیا تھا میری اٹیچی بھی ٹیکسی میں ہی ہے۔“

”بس تو چلو، چلتے ہیں۔“

”کاٹیج کا تالا بھی وہیں رکھا تھا۔ احمد نے باہر آ کر تالا بھی لگا دیا اور چابی پتھروں میں پھینک دی۔ پھر دونوں وہاں سے چل دیے۔

”اب تم تفصیل سے سارے حالات بتاؤ، جاوید نے کہا۔

احمد ساتھ چلتے ہوئے جاوید کو تفصیل سے حالات بتانے لگا۔

☆☆☆

احمد کے ذہن میں جو اسکیم تھی اس کے مطابق وہ نہیں چاہتا تھا کہ نیپال میں کوئی اس کے اور جاوید کے تعلقات کو جانے لیکن اب ماجد اور اس کے ساتھی جاوید کو دیکھ چکے تھے اس لیے واپسی پر اس نے جاوید کو ایک اور ہوٹل میں فرضی نام سے ٹھہرا دیا اور اس سے کہہ دیا کہ وہ میک اپ کر کے اپنا حلیہ بدل دے اس کو ہوٹل چھوڑ کر وہ اپنے ہوٹل میں آیا۔ چابی لے کر چلنے لگا تو ٹیلی فون آپریٹر نے کہا۔

”مسٹر احمد آپ کے دو فون آ چکے ہیں۔“

”کوئی صاحب مسٹر شاہ تھے انہوں نے کہا ہے کہ آپ آئیں تو انہیں فون کر لیں۔“

”او کے تھینک یو۔“

”اپنے میں آ کر احمد نے شاہ کو فون کیا۔ اس کی آواز سن کر شاہ بولا۔

”آپ کہاں غائب ہو گئے تھے مسٹر احمد۔“

”مجھے اغوا کر لیا گیا تھا۔“

”اغوا کر لیا گیا تھا۔“ شاہ حیرت سے بولا۔

”جی ہاں، آپ سے میں فوراً ملنا چاہتا ہوں۔“

”میں خود آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ پاسپورٹ کیلئے مجھے ان دونوں کے فوٹوؤں کی ضرورت تھی۔“

”سوری میں وہ بھول ہی گیا۔“

”خیر کوئی بات نہیں۔ میں ان دونوں کے فوٹو بنا لیے پاسپورٹ کل تیار ہو کر آ جائیں گے۔“

”تھینکس مسٹر شاہ۔“

کیا اس وقت آپ سے ملاقات ہو سکتی ہے۔

”ہاں، کیوں نہیں، کہیے تو میں آ جاتا ہوں۔“

”تو آپ آ جایے۔ میں اب پورا پلان تفصیل سے بتانا چاہتا ہوں۔“

”بہت اچھا۔ میں آ رہا ہوں۔“

احمد نے فون رکھ دیا اور شاہ کا انتظار کرنے لگا۔

آدھے گھنٹے بعد شاہ آ گیا احمد نے اس کو تفصیل سے اپنا پلان بتایا پلان سن کر شاہ نے کہا۔

”تجویز بہت اچھی ہے مسٹر احمد، میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں۔“

”بس تو ٹھیک ہے۔ اب آپ بھی جا کر تیاری کیجیے۔ میں کل صبح پولیس انسپکٹر سے اجازت لے کر نیپال سے سے چلا جاؤں گا۔ اس کے بعد یہاں

کا کام آپ اور جاوید سنبھال گے۔"
"اس کی آپ فکر نہ کریں۔"
"یہ کہہ کر شاہ واپس چلا گیا۔"
شاہ کے جانے بعد احمد نے فون اٹھا کر ریتا کے کمرے کا فون مانگا۔ کنکشن مل گیا تو ریتا کی آواز سنائی دی۔
"میں احمد بول رہا ہوں مس ریتا۔"
"ارے احمد جی۔ اچانک آپ نے کیسے یاد کرلیا۔"
"میں کل واپس جا رہا ہوں۔ سوچا آپ سے ملاقات کرلوں۔ اس وقت آپ کیا کر رہی ہیں۔"
"کچھ بھی نہیں۔"
"تو آیئے ایک ایک کپ چائے پیتے ہیں۔"
"کہاں آؤ؟"
"ہوٹل کے کافی ہاؤس میں آجایئے۔"
"اچھی بات ہے۔ میں پندرہ منٹ میں وہاں پہنچ رہی ہوں۔"
احمد نے فون رکھ دیا اور کمرہ بند کر کے کافی ہاؤس میں آگیا۔ وعدے کے مطابق پندرہ منٹ میں ریتا آگئی۔ احمد نے پہلے ہی دو کافی کا آرڈر دے دیا تھا۔ کافی آگئی تو ریتا نے پوچھا۔
"کیا آپ ڈائریکٹ وطن جا رہے ہیں یا دارجلنگ ہو کر جانے کا ارادہ ہے۔"
"مجھے ڈائریکٹ ہی جانا پڑ رہا ہے لیکن مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔"
"میری مدد کی ضرورت ہے۔" ریتا حیرت سے بولی۔ "میں غریب اور کمزور عورت آپ کی کیا مدد کرسکتی ہوں۔"
"نہ آپ غریب ہیں۔ نہ کمزور۔" احمد نے ہنس کر کہا غریب اس لیے نہیں کہ آپ خوب صورت ہیں اور کمزور اس لیے نہیں قوت ارادی مضبوط ہے۔"
"تعریف کا شکریہ، آپ کام بتایئے۔"
"آپ کہہ رہی تھیں۔ دارجلنگ میں آپ کی کوئی بہن رہتی ہیں۔"
"جی ہاں۔"
"آپ کی بہن کا مکان چھوٹا ہے یا بڑا۔"
"کیوں...... آپ یہ سوال کیوں پوچھ رہے ہیں۔"
"دارجلنگ میں مجھے ایک رات کے لیئے ایک کمرے کی ضرورت ہے۔"
"کیا آپ دارجلنگ جا رہے ہیں۔"
"میں نہیں میرے ایک دوست کو ضرورت ہے اس کی بیوی ساتھ ہے۔ وہ لوگ کام سے دارجلنگ جا رہے ہیں۔"
"میری بہن کے پاس بہت بڑا مکان ہے۔ اس کے پاس کوئی بچہ نہیں۔ ایک کیا آپ کو چار کمرے وہاں مل سکتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ سیزن میں میری بہن مکان کے آدھے کمرے کرائے پر دے دیتی ہے۔"
"پھر تو میرا دوست کرایہ ادا کر دے گا۔"
"جی نہیں، اگر وہ آپ کا دوست ہے تو میرا بھی دوست ہے اس لیے کرائے کی بات نہیں چلے گی۔ میں بہن کے نام آپ کو ایک خط لکھ کر دے دوں گی۔ وہ آپ اپنے دوست کو دے دیجیے۔"
"دھینکس ریتا جی۔"
"کب جائیں گے آپ کے دوست۔"
"کل غالباً پرسوں تک دارجلنگ پہنچ جائیں گے۔"
"بس تو ٹھیک ہے میں ابھی کمرے پر چل کر آپ کو خط لکھ دوں گی۔ آپ جس کام کو آئے تھے۔ اس میں کچھ کامیابی ہوئی۔"
"ابھی تو نہیں مگر مجھے یقین ہے میں بہت جلد مسٹر جوہر کے لڑکے کو تلاش کرلوں گا۔"
"اب آپ بتایئے آپ وطن کب واپس آرہی ہیں۔"
ریتا مسکرا کر بولی۔ "اگر آپ مسٹر جوہر کے دفتر میں دوبارہ ملازمت دلانے کا وعدہ کریں تو میں آپ کے ساتھ ہی چل سکتی ہوں۔"
"نوکری تو آپ کو یقیناً مل جائے گی۔ لیکن

مسٹر جوہر ابھی تک اسپتال میں ہیں۔"
"اوہ ہاں، میں تو بھول ہی گئی۔ کیا آپ نے وہاں فون کیا تھا؟"
"جی ہاں کیا تھا۔"
"مسٹر جوہر کیا ابھی تک خطرے میں ہیں؟"
"خطرے سے تو وہ نکل چکے ہیں۔ مگر آپ جانتی ہیں دل کا معاملہ بھی ایسا ہوتا ہے۔ ابھی تک ڈاکٹر نے ان سے ملنے پر پابندی لگا رکھی ہے۔"
"اس کا مطلب ہے وہ ابھی کم از کم ایک ماہ اور اسپتال رہیں گے۔"
"حالات سے تو یہی پتا چلتا ہے مگر مجھے امید ہے دو چار دن میں ان کو پرائیویٹ روم میں ٹرانسفر کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد ان سے کم از کم ملاقات کی جاسکے گی۔"
"میں واپس پہنچتے ہی ان سے آپ کا ذکر کروں گا۔"
"پھر بھی آپ کے ساتھ ہی چلتی ہوں۔ کل سے میں سوچ رہی ہوں کہ دارجلنگ جا کر کیا کروں گی۔ اگر مجھے پہلی والی سروس مل گئی تو گرمیوں میں بہن سے مل آؤں گی۔"
"جیسے آپ چاہیں۔ مگر میرے ساتھ چل کر آپ رہیں گی کہاں۔"
ریتا نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "کیا کچھ روز کے لیے آپ کے فلیٹ میں جگہ نہیں مل سکتی۔"
"مجھے تو اعتراض نہیں۔ لیکن اگر آپ کو اسی بلڈنگ میں رہنا پڑا تو لوگ آپ کے بارے میں کیا سوچیں گے؟"
"آپ مجھے ڈرا رہے ہیں۔" ریتا ہنس کر بولی۔
احمد نے مسکرا کر کہا۔ "میں احمق ہوں۔ آپ کو ڈرا کر اپنا ہی نقصان کر رہا ہوں۔"
"اچھی بات ہے۔ میں کچھ روز کسی ہوٹل میں یا کسی سہیلی کے گھر پر رہ لوں گی کیا آپ کل یقینی طور پر جا رہے ہیں؟"
"جی ہاں۔"
"تو میں بھی آج ہی جہاز کی سیٹ ریزرو کرائے لیتی ہوں۔"
"کرا لیجیے۔ کم از کم ایک خوب صورت ہم سفر تو ملے گا۔"
"آپ سچ مچ مسافر ہیں۔ چلتے رہنے والے کبھی کسی ہم سفر کے ساتھ زیادہ دیر نہیں رہتے۔"
"آپ تو شاعری کرنے لگیں۔ احمد نے اپنی کافی ختم کرتے ہوئے کہا۔ "چلیے آپ اپنی بہن کے نام مجھے خط لکھ دے دیں۔"
"چلیے میں تیار ہوں۔"
"یہ کہہ ریتا اٹھ کھڑی ہوئی۔"

☆☆☆

دوسرے دن احمد پولیس انسپکٹر سے اجازت لے کر کھٹمنڈو سے چلا گیا۔ ریتا نے بھی اپنی سیٹ ریزرو کرا لی تھی۔ اس لیے وہ بھی ساتھ چلی گئی۔ احمد جانے سے پہلے نیئر سے مل کر بتا دیا تھا کہ پولیس کو چونکہ اس پر شک ہے اس لیے وہ اکیلا دارالحکومت جا رہا ہے۔ نیئر کے سرحد پار کرنے کا بندوبست اس نے کر دیا ہے جس کار میں وہ سرحد پار کریں گے اس کا ڈرائیور بھروسے کا آدمی ہے۔
اسی روز جاوید کار لے کر دوپہر کو نیئر اور زیب کو سرحد پار لے جانے کے لیے پہنچ گیا۔ جاوید نے چہرے پر لمبی لمبی مونچھیں لگا رکھی تھیں ایک آنکھ دوسری سے چھوٹی کر لی تھی اور گال پر بڑا سا مسہ لگا رکھا تھا۔ اب اسے کوئی نہیں پہچان سکتا تھا۔
انسپکٹر شاہ نے بھی پروگرام کے مطابق ساری تیاریاں کر لی تھیں سرحد کے پار دارجلنگ کی ایف بی آئی برانچ سے ٹرانسمیٹر پر بات کر کے بتا دیا تھا کہ ان کو کیا کرنا ہے۔
زیب اور نیئر نے انسپکٹر شاہ کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کیا۔ دونوں اٹیچیاں نیئر کے ہاتھ میں تھیں۔ جاوید نے نیئر سے کہا۔

”لایئے اٹیچیاں مجھے دے دیجیے میں ڈگی میں رکھ دوں۔“

نیئر نے ایک اٹیچی جاوید کو دے کر کہا۔”لو یہ اٹیچی اپنی ڈگی میں رکھ دو۔ یہ دوسری اٹیچی میں گاڑی میں اندر ہی رکھ لوں گا۔“

”گاڑی میں اندر رکھنے کی کیا ضرورت ہے جناب۔ جاوید بولا۔“ آپ کو بیٹھنے میں تکلیف ہوگی، ڈگی کا تالا بہت مضبوط ہے۔ڈگی میں یہ محفوظ رہے گا۔“

زیب جلدی سے بولی۔”ہاں نیئر، یہ بھی ڈگی میں رکھوا دو۔“

”اچھا اچھا میں رکھ دوں گا۔“ نیئر جاوید سے بولا۔”تم چل کر ڈگی کھول کر یہ اٹیچی رکھو۔ میں اٹیچی لاتا ہوں۔“

جاوید ایک اٹیچی اٹھا کر چلا گیا۔ نیئر نے شاہ سے ہاتھ ملایا اور زیب کا بازو تھامے باہر کی جانب چل دیا۔ شاہ جان بوجھ کر پیچھے رہ گیا۔ ذرا فاصلہ ہوگیا تو نیئر نے آواز دبا کر غصے سے کہا۔

”اس اٹیچی کو ڈگی میں رکھنے کے لیے کہنے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔“

”تم احمق ہو نیئر۔ اس طرح خواہ مخواہ شبہ ہوتا کہ اس میں کوئی قیمتی چیز ہے ڈگی میں تالا ہے تو ہمیں کیا ڈر۔ ہم کار کے ساتھ تو رہیں گے ہی۔“

یہ بات نیئر کی سمجھ میں آگئی۔ جاوید ڈگی کھولے کھڑا تھا۔ ایک اٹیچی اس نے رکھ دی۔ ڈگی میں ایک گاڑی کا پہیہ اور اوزار وغیرہ بھرے ہوئے تھے ایک کمبل بھی رکھا ہوا تھا۔ نیئر نے خود اپنے ہاتھوں سے اٹیچی رکھ دی۔ جاوید نے ڈگی بند کر کے تالا لگا دیا۔ نیئر نے اپنا اطمینان کر کے دیکھ لیا کہ تالا لگ گیا ہے یا نہیں اس کے بعد وہ لوگ روانہ ہوگئے۔

رات ہوتے ہوتے وہ سرحد کے آخری قصبہ پہنچ گئے۔ احمد نے ان کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ انہیں رات کو ہی سفر کرنا ہوگا تا کہ سرحد پر چیکنگ نہ ہو سکے اس نے بتایا تھا کہ نائٹ ڈیوٹی میں ڈرائیور کا ایک جاننے والا ہے۔ اس لیے ان کی گاڑی چیکنگ کے بغیر نکل جائے گی۔ اور وہی ہوا سرحدی چوکی پر پہنچ کر جاوید نے ان دونوں کو گاڑی میں ہی بیٹھنے کو کہا اور خود اتر کر چوکی میں چلا گیا۔ دو منٹ بعد ایک سیکورٹی افسر ٹارچ لیے آیا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی اندر ڈال کر نیئر اور زیب کو دیکھا اور پھر ان کو جانے کی اجازت دے دی۔ سرحد پار کرتے ہی جاوید نے کہا۔

”بس اب ہم محفوظ ہیں۔“

”دار جلنگ اب کتنی دور ہے۔ نیئر نے پوچھا؟

”زیادہ دور نہیں۔ ہم ایک ڈیڑھ بجے تک وہاں پہنچ جائیں گے۔ رات کو آپ وہاں آرام کر سکتے ہیں۔ صبح کو جہاز سے دارالحکومت جا سکتے ہیں۔“

سرحد پار کرنے کے بعد نیئر خوش نظر آنے لگا تھا۔ لیکن گاڑی سرحد سے کوئی چار پانچ کلومیٹر ہی گئی ہوگی کہ اچانک انجن میں کچھ گڑ بڑ ہوئی اور کار رک گئی۔

”کیا ہوا۔ نیئر نے گھبرا کر پوچھا۔

”پتا نہیں، دیکھتا ہوں۔“

جاوید نے بونٹ کھولا اور انجن کو دیکھنے لگا۔ چند منٹ دیکھنے کے بعد اس نے پکارا کر کہا۔

”مسٹر نیئر ذرا یہاں آیئے۔“

”نیئر اتر کر اس کے پاس گیا۔ اور پوچھا کیا ہوا؟“

”ایک نٹ ڈھیلا ہو گیا ہے۔ کیا آپ کار کے انجن کے متعلق کچھ جانتے ہیں؟“

”نہیں۔“ نیئر نے انکار میں سر ہلایا۔

جاوید نے بیٹری کا ایک تار الگ کر رکھا تھا اس نے کہا۔”تو ذرا تار پکڑ لیے میں ٹول بکس نکال کر لاتا ہوں۔“

”ٹول بکس کہاں ہے۔“ نیئر نے پوچھا۔

”ڈگی میں۔“

”تو لایئے میں نکال لاتا ہوں۔“

”مجھے صرف ایک خاص اوزار کی ضرورت ہے آپ تار پکڑ لیے میں ایک منٹ میں نکال لاؤں گا۔

پیچھے اندھیرا ہے آپ کو نہیں ملے گا۔“
”مجبوراً نیئر نے تار پکڑ لیا اور بولا۔“ مگر ڈگی اچھی طرح بند کر دینا ایسا نہ ہو کہ کوئی اٹیچی گر پڑے۔“
”آپ فکر نہ کریں اس میں میرا بستر بھی رکھا ہے۔“
”یہ کہہ کر جاوید پیچھے آیا۔ اس نے ڈگی کھولی، کار روکتے ہوئے اس نے اس طرح روکی تھی کہ ایک بڑا پتھر کار کو بالکل چھونے لگا تھا۔ اس نے ٹول بکس نکال کر ڈگی کے اندر سے ہی ایک چھوٹی سی ٹارچ نکالی اور اس کا بٹن دبا دیا۔ ٹارچ کی روشنی اپنے آپ جلنے بجھنے لگی۔ اس کے بعد جاوید نے بڑی پھرتی سے وہ اٹیچی اٹھایا جو نیئر خود لایا تھا اور اٹیچی پتھر کے پیچھے آہستہ سے کھسکا دیا پھر اپنے کمبل کے پیچھے بالکل اسی رنگ اور اس ڈیزائن کی ایک اٹیچی رکھی تھی اس نے دوسری اٹیچی پہلی اٹیچی کی جگہ رکھ دی۔ یہ کام اس نے دو منٹ میں کر لیا اس کے بعد ٹول بکس نکال کر انجن کے پاس آیا۔ ایک اوزار نکال کر ایک نٹ کسا پھر بونٹ بند کر کے ٹول بکس لے کر پیچھے گیا۔ اس بار نیئر بھی اس کے ساتھ آیا۔ جاوید نے ڈگی بند کر دی تو اس نے پھر تالے کو چیک کیا اور اپنا اطمینان کر کے گاڑی میں آبیٹھا۔

جاوید نے انجن اسٹارٹ کیا اور پھر چل دیا۔

اس کے جانے کے پانچ منٹ بعد ہی ایک دوسری کار عین اسی جگہ آ کر رک گئی جہاں جاوید نے کار روکی تھی اس کار سے ایک شخص اترا اس نے پتھر کے پیچھے سے نیئر والی اٹیچی اٹھالی اور کار میں رکھ کر وہ لوگ واپس چلے گئے۔ ان لوگوں نے اپنی کار کی بتیاں نہیں جلا رکھی تھیں اور کار سرحدی چوکی سے اس کے پیچھے لگی تھی۔

دو بجے وہ لوگ دارجلنگ پہنچے۔ ریتا کی بہن کا پتا بہت آسان تھا۔ اس کی بہن کا نام سجاتا تھا۔ وہ لوگ پہنچے تو مکان میں روشنی تھی۔ ایک اور کار دروازے پر کھڑی تھی۔ جاوید نے کار گیٹ کے سامنے روک دی۔ تو فوراً ہی دروازہ کھلا۔ ادھیڑ عمر کی عورت نے باہر نکل کر پوچھا۔

”کیا آپ مسٹر نیئر اور زیب ہیں؟“

”جی ہاں۔“ نیئر کار سے اترتے ہوئے بولا۔

”کل مجھے ریتا نے فون کر کے بتا دیا تھا کہ آپ لوگ آج یہاں پہنچیں گے۔ میں سجاتا ہوں اور یہ میرا ہی گھر ہے آیئے اندر تشریف لایئے۔“

”آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں۔“ زیب نے حیرت سے پوچھا۔

”عجیب اور دلچسپ بات ہے ابھی ابھی میری موسی کالڑکا شیلانگ سے آیا ہے اس نے مجھے جگا دیا۔ آیئے آپ لوگ اندر آیئے۔“

زیب اور نیئر نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ جاوید کار کی ڈگی کھولنے لگا تو نیئر بولا۔

”بھائی صاحب ہمیں صبح تو جانا ہی ہے اس لیے اٹیچی ڈگی میں ہی رہنے دیجیے۔“

”یہ بھی ٹھیک ہے۔“ جاوید نے سر ہلاتے ہوئے اور کار کے دروازے بند کر کے چابی جیب میں رکھنے لگا تھا کہ نیئر کہا۔“ کار کی چابیاں مجھے دے دیجیے ایک اٹیچی میں زیب کی کچھ دوائیں ہیں جو صرف ایمرجنسی میں ہی استعمال کرنے کے لیے ہیں ہوسکتا ہے رات کو اس کی ضرورت پڑ جائے۔“

”یہ بھی ٹھیک ہے۔“ جاوید نے جواب دیا اور چابی نیئر کو دے دی۔

اندر پہنچ کر سجاتا نے پوچھا۔”کیا آپ لوگ کچھ کھائیں گے۔“

”جی نہیں۔“ نیئر بولا۔”ہم نے راستہ میں کھانا کھا لیا تھا۔ اب تو کچھ دیر آرام کرنا چاہتے ہیں۔“

”بس تو آیئے میں آپ کو آپ کا کمرہ دکھاتی ہوں۔ میں نے آپ لوگوں کے لیے بستر شام کو ہی لگا دیے تھے۔“

دروازے کے پاس ہی وہ کمرہ تھا جس میں سجاتا نے دو بستر لگا دیے تھے نیر اور زیب ان کو گڈ نائٹ کہہ کر کمرے میں چلے گئے۔ پھر دروازہ اندر سے بند کر لیا تنہائی ملنے پر نیئر بولا۔

ں گاڈ، اب ہم آزاد ہیں اور لاکھوں کا مال ہمارے قبضہ میں ہے۔"

"اب تم ان لوگوں سے پیچھا کیسے چھڑاؤ گے۔" زیب نے پوچھا۔

"پیچھا تو چھڑالیا۔" نیرّ نے مسکرا کر کہا اور جیب سے کار کی چابیاں نکال کر دکھاتے ہوئے بولا۔ "کار کی چابیاں میرے پاس ہیں۔ میں نے ڈگی میں دونوں اٹیچیاں رکھی ہیں۔ بس ان لوگوں کو ذرا سونے دو گھنٹہ بھر بعد ہی ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ صبح تک ہم شیلانگ پہنچ جائیں گے وہاں اس کار کو چھوڑ کر ٹیکسی لے کر کسی ہوٹل میں جا کر ٹھہریں گے اور وہیں سے ہوائی جہاز سے وطن چلے جائیں گے۔"

"مجھے یقین ہے وہاں یہ سارا مال بک جائے گا۔"

"اب ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔" ڈارلنگ۔

"مگر مجھے ڈر لگ رہا ہے نیرّ۔"

"اب ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔" ڈارلنگ مصیبت کا زمانہ گزر گیا اب تو عیش ہی عیش ہے۔ آؤ گھنٹے بھر کے لیے ہم بھی لیٹ جاتے ہیں لیکن میں وارننگ دیتا ہوں سو مت جانا۔ ورنہ سارے کیے دھرے پر پانی پھر جائے گا۔"

"نہیں۔ ہم سوئیں گے نہیں۔" یہ کہہ کر وہ دونوں بھی لیٹ گئے۔

☆☆☆

گھر کے باہر انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنتے ہی جاوید اپنے بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا اور جلدی سے باہر آیا۔ اس کے ساتھ ہی دوسرے کمرے سے وہ آدمی نکلا جس کو سجاتا نے اپنی ماسی کا لڑکا بتایا تھا۔ جاوید نے اس شخص سے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے وہ گئے۔"

"ایسا ہی لگتا ہے۔"

دراصل وہ دوسرا آدمی سجاتا کا کچھ نہیں تھا۔ بلکہ مقامی ایف بی آئی کا جاسوس تھا۔ یہ سارے پلان بنانے سے پہلے تیاریاں کرلی گئی تھیں۔ اس آدمی کا نام اختر تھا۔ اختر اور جاوید پہلے اس کمرے تک آئے جس میں نیرّ اور زیب ٹھہرے تھے۔ توقع کے مطابق کمرہ خالی تھا۔ پھر وہ باہر آئے۔ باہر کار بھی نہیں تھی۔ جاوید نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔

"تھینکس گاڈ۔ سب کچھ پلان کے مطابق ہو گیا۔ کیا آپ نے دوسرا بندوبست کر دیا تھا۔"

"جی ہاں...... یہاں سے بیس بائیس گز کے فاصلے پر ہی ہماری گاڑی کھڑی تھی۔ اس میں چار تجربہ کار آدمی ہیں وہ ان کے تعاقب میں روانہ ہوں گے۔

اس کار میں ٹرانسمیٹر بھی ہے۔ آیئے ہم اندر چل کر ٹرانسمیٹر پر بات کرتے ہیں۔"

وہ واپس آئے۔ اختر نے سجاتا کو بتا دیا تھا کہ وہ ایک مجرم کی تلاش میں ہیں اس لیے وہی کرے جو اس کو سمجھایا جارہا ہے۔ اختر کی اٹیچی میں ایک ٹرانسمیٹر تھا۔ اس نے ٹرانسمیٹر نکال کر میز پر رکھا۔ پھر بٹن دبا کر فریکوئنسی ملانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد سگنل آنے لگے تو اس نے کہا۔

"ہیلو ٹریولر، نمبر تھری، تھری اسپیکنگ ہیلو ہیلو ٹریولر۔"

فوراً ہی جواب ملا۔ "یس تھری تھری اسپیکنگ۔"

"سب ٹھیک ہے۔" اختر نے پوچھا۔

"یس نمبر تھری تھری، وہ لوگ شیلانگ جانے والی سڑک پر جارہے ہیں۔"

"کوئی پیچھے آرہا ہے۔"

"ابھی تک تو کوئی نشان پتا نہیں۔ جیسے ہی کوئی بات ہوئی۔ ہم اطلاع کریں گے۔"

"او کے...... اوور۔"

یہ کہہ کر اختر نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔

نیرّ کو احساس بھی نہیں تھا کہ اس کے پیچھے ایک نہیں بلکہ دو کاریں آرہی ہیں۔ اگلی والی کار میں چار ایف بی آئی کے جاسوس تھے اور پچھلی کار میں چار دارجلنگ کے خطرناک غنڈے تھے پچھلی دونوں

بیوٹی بکس کا تیار کردہ
سوہنی ہیئر آئل
گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
نئے بال اُگاتا ہے۔
بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔
قیمت -/150 روپے
سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف -/150 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آڈر اس حساب سے بھجوائیں۔
2 بوتلوں کے لئے ---------- -/400 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- -/600 روپے
6 بوتلوں کے لئے ---------- -/1100 روپے
سوہنی ہیئر آئل
نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔
منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:
بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں
بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32735021, 32216361

کاروں نے اپنی بتیاں بجھا رکھی تھیں۔ ایف بی آئی کی کار میں ایک ''انفرا ریڈ'' آلہ بھی لگا رکھا تھا جو راڈار کی طرح کام کرتا تھا اور اندھیرے میں بھی چیزیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ آلہ کار میں بیٹھے ایک آدمی کی گود میں رکھا تھا۔ اچانک اس آلے میں سگنل ہونا شروع ہو گیا۔ اس شخص نے ڈرائیور سے کہا۔ ''اب کوئی کار ہمارے قریب آ رہی ہے۔''

''کار کی بتیاں بجھی ہوئی ہیں۔'' ڈرائیور نے کہا

''جی ہاں۔''

''بس تو وہی کار ہوگی۔ ہمیں ان کو موقع دینا چاہیے۔''

''یہی بہتر رہے گا۔''

ڈرائیور نے اچانک بتیاں جلادیں اور کار کی رفتار تیز کر دی۔ تھوڑی دیر میں ہی جاسوسوں کی گاڑی نیئر کی کار کی بائیں جانب سے تیزی سے گزر کر آگے نکل گئی۔ پھر دھیرے دھیرے فاصلہ بڑھتا گیا۔ آخر اس کار کی روشنیاں نظر آنی بند ہو گئیں۔ کیونکہ اگلی کار کے ڈرائیور نے خود اپنی کار کی بتیاں بجھا دی تھیں۔

اس کے بعد نیئر نے کوئی دو کلومیٹر کا فاصلہ ہی طے کیا ہوگا کہ پھر ایک کار پیچھے سے آتی نظر آئی۔ اس کار کی بتیاں بھی روشن تھیں۔ یہ کار بھی تیزی سے اس کی کار سے آگے نکل گئی لیکن اس کار نے آگے آتے ہی اپنی رفتار کم کر دی اور وہ اس طرح لہرا کر چلنے لگی کہ اس نے نیئر کو آگے نہیں نکلنے دیا۔ کچھ دیر بعد سڑک اتنی تنگ ہو گئی تھی کہ نیئر آگے نہیں نکل سکتا تھا۔ پھر اگلی کار اچانک رک گئی اور اس نے پچھلی لائٹ سے نیئر کو بھی رکنے کا اشارہ کیا۔''

''یہ سالے کیا کر رہے ہیں؟'' نیئر نے جھلا کر کہا اور مجبوراً اپنی کار بھی روک لیا۔

اگلی کار سے دو آدمی اتر کر ان کی کار کی طرف آئے نیئر نے کھڑکی سے باہر سر نکال کر پوچھا۔ ''کیا بات ہے۔''

وہ دونوں آدمی کار کے دونوں طرف کے دروازہ پر آئے تھے جو آدمی نیئر کی کھڑکی طرف تھا اس نے اچانک اپنا ہاتھ بڑھا کر ریوالور نیئر کے سر سے لگا دیا اور بولا۔

''یہ بات ہے۔''

''یہ ریوالور دیکھ کر زیب نے چیخ ماری۔ اس کی طرف کھڑے شخص نے جھٹ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر گالی دیتے ہوئے کہا۔

''چپ حرامزادی۔''

''نیئر ڈر گیا وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔ ک۔ کیا بات ہے بھائی ہم تو غریب آدمی ہیں۔ آپ ہمیں کیوں روک رہے ہیں۔''

''ہاں تو بہت غریب ہے۔ ریوالور والے شخص نے کہا اور دوسرا ہاتھ ڈال کر کار کی چابی نکال لی۔

'یہ...... یہ کیا کرتے ہو۔''

''اس شخص نے ریوالور کی نال پسلی میں مار کر کہا۔ ''چپ بیٹھا رہ، ورنہ گولی مار دوں گا۔'' پھر اس نے پلٹ کر کہا۔ موٹو، لو چابی لو اور ڈگی سے اٹیچیاں نکال لو۔''

یہ سن کر نیئر کا سر چکرا گیا۔ اس نے گھبرا کر کہا'' نہیں، نہیں اٹیچیوں میں کچھ نہیں۔ بس ہمارے کپڑے ہیں میری بیوی کی دوائیں ہیں۔ میری بیوی کے بچہ ہونے والا ہے۔''

ریوالور والے نے پھر نال اس کی پسلی میں مارتے ہوئے کہا۔ ''کتے کے پلے ہم جانتے ہیں اٹیچی میں کس قسم کی دوائیں ہیں تو اپنے آپ کو بہت ہی چالاک سمجھتا ہے۔ پوری چار کلو کوکین ہڑپ کر کرنا چاہتا ہے۔ پورے تیس لاکھ کا مال۔''

یہ سن کر نیئر کی جان نکل گئی۔ وہ سب کچھ سمجھ گیا تھا کہ یہ لوگ سب جانتے ہیں وہ بے جان سا ہو کر کار کی سیٹ پر ڈھلک گیا اور بچوں کی طرح رونے لگا۔

ان لوگوں نے پہلے پیچھے سے دونوں اٹیچیاں نکال کر اپنی کار میں رکھ لیں پھر انہوں نے دونوں کو پچھلی سیٹ پر بیٹھا دیا اور ان کا ایک آدمی کار ڈرائیو کرنے لگا۔ دونوں گاڑیاں پھر روانہ ہو گئیں۔

ایف بی آئی کے جاسوسوں کی گاڑی کچھ فاصلے

پر ہی ایک بڑی سی چٹان کی آڑ میں کھڑی تھی جیسے ہی وہ دونوں کاریں اس کے قریب سے گزریں وہ کار بھی چٹانوں کی آڑ سے نکلی اور ان کے تعاقب میں روانہ ہوگئی۔

انسپکٹر پولیس اور جاوید سجاتا کے مکان میں بیٹھے ٹرانسمیٹر سے رپورٹ سن رہے تھے۔ ان لوگوں نے توقع کے مطابق حملہ کر دیا۔ دونوں اٹیچیاں انہوں نے اپنی کار میں رکھ لی ہیں۔ لڑکے اور لڑکی کو ان کی کار میں پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا ہے اور ان کا آدمی کار ڈرائیو کر رہا ہے۔ دونوں کاریں شیلانگ کی طرف جا رہی ہیں اور ہم لوگ ان کا پیچھا کر رہے ہیں۔"

"ویری گڈ۔" جاوید بولا۔ "اب وہ لوگ جب شیلانگ پہنچ کر نمک کے لیبل والے پیکٹ کھول کر دیکھیں گے تو ان کو زندگی کا سب سے بڑا انعام ملے گا۔ کیونکہ نمک کے پیکٹوں میں سچ مچ نمک ہی ہوگا۔ کوکین نہیں ہوگی۔"

اختر بولا۔ "جس نے بھی یہ پلان بنایا ہے آدمی تو بہت احمق ہے، اتفاق سے اچھا پلان بن گیا۔"

اختر حیرت سے بولا۔ "مگر آپ تو کہتے تھے وہ آپ کا دوست ہے۔"

"دوست تو ہے۔ احمق ایک لڑکی کو پھانس نہیں سکتا کبھی کبھی بل کے بھاگوں چھینکا ٹوٹ......"

جملہ ختم ہوتے ہی جاوید کو چھینک آ گئی اور اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

☆☆☆

شیلانگ کی آبادی سے باہر ہی ایک مکان پر جا کر دونوں گاڑیاں رک گئیں۔ تعاقب کرنے والی ایف بی آئی کی گاڑی اب مکان سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔ وہ اگلی ہدایت کے انتظار میں تھے۔ ادھر سجاتا کے مکان میں بھی اختر اور جاوید بھی احمد کا انتظار کر رہے تھے۔ شیلانگ پہنچنے کے بعد اس مکان کے ایک کمرے کا منظر دلچسپ تھا۔ جس میں وہ غنڈے نیئر اور زیب کو پکڑ کر لے گئے تھے۔ نیئر ایک کرسی سے بندھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے دونوں اٹیچی کھلے پڑے تھے۔ ایک اٹیچی میں زیب اور نیئر کے کپڑے تھے۔ دوسرے میں بھی کچھ کپڑے تھے اور کپڑوں کے بیچ چار پلاسٹک کی تھیلیاں رکھی تھیں جس پر جاپانی نمک کا لیبل لگا ہوا تھا۔

پکڑ کر لانے والے چاروں آدمیوں میں ایک آدمی کے نقوش اگرچہ پہاڑی تھے مگر وہ عام پہاڑیوں سے کہیں زیادہ لمبا چوڑا تھا۔ اس کے چہرے پر جگہ جگہ زخموں کے نشان تھے جو اس بات پتا دے رہے تھے کہ اس کی زندگی ہمیشہ موت اور زندگی کا کھیل کھیلتے ہی گزری ہے وہ لوگ نیئر کی مرمت کر چکے تھے۔ اس کا ہونٹ پھٹا ہوا تھا جس سے خون نکل رہا تھا۔ ایک آنکھ نیلی ہوگئی تھی۔ اور نیئر بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ دو آدمی زیب کو دونوں طرف سے پکڑ کر کھڑے تھے۔

غنڈوں کا سردار کمر پر ہاتھ باندھے چوٹ کھائے ہوئے شکاری کی طرح کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ وہ چاروں پیکٹوں کو کھول کر کوکین کے مزے چکھ چکا تھا اور اسے پتا چل چکا تھا کہ چاروں تھیلیوں میں صرف نمک ہے۔

ادھر ادھر چکر کاٹتے ہوئے اچانک وہ نیئر کے سامنے رکا اور چیخ کر بولا۔

"تم کیا سمجھتے ہو۔ میں تمہارے دھوکے میں آ جاؤں گا تم ضرورت زیسے زیادہ چالاک بننے کی کوشش نہ کرو۔ تم نے کوکین کے پیکٹ کہیں چھپا دیے ہیں۔ تمہیں ڈر تھا کہ باری یا اکبر تم سے چھیننے کی کوشش کرے گا۔"

نیئر نے روتے ہوئے کہا۔ "اب میں تمہیں کیسے سمجھاؤں میرے ساتھ بھی دھوکا ہوا ہے یہ اٹیچی میری نہیں ہے۔ اس میں کپڑے میرے ہیں۔ میری اٹیچی اسی رنگ کی اسی کمپنی کی اور اسی سائز کی تھی۔ ضرور راستے میں اس ڈرائیور نے اٹیچی بدل لی ہے جو ہمیں دارجلنگ لایا تھا۔"

"جب تم چلے تھے تو تم نے اٹیچی کہاں رکھی تھی؟

غنڈے نے سوال کیا۔
''ڈگی میں۔''
''کیا اس وقت گاڑی کی ڈگی میں ایسی بھی کوئی اٹیچی رکھی تھی۔''
''میں نے نہیں دیکھی۔ ڈگی میں اسٹپنی تھی۔ ٹول بکس تھا اور ڈرائیور کا بستر رکھا تھا۔ ہوسکتا ہے وہ بستر نہ ہو بلکہ کمبل میں اس نے اٹیچی پہلے سے چھپا رکھی ہو۔''
''کیا اس ڈرائیور کو معلوم تھا تمہارے پاس کوکین ہے؟''
''نہیں۔''
''کیا اس آدمی احمد کو معلوم تھا کہ تمہارے پاس کوکین ہے؟''
''نہیں۔''
''تو کیا اس کو معلوم تھا جس کے یہاں تمہیں احمد نے لے جا کر رکھا تھا؟''
''نہیں۔''
''پھر وہ اتنے پہلے سے کیوکین کی اٹیچی بدلنے کی پلاننگ کیسے کرسکتے تھے؟''
''مجھے معلوم نہیں۔ احمد کہتا تھا کہ میرے ڈیڈی نے ایک اور جاسوس کو بھی بھیجا تھا جس کا قتل ہوگیا ہے ہوسکتا ہے اسی جاسوس نے چاروں پیکٹوں کا پتا لگا لیا ہو۔''
''وہ کس طرح پتا چلا سکتا تھا۔''
''جس طرح آپ نے پتا چلایا۔''
''نہیں ۔ میں یقین نہیں کرسکتا۔ تم مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کررہے ہو لیکن نیئر یقین کرو جب تک مجھے وہ پیکٹ نہیں مل جائیں گے تم یہاں سے زندہ نہیں جاسکتے۔'' یہ کہہ کر اس نے ایک بار پھر نیئر کے منہ پر گھونسوں کی بارش کی شروع کردی۔ اسی وقت زیب چلائی ''نہیں، مت مارو، یہ سچ کہہ رہے ہیں مت مارو۔'' یہ کہہ کر زیب نے ایک جھٹکے سے خود کو چھڑا لیا اور آگے بڑھ کر مارنے والے غنڈے کو پکڑنا چاہا۔ وہ غصے میں تھا ہی اس نے ایک ٹھوکر زیب کے پیٹ پر ماری۔ زیب ایک چیخ مار کر گر پڑی اور زمین پر گر کر مچھلی کی طرح تڑپنے لگی۔

کار میں لگے ٹرانسمیٹر پر سگنل ہوا فوراً ایف بی آئی کے جاسوسوں نے سوچ آن کرکے کہا۔
''یس نمبر تھری تھری۔''
''ٹریولر اس وقت تم کہاں ہو؟''
''ہم اس مکان کی نگرانی کررہے ہیں جس میں وہ لڑکے اور لڑکی کو پکڑ کر لے گئے ہیں۔''
''وہ ابھی تک اسی مکان میں ہیں؟''
''جی ہاں۔''
''ان میں سے کوئی باہر آیا یا کوئی نیا آدمی اندر گیا؟''
''نہیں۔''
''اچھا تو ان کو گرفتار کرلو اور لڑکے اور عورت کو چھڑا کر ہیڈ کوارٹر لے جاؤ۔ مسٹر احمد ان دونوں کو لینے آرہے ہیں۔''
''او کے، نمبر تھری تھری، ہم ابھی چھاپہ مارتے ہیں۔''
زیب کو تڑپتے دیکھ کر نیئر چلایا۔ ارے ظالمو! تمہیں ایک عورت پر ہاتھ اٹھاتے شرم نہیں آتی وہ بیمار ہے مر جائے گی۔''
''مرجانے دو سالی کو۔''
'' یہ کہہ کر وہ غنڈہ بڑبڑاتا ہوا دوسرے کمرے میں گیا۔ یہاں ایک فون رکھا تھا۔ وہ فون پر نمبر گھما کر بات کرنے لگا۔
''وہ لڑکا زبان کھولنے کو تیار نہیں۔ میرا خیال ہے وہ سچ کہہ رہا ہے۔ اس شخص احمد کو شاید کوکین کا پتا چلا گیا ہو۔ اسی نے راستے میں اٹیچی بدل کر کوکین غائب کردی۔ لڑکا بہت کم عمر ہے وہ اتنی بڑی چال نہیں چل سکتا تھا۔ جواب میں وہ دوسری طرف کی بات سن رہا تھا کہ دروازے پر دستک کی آواز سنائی۔ اس نے فون پر کہا۔
''ذرا ایک منٹ ٹھہرنا۔ کوئی دروازے پر ہے۔'' یہ کہہ کر وہ رسیور اسی طرح رکھ کر دروازے

کھولنے چلا گیا کیونکہ مکان کا دروازہ اس کے نزدیک تھا۔ اس نے اندر سے دروازہ کھول کر کہا۔ ’’کون ہے؟‘‘

جواب میں باہر سے دھکا لگا اور وہ گرتے گرتے بچا۔ غنڈے کے منہ سے گالی نکلی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس کی گالی حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ اور آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ چار آدمی ریوالور لیے کھڑے تھے۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ فوراً ہی ایک آدمی نے اس کے سینے پر ریوالور رکھ دیا۔

’’اگر زبان کھولی تو گولی ماردوں گا۔‘‘ یہ کہہ کر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ’’تم باقی لوگوں کو سنبھالو اسے میں سنبھالوں گا۔‘‘

دوسرے کمرے سے زیب کے رونے اور چیخنے کی آواز آرہی تھی۔ وہ تینوں ریوالور لیے اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

آدھے گھنٹے بعد دارجلنگ میں سجاتا کے مکان میں رکھے ہوئے ٹرانسمیٹر پر سگنل ہوا۔ اس وقت ٹرانسمیٹر کے پاس اختر اور جاوید کے علاوہ احمد بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اختر نے فوراً سوئچ آن کر کے کہا۔

’’یس، تھری تھری اسپیکنگ۔‘‘

’’ٹریولر رپورٹنگ تھری تھری۔‘‘ جواب ملا۔ ’’ہم نے چاروں کو گرفتار کر کے لڑکے کو اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔ ان لوگوں نے لڑکے اور عورت کو بہت مارا پیٹا تھا۔ عورت کی حالت نازک ہے۔ ہم نے اس کو اسپتال میں داخل کرا دیا ہے۔‘‘

’’بس ٹھیک ہے۔ تم لڑکے کو اپنے پاس رکھو۔ مسٹر احمد اور مسٹر جاوید آج شام تک شیلانگ پہنچ جائیں گے۔‘‘

’’اور عورت کا کیا کریں؟‘‘

’’عورت کو اسپتال میں رہنے دو۔ اس کی اب ضرورت نہیں۔‘‘

’’ اوکے گڈ لک۔‘‘ کہہ کر ٹرانسمیٹر بند کر دیا گیا۔

☆☆☆

سیٹھ جوہر کو اب اسپتال کے پرائیویٹ وارڈ میں رکھ دیا گیا تھا اور ملاقاتیوں سے ملنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ اپنے بیٹے نیئر کے مل جانے کی خبر سن کر صحت پر اچھا اثر پڑا تھا وہ بڑی تیزی سے صحت مند ہو رہا تھا اچانک ایک نئی مصیبت اس کے لیے کھڑی ہو گئی۔

اس روز احمد کرنل زاہد کے یہاں بیٹھا پورے کیس کی تفصیل بتا رہا تھا نیئر ابھی زخمی حالت میں تھا اس لیے وہ ابھی دارجلنگ کے ہی ایک اسپتال میں تھا لیکن ایف بی آئی کے کئی جاسوس اس کی نگرانی کر رہے تھے۔ البتہ زیب کی حالت بہت خراب تھی۔ پیٹ میں ٹھوکر لگنے سے وقت سے پہلے ہی اس نے مردہ بچے کو جنم دیا تھا جن کی وجہ سے اس کے جسم میں زہر پھیل گیا تھا۔ ڈاکٹروں کو اس کے بچنے کی امید نہیں تھی مگر وہ اپنی سی کوشش کر رہے تھے احمد سارے واقعات سنا چکا تو زاہد نے پوچھا۔ اب وہ کوکین کہاں ہے؟‘‘

’’وہ میں نے انسپکٹر شاہ کو بجھوا دیں۔‘‘

’’تو اس کا مطلب ہے کیس ختم ہو گیا اور اب تم مسٹر جوہر کے وعدے کے مطابق اس فلیٹ کے مالک بن جاؤ گے۔‘‘

’’میرا خیال ہے ابھی کیس ختم نہیں ہوا۔‘‘ احمد ذرا سنجیدہ ہو کر بولا۔

’’وہ کیسے؟‘‘

’’اس لیے کہ تیس لاکھ روپے کی کوکین کو وہ لوگ آسانی سے نہیں بھول سکتے۔ میری تھیوری کے مطابق وہ کوکین کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ ان لوگوں کو ابھی تک یہی یقین ہے کہ وہ کوکین کے پیکٹ میرے قبضے میں ہی ہیں میں نے خود اس طرح کی افواہیں پھیلا دی ہیں کہ وہ کوکین میرے قبضے میں ہی ہے۔‘‘

’’اس کا مطلب ہے تم خود ان کو اپنے اوپر حملہ کرنے کی دعوت دے رہے ہو۔‘‘

’’جی ہاں۔ میرے ذہن میں ایک تھیوری ہے

اگر میری وہ تھیوری درست ہے تو ایک بار وہ مجھ پر حملہ ضرور کریں گے۔"
"اور وہ تھیوری کیا ہے؟"
احمد کے جواب دینے سے پہلے فون کی گھنٹی بجی۔ سیما اندر کمرے میں تھی۔ وہ لوگ رک کر انتظار کرنے لگے۔ ایک منٹ بعد سیما نے پکار کر کہا۔
"احمد تمہارا فون ہے۔"
احمد بھاگا ہوا گیا۔ فون پر چار پانچ منٹ بات کرتا رہا پھر فون رکھ کر واپس آیا تو وہ پہلے سے زیادہ گھبرایا ہوا نظر آرہا تھا۔
"کیا ہوا۔ کس کا فون تھا؟" زاہد نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔
"ابھی ہم جن لوگوں کی بات کر رہے تھے۔ وہ حرکت میں آگئے ہیں لیکن انہوں نے اپنا دوسرا حملہ میری توقع کے خلاف کیا ہے۔"
"کیا ہوا کس طرح حملہ کیا ہے انہوں نے؟"
"انہوں نے جوہر کی اپاہج لڑکی شبنم کو اغواء کرا دیا ہے۔ وہ آج اسکول گئی تھی وہاں سے واپس نہیں آئی۔ یہ جوہر کی ایک رشتہ کی بہن کا فون تھا جو اس کی بیماری کا حال سن کر آئی ہوئی تھی وہ کہتی ہے کہ شبنم وقت پر گھر نہیں آئی وہ اسکول گئی تھی وہاں سے پتا چلا کہ کلاس کے دوران ہی ایک شخص آیا وہ کہتا تھا مسٹر جوہر کی حالت اچانک بگڑ گئی ہے اور وہ اپنی بیٹی کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس آدمی نے اسپتال میں کام کرنے والوں جیسے کپڑے پہن رکھے تھے اسکول ٹیچر نے اسے اجازت دے دی۔ جوہر کی بہن اسپتال گئی تو جوہر بالکل ٹھیک تھا۔ اس کی بہن کو حالات کا پتا تھا اس لیے اس نے فوراً مجھے فون کیا۔
"کیا اس نے جوہر لڑکی کے غائب ہونے کی خبر بتا دی؟"
"نہیں اس نے سمجھ داری سے کام لیا۔ ابھی جوہر کو کچھ نہیں بتایا گیا کیونکہ یہ خبر سن کر اس کے دل کو صدمہ پہنچ سکتا تھا اور کچھ بھی ہو سکتا تھا۔"
زاہد نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔ "کیا تمہیں یقین ہے کہ لڑکی کو ان لوگوں نے ہی اغواء کیا ہو گا؟"
"جی ہاں۔ انہوں نے ہی لڑکی کو اغواء کیا ہے۔ یہ مجھے یقین ہے کہ وہ لڑکی کے بدلے کوکین کے چاروں پیکٹوں کا مطالبہ کریں گے۔"
"تو پھر اب تمہارا ارادہ کیا ہے؟" تم لڑکی کو بچانے کے لیے کیا کرو گے؟"
"مجھے اس طرح کے حملے کی توقع نہیں تھی۔"
احمد فکر مند لہجہ میں بولا۔ "میں سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھے اغوا کرنے کی کوشش کریں گے۔ مگر وہ میری توقع سے زیادہ چالاک نکلے انہوں نے ہمارے سب سے کمزور پہلو پر حملہ کیا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ لڑکی کے اغواء کا جوہر پر گہرا اثر پڑے گا۔ وہ لڑکی کو بچانے کے لیے مجھے کوکین واپس کرنے پر مجبور کرے گا۔"
"معاملہ واقعی خطرناک ہو گیا ہے۔" زاہد بولا" کیا تمہیں معلوم ہے حملہ کرنے والے کون لوگ ہیں؟"
"ہاں اندازہ ہے لیکن اگر یہ اندازہ درست بھی ہے تو بھی اہم ان کا پتا کیسے چلا سکتے ہیں اور اگر پتا چلا بھی لیا تو جب تک لڑکی ان کے قبضے میں ہے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔"
اب تو ہمیں ان کے دوسرے قدم کا انتظار کرنا ہو گا۔ وہ جلد یا بدیر مجھ سے مطالبہ ضرور کریں گے۔"
"وہ مطالبہ کریں گے تو تم کیا کرو گے؟"
"یہ سوچنا پڑے گا۔ ذرا ان کی طرف کوئی پیغام آجائے۔ پھر کوئی پلان بنائیں گے۔"
"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ لڑکی اغواء کرنے والے وہ لوگ نہ ہوں۔ جوہر دولت مند آدمی ہے کسی اور بدمعاش کے دل میں بھی اس طرح روپیہ وصول کرنے کی بات آسکتی ہے۔"
"ممکن تو ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ اغوا ان ہی لوگوں نے کیا ہے۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔ اب میرا اپنے دفتر میں رہنا ضروری ہے کیونکہ ان لوگوں نے اگر مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تو وہیں مجھے فون کریں گے۔"

فہرست کتب

عمران ڈائجسٹ کے مقبول ترین سلسلے

مہارانی
۴ حصوں پر مشتمل عمران ڈائجسٹ کا ایک مقبول سلسلہ، مہارانی کی ناقابلِ فراموش سچائیاں، چمارن کی داستان
قیمت فی حصہ 75 روپے مکمل سیٹ 225 روپے

نروان کی تلاش
۳ حصوں پر مشتمل ایک ناقابلِ فراموش اور غضب ڈھانے والا پراسرار سلسلہ
قیمت فی حصہ /40 روپے مکمل سیٹ /80 روپے

کوبرا
۳ حصوں پر مشتمل غضب ڈھانے والا ایک پراسرار سلسلہ، بمبئی کے فٹ پاتھ سے اُٹھنے والا طوفان کوبرا
فی حصہ /30 روپے مکمل سیٹ /90 روپے

طوفان
۲ حصوں پر مشتمل مکمل سلسلہ، وہ طوفان تھا، اس سے مقابلہ کرنے کی ہمت کسی میں نہ تھی، آخر کیوں؟
فی حصہ 30 روپے مکمل سیٹ /60 روپے

سلابو
۲ حصوں پر مشتمل حیرت انگیز واقعات سے پُر ایک عجیب و غریب سلسلہ
فی حصہ /40 روپے مکمل سیٹ /80 روپے

اپسرا
۲ حصوں پر مشتمل مکمل سلسلہ، کیا وہ واقعی اپسرا تھی، آخر کون تھی، کیا تھی جس نے تہلکہ مچا رکھا تھا، اس نے کیا کیا گل کھلائے
فی حصہ /40 روپے مکمل سیٹ /80 روپے

پُراسرار علوم کا ماہر
۲ حصوں پر مشتمل پُراسرار شخص کی داستان اس کی اپنی زبانی
حصہ اول /۔ روپے حصہ دوم /۔ روپے
مکمل سیٹ /۔ روپے

ایئر ہوسٹس
۲ حصوں پر مشتمل انوکھا سلسلہ، ایک حسین و جمیل فضائی میزبان کی زندگی کو پیش آنے والے انوکھے پراسرار واقعات رنگ بدلتے چہروں کی کہانی
فی حصہ /۔ روپے مکمل سیٹ /۔ روپے

راجکماری
۴ حصوں پر مشتمل دلفریب سلسلہ، وہ جوان تھی، خوبصورت تھی، رعنائی اور دلربائی اس کے انگ انگ میں رچی ہوئی تھی اس روپ میں اس کا پیچھا کرنے والا موجود تھا
فی حصہ /۔ روپے مکمل سیٹ /۔ روپے

مہاراجہ
وہ شیر سے زیادہ خوفناک تھا، ایک مہاراجہ کی دل ہلا دینے والی حرکتوں کی ایک عبرت ناک داستان
ایک حصہ میں مکمل قیمت /۔ روپے

چمپا کلی
مہارانی کی طرح چالاک چمپا کلی کی داستان کیا کیا گل کھلائے، ضرور پڑھیے
ایک حصہ میں مکمل قیمت /۔ روپے

پراسرار قوتوں کی ماہر
عمران ڈائجسٹ کا وہ مقبول سلسلہ جس کو قارئین کے اصرار پہ کتابی شکل میں چھاپا گیا، ایک حصہ میں مکمل
قیمت /۔ روپے

سلاسیہ
ایک پُراسرار شخص کی عبرت ناک داستان جسے آپ پڑھے بغیر نہ رہ سکیں گے، ایک حصہ میں مکمل
قیمت /۔ روپے

اُس کا سایہ
پیچھا کرنے والا وہ سایہ کون تھا وہ آخر کس کا سایہ تھا، ایک دن؟
ایک حصہ میں مکمل قیمت /۔ روپے

وحشی
فریب دینے والوں کے لیے پُرفریب داستان اور عبرتناک انجام، مجرم کے انوکھے انداز اس وحشی کا معمول تھا
مکمل ایک حصہ قیمت /۔ روپے

سیاہ نیولا
وہ سیاہ نیولا جس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلتی تھیں، ایک دن جب دیواریں ٹکڑوں میں بٹ گئیں
مکمل ایک حصہ قیمت /۔ روپے

بانگڑو
وہ کیا تھا؟ وہ کون تھا؟ لوگ اسے بانگڑو کیوں کہتے تھے، ایک حیرت انگیز کتاب
ایک حصہ میں مکمل قیمت روپے

ترسول کنڈ کی داسی
ترسول کنڈ کیا تھا اور اس کی داسی کی حرکتیں کیا تھیں، حیرت انگیز اور دلچسپ کتاب
قیمت صرف روپے

ماضی کے جزیرے
ناقابلِ فراموش کہانی جس کا ایک ایک لفظ رونگٹے کھڑے کردے گا، یہ کیسا طلسم خانہ تھا جس میں موجود جیسے زندہ تھے،
ایک حصہ میں مکمل قیمت روپے

صمورالہ
حسین چہرہ، شاطر آنکھیں، دلفریب انداز اگر کہیں وہ حسین دوشیزہ نظر آجائے تو ہم اسے پانے کی آرزو زندگی میں بے چین رکھے گی
ایک حصہ میں مکمل قیمت روپے

ماضی کی کہر
سازشوں کی داستان، ایک نوجوان نے جب نئی دنیا میں آنکھ کھولی تو حیران رہ گیا
ایک حصہ میں مکمل قیمت روپے

جلا وطن
عمران ڈائجسٹ کی مشہور سلسلہ وار پراسرار کہانی، اجنبی سیارے سے زمین پر آنے والے ایک فرد کی سرگزشت
ایک حصہ میں مکمل قیمت۔ روپے

نی تیکا
ایک دل ہلا دینے والے سفر کی حیرت انگیز داستان، ایک حساس نوجوان کی آپ بیتی
ایک حصہ میں مکمل قیمت۔ روپے

حیرت انگیز کہانیاں
۵۰ مختصر حیرت انگیز کہانیوں کا زبردست انتخاب، ایک ایک کہانی حیرت میں ڈال دے گی، حیرت انگیز کتاب کی قیمت صرف روپے

سنہری آفت
ایک ایسی کتاب جسے آپ مدتوں فراموش نہ کر سکیں گے، ضرور پڑھیں
قیمت روپے

موت کے پیامبر
جنہیں موت کے پیامبر کہا گیا، وہ کون تھے؟ کیا آپ جانتے ہیں
ضرور پڑھیں
قیمت صرف روپے

کٹاری
ایک ایسی شوخ و شنگ اور انگ انگ بھری عورت کی داستان عبرت جس کا نام کنڈی تھا، کنڈی کے تیکھے تیکھے نوکیلے واقعات
قیمت روپے

انسانوں کے سوداگر
بین الاقوامی بردہ فروشوں کے ایک گروہ کی ہولناک داستان ضرور پڑھیں
قیمت روپے

شیطانوں کا شہر
قتل در قتل، قدم قدم پر ہنگامے فتنے وہ کوئی شہر تھا، ضرور پڑھیں
قیمت /۔ روپے

ترکش
ایم اے راحت کا مقبول ترین سلسلہ
مکمل چھ حصوں کی قیمت -/300 روپے
فی حصہ -/50 روپے

گوندنی
مہارانی کا دوسرا جنم، گوندنی ایک ایسی معصوم لڑکی کی کہانی جس سے اس کا سب کچھ چھین لیا گیا تھا
ایک حصہ میں مکمل قیمت روپے

پیاسا
ایک ایسے شخص کی آپ بیتی جس نے زندگی کو عجیب انداز سے دیکھا، جو پیاسا تھا، ۲ حصوں میں مکمل
قیمت فی حصہ /۔ روپے مکمل سیٹ /۔ روپے

مکتبۂ عمران ڈائجسٹ، ۳۷۔ اردو بازار، کراچی ۷۴۲۰۰

''اچھی بات ہے تم جاؤ۔''
احمد اسی وقت چلا گیا۔ احمد کے جانے کے بعد زاہد نے جاوید سے کہا۔
''جاوید تم بھی جاؤ اور احمد کی نگرانی کرو۔ ہوسکتا ہے وہ لوگ احمد کو بھی اغوا کرنے کی کوشش کریں۔''
''او کے باس، میں بھی چلتا ہوں۔''
احمد کے جانے بعد پندرہ منٹ جاوید بھی چلا گیا۔ باقی سارا دن گزر گیا لیکن کوئی فون نہ آیا۔ احمد بے تابی سے انتظار کرتا رہا۔ شام کو اس نے جوہر کے گھر پر فون کیا۔ جوہر کی بہن نے جواب دیا تو احمد نے پوچھا۔
''لڑکی کا کچھ پتا چلا؟''
''ابھی تک نہیں۔''
''کسی نے لڑکی کے بارے میں فون تو نہیں کیا؟''
''جی نہیں۔ مسٹر احمد، کیا شبنم کو نیئر والے کیس کے سلسلے میں اغواء کیا گیا ہے؟''
''مجھے ایسا ہی لگتا ہے۔''
''تو اب کیا ہوگا؟''
''آپ فکر نہ کریں اگر یہ وہی لوگ ہیں تو مجھے معلوم ہے شبنم کو کیوں اغوا کیا گیا ہے اور وہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔''
''تو پلیز کسی طرح اس کو بچایئے۔ بھیا کو پتا چل گیا تو وہ صدمے سے مر جائیں گے۔''
''مجھے اس کا احساس ہے۔ آپ فکر نہ کریں وہ بچی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے کیونکہ ان کی ایک قیمتی چیز میرے قبضے میں ہے۔ ان کی طرف سے اگر کوئی پیغام ملے تو مجھے فوراً اطلاع کر دینا۔ میں یہیں فون پر ملوں گا۔''
''اچھی بات ہے۔''
احمد نے فون رکھ دیا۔ رات ہوگئی اس روز وہ کھانا کھانے بھی نہیں گیا۔ فون کر کے کھانا بھی اس نے ایک ہوٹل سے فلیٹ پر ہی منگوالیا۔ رات کے نو بجے کے قریب زاہد نے فون کر کے پوچھا؟''
''کیا خبر ہے؟''
''ابھی تک کچھ نہیں۔ ان کی طرف سے ابھی تک کوئی پیغام نہیں ملا۔ میں گھر سے اسی لیے نہیں نکل رہا ہوں۔ کہ پتا نہیں کب ان کا پیغام آ جائے۔''
''اچھی بات ہے۔'' انتظار کرو۔ میں ابھی گھر جا رہی ہوں کوئی پیغام ملتے ہی مجھے فون کر دینا۔
''بہت اچھا۔''
یہ کہہ احمد نے فون بند کر دیا۔
آخر صبح کو احمد کو وہ پیغام مل گیا جس کا اسے انتظار تھا۔ صبح اٹھ کر وہ اخبار اٹھانے گیا تو دروازہ میں ایک لفافہ پڑا تھا۔ جس پر اس کا نام لکھا تھا۔ لفافہ رات کو کسی وقت کوئی شخص دروازے کے نیچے سے اندر کھسکا گیا تھا۔ اس نے جلدی سے لفافہ کھولا۔ اندر ایک کاغذ کے ٹکڑے پر صرف ایک جملہ کیا تھا۔
''تم سمجھ گئے ہو گے!''
''احمد کچھ دیر کاغذ کو دیکھتا رہا۔ پھر سر ہلاتے ہوئے خود سے بولا۔
''ہاں دوست میں سمجھ گیا ہوں۔''
☆☆☆
اس کے بعد دوپہر تک کچھ نہیں ہوا۔ احمد نے فون کر کے زاہد کو پیغام کے بارے میں بتا دیا تھا۔ دوپہر کو بھی اس نے کھانا ہوٹل سے فلیٹ پر ہی منگالیا۔ کھانا کھا کر وہ کافی پی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی، اس نے جلدی سے ریسیور اٹھا کر ''ہیلو'' کہا۔
جواب میں خاموشی رہی البتہ کسی کے سانس لینے کی آواز آ رہی تھی۔
''ہیلو......کون ہے......تم بولتے کیوں نہیں؟'' احمد نے کہا۔
ایک بھاری بگڑی ہوئی آواز نے کہا۔ ''مال تمہارے پاس ہے؟''
احمد سمجھ گیا بولنے والا آواز بدل کر بول رہا ہے۔ وہ یہ بھی سمجھ گیا کہ مال سے اس کی کیا مراد ہے؟
''ہاں ہے۔''

چاروں پیکٹ۔
”ہاں چاروں پیکٹ۔“
”تمہیں لڑکی کی زندگی چاہیے؟“
”ہاں اور لڑکی بھی۔“
”تو وہ چاروں پیکٹ ایک بیگ میں رکھ کر تیار رہو اور ہمارے اگلے پیغام کا انتظار کرو۔“ یہ کہہ کر دوسری طرف سے فون رکھ دیا گیا۔
احمد نے فوراً زاہد کو فون کیا اور پیغام کے بارے میں بتایا زاہد نے کہا میں تمہارے دفتر میں آرہا ہوں۔“
آدھے گھنٹے بعد زاہد احمد کے دفتر پہنچ گیا اور بیٹھتے ہوئے بولا۔
”کل سے میں نے احتیاطاً تمہارے فون کے بارے میں ایکسچینج سے کہہ دیا تھا کہ وہ ہر کال کا ریکارڈ رکھیں۔ ابھی جو فون تمہیں کیا گیا تھا وہ ایک پبلک فون سے کیا گیا تھا۔“
”وہ یقیناً پبلک فون ہی استعمال کریں گے کیونکہ وہ مقامی غنڈے نہیں۔“
”تم نے کیا کیا؟“
”میں نے اسی کی ہدایت کے مطابق چاروں پیکٹ ایک بیگ میں رکھ لیے ہیں۔“
زاہد نے اپنی جیب سے ایک دھات کا چھوٹا سا ٹکڑا نکال کر احمد کو دیتے ہوئے کہا۔
یہ اپنی جیب میں رکھ لو۔“
”یہ مائیکرو ٹرانسمیٹر ہے۔“
”ہاں اس سے ہمیں پتا چلتا رہے گا کہ تم کہاں ہو؟ میں نے چار آدمی چار کاروں میں تمہارے پیچھے نگرانی کے لیے لگا دیئے ہیں۔ ایک ہیلی کاپٹر بھی تمہاری کار کا یا تمہارا پیچھا کرنے کو تیار رہے گا۔ اس ٹرانسمیٹر کا ریسیور ہیلی کاپٹر میں رہے گا۔“
”اور ہیلی کاپٹر میں کون رہے گا؟“
”میں۔“ زاہد نے جواب دیا۔
”تھینکس۔“
”گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اب میں چلتا ہوں۔“ یہ کہہ کر زاہد اٹھنے لگا پھر اسے کچھ یاد آیا۔ اس نے اپنی انگلی سے ایک انگوٹھی اتار کر احمد کو دیتے ہوئے کہا۔ ”لو یہ بھی پہن لو۔“
انگوٹھی میں ”مون اسٹون“ جیسا سفید نگینہ لگا ہوا تھا۔ احمد نے انگوٹھی لے کر پہن لیا اور بولا تھینکس۔“
”پھر بھی بہت ہوشیار رہنا۔“
”مجھے خطرے کا احساس ہے۔“ احمد نے سر ہلا کر کہا۔ اس کے بعد زاہد چلا گیا۔
احمد رات تک انتظار کرتا رہا اس کے بعد کوئی پیغام نہیں ملا۔
دوسرے دن صبح کو پھر ایک لفافہ اس کے دروازے میں پڑا تھا۔ اس نے جلدی سے لفافہ کھولا۔ پہلے لفافے کی طرح اس میں بھی کاغذ پر صرف ایک جملہ لکھا تھا۔
”ہوٹل پلازہ کی لابی میں پہنچ کر انتظار کرو۔ مال کا تھیلا ساتھ لانا۔“
احمد نے وہ کاغذ احتیاط سے رکھ کر زاہد کو فون کر کے پیغام سنایا۔ زاہد نے جواب میں کہا۔
”وہ پلاننگ کر رہے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ تم اکیلے نہیں ہو۔ اب تک وہ جان چکے ہوں گے کہ تم کرنل زاہد کے ساتھی ہو۔“
”جی ہاں۔ اسی لیے وہ جلدی میں کوئی قدم نہیں اٹھا رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے وہ بہت سوچ سمجھ کر اپنا پلان بنائیں گے۔ اپنا پورا اطمینان کرنے کے بعد ہی کوئی قدم اٹھائیں گے۔“
”ٹھیک ہے تم ہوٹل پلازہ چلے جاؤ۔“
”لیکن انہوں نے وقت تو لکھا ہی نہیں۔“
”کوئی بات نہیں۔ ممکن ہے وہاں کوئی پیغام تمہارے لیے رکھا ہو۔“
”اچھی بات ہے میں ابھی چلا جاتا ہوں۔“
”اس کے آدھے گھنٹے بعد احمد کینوس کا ایک بیگ ہاتھ میں لیے باہر نکلا۔ بیگ میں پلاسٹک کی چار تھیلیاں تھیں جن پر جاپانی نمک کا لیبل لگا ہوا تھا۔ تھیلا وہ اس طرح لٹکا لے گیا تھا اگر دشمن کا کوئی آدمی اس کی نگرانی

کرر ہا ہوتو دیکھ لے کہ وہ تھیلا ساتھ لیے ہوئے ہے۔
کار میں بیٹھ کر وہ ہوٹل پلازہ پہنچ گیا۔ تھیلا اس نے سیٹ پر ہی رکھا رہنے دیا اور کار کو لاک کر کے ہوٹل کی لابی میں چلا گیا۔ لابی میں وہ ایسی جگہ بیٹھا جہاں سے وہ اپنی کار پر نظر رکھ سکتا تھا۔
جاسوسی کے پیشے میں انتظار کرنے کی بڑی اہمیت ہے۔ کبھی کبھی ان لوگوں کو چپ چاپ چوبیس گھنٹے انتظار کرنا پڑتا ہے۔ احمد بھی اس کام میں ایکسپرٹ تھا۔ لیکن اس روز وہ بے چین تھا۔ وقت بہت آہستہ آہستہ کھسک رہا تھا اسے دو گھنٹے ہو چکے تھے اور ابھی تک کسی نے اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی وہ سوچ رہا تھا۔
"کیا وہ لوگ بھی میری نگرانی کر رہے ہیں وہ بھی شاید یہ اطمینان کر رہے ہوں کہ میں اکیلا ہوں یا کوئی میرے ساتھ ہے۔"
آدھا گھنٹا اور گزرا ہوگا۔" اپنا نام سنائی دیا۔ کوئی کہہ رہا تھا۔
"کیا کوئی مسٹر احمد یہاں ہیں؟"
احمد نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا۔ وہ ہوٹل کا ایک بیرا تھا۔ احمد نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا۔" میرا نام احمد ہے۔"
"آپ کا فون ہے سر۔" پلیز بوتھ نمبر 3 میں جا کر اپنا فون سن لیجیے۔"
"احمد جلدی سے بوتھ نمبر 3 میں گیا اور ریسیور اٹھا کر بولا۔
"احمد اسپیکنگ"
جواب میں اسی بھاری آواز نے کہا" تھیلا تم ساتھ لائے ہو؟"
"ہاں تھیلا میرے ساتھ ہے۔"
"تھیلے کا رنگ کیسا ہے؟"
"براؤن۔"
"تھیلا اس وقت کہاں رکھا ہے؟"
"میری کار میں۔"
"اچھی بات ہے۔ ہمارے دوسرے پیغام کا انتظار کرو۔"
"ذرا ایک منٹ۔" احمد جلدی سے بولا۔" یاد رکھو، اگر لڑکی کو کچھ ہو گیا تو......"
"آواز نے بات کاٹ کر کہا۔" ہمیں کوکین چاہیے۔ لڑکی کو کچھ نہیں ہوگا۔ اس کے بعد فون رکھ دیا گیا تھا۔ احمد پھر انتظار کرنے لگا۔
ایک گھنٹے بعد پھر ایک بیرے نے اس کا نام لے کر پکارا۔ احمد جلدی سے اٹھتے ہوئے بولا۔
کون سے فون بوتھ میں۔"
"نمبر ون میں۔"
"احمد نمبر ون میں گیا۔ فون اٹھا کر نام بتایا۔ اسی آواز نے کہا۔
"سنو احمد، تم اپنی کار سے تھیلا نکالو اور مورس روڈ پر کیتھولک چرچ پر پہنچو۔ چرچ کے دروازے پر ایک پبلک فون لگا ہے۔ تم فون بوتھ میں جا کر ریسیور اٹھانا تمہیں ہدایت مل جائے گی کہ کیا کرنا ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ تمہارے ایک ایک قدم کی نگرانی کی جا رہی ہے۔ تم نے ذرا سی بھی غلط حرکت کی تو لڑکی کی لاش تحفے کے طور پر اس کے باپ کو بھیج دی جائے گی۔ انجام تم خوب سمجھتے ہو۔"
"میں سمجھ رہا ہوں۔" احمد بولا۔
دوسری طرف سے فون رکھ دیا گیا تھا۔
"احمد اچھی طرح جانتا تھا ان لوگوں نے بڑے سوچ سمجھ کر پلان بنایا ہے۔ اس نے کار سے تھیلا نکالا اور پیدل ہی چل دیا۔ مورس روڈ وہاں سے ایک کلو میٹر تھا وہ سڑک کے درمیان چل رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ کرنل زاہد کے محکمے کے آدمیوں کے علاوہ دشمن کا کوئی آدمی بھی اس کی نگرانی کر رہا ہوگا۔
آدھے گھنٹے بعد وہ چرچ کے سامنے بنے فون بوتھ میں گھسا۔ اسے مشکل سے ایک منٹ انتظار کرنا پڑا۔ فون کی گھنٹی بجی، احمد سمجھ گیا کہ سامنے بازار میں کوئی شخص ٹیلی فون کے پاس کھڑا اس بوتھ کی نگرانی کر رہا ہوگا۔ جیسے ہی اس نے احمد کو بوتھ میں داخل ہوتے دیکھا اور اس نے فون کا نمبر ملا دیا۔ احمد نے

ریسیور اٹھایا آواز نے کہا۔

''تھیلا تمہارے ساتھ ہے؟''

''ہاں ہے۔'' احمد نے جواب دیا۔

''آل رائٹ۔ اب مورس روڈ سے البرٹ روڈ کو جانے والی سڑک پر چل پڑو۔''

جواب کا انتظار کیے بغیر دوسری طرف سے فون رکھ دیا گیا۔ احمد نے بوتھ سے نکل کر ادھر ادھر دیکھا پھر سڑک پر آ کر البرٹ روڈ کی طرف چل پڑا۔

یہ ایک بہت بڑا شاپنگ سینٹر تھا۔ سڑک پر ٹریفک بھرپور چل رہا تھا۔ وہ مشکل سے دو فرلانگ گیا ہوگا کہ ایک کار اس کے قریب آ کر آہستہ ہوگئی اور ایک آواز نے کہا۔ ''احمد فوراً کار میں بیٹھ جاؤ۔''

''احمد نے رک کر ڈرائیور کی جانب دیکھا۔ وہ اکبر تھا۔ اکبر کے برابر میں ہی جوہر کی لڑکی شبنم پڑی تھی۔ وہ بے ہوش معلوم ہوتی تھی۔ احمد جلدی سے کار کا پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا کار پھر چل پڑی۔ احمد نے پوچھا۔

''تم نے لڑکی کو کیا کیا؟''

''کچھ نہیں صرف بے ہوش ہے۔ اسے بالکل کوئی خطرہ نہیں۔''

''تو یہ تھیلا لو اور لڑکی میرے حوالے کر دو۔''

''میں اتنا بے وقوف نہیں۔ ایک بار تم دھوکا دے چکے ہیں۔ خاموش بیٹھے رہو۔ احمد خاموش بیٹھ گیا۔ اس کی نظریں عقب نما شیشہ پر لگی تھیں لیکن ٹریفک اس قدر زیادہ تھا کہ اسے کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ کون اس کی نگرانی کر رہا ہے کون نہیں کار کچھ دیر گنجان سڑک پر گھومتی رہی پھر ایک بازار میں اس نے چار پھر کاٹے، دو جگہ اکبر نے ریڈ لائٹ ہونے کے باوجود سڑک پار کی۔ یعنی وہ کسی تعاقب کرنے والی کار سے پیچھا چھڑانے کے سارے گر جانتا تھا۔ آ کر جب اسے اطمینان ہو گیا کہ اب اس کا پیچھا نہیں کیا جا رہا ہے تو اس نے اپنی کار کو شہر سے باہر کی جانب موڑ دیا۔

تھوڑی دیر میں ہی وہ آبادی سے دو پہاڑیوں سے گزر رہے تھے۔ یہاں بالکل سناٹا تھا۔ احمد حیران تھا کہ اس کی نگرانی کرنے والی کاریں کہاں ہوں گی اور ہیلی کاپٹر اب کہاں ہے؟

اسی وقت اسے کسی دور جگہ ہیلی کاپٹر کی ہلکی آواز سنائی دی۔ اس کے دل کو اطمینان ہو گیا کہ زاہد اس کے ساتھ ہے۔

اکبر نے دو پہاڑیوں کے درمیان کار روک دی اور کود پہلے باہر نکلا۔ اب اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس نے احمد سے کہا۔

''تھیلا لے کر باہر نکلو۔''

احمد تھیلا لے کر باہر نکلا۔ اکبر نے کہا ''اس میں سے ایک تھیلی نکال کر باہر زمین پر رکھ دو۔ یاد رکھنا! ذرا بھی چالاکی کرنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا۔''

احمد نے تھیلا نیچے رکھ کر ایک تھیلی نکالی اور زمین پر رکھ کر دو گز پیچھے ہٹ گیا۔ اکبر تھیلی کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے احمد پر نظر رکھے رکھے ہی تھیلی ایک ہاتھ سے پھاڑ ڈالی اور ایک چٹکی نکال کر منہ میں رکھی۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''وہی نمک!''

اسی وقت ایک چٹان کی آڑ سے ایک آدمی نکلا اس کے ہاتھ میں بھی ریوالور تھا۔ اس نے فائر کیا لیکن گولی کا رخ احمد کی جانب نہیں تھا نشانہ اکبر تھا۔ گولی اکبر کے سر میں لگی اور اکبر آواز نکالے بغیر زمین پر جا پڑا۔ احمد نے اس شخص کی جانب دیکھا۔ وہ آدمی اس کے لیے اجنبی تھا۔ اب اس کے ریوالور کا رخ احمد کی جانب تھا۔ احمد نے مسکرا کر کہا۔

اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو تم مسٹر ماجد ہو۔''

''اس شخص نے چونکتے ہوئے کہا۔'' تم مجھے کیسے جانتے ؟''

''مجھے یقین تھا ماجد کہ تم کوکین حاصل کرنے کی کوشش ضرور کرو گے۔ میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ مگر میں حیران ہوں کہ تم نے اپنے سالے کو کیوں قتل کر دیا۔''

''اس لیے کہ اکبر تمہارا ساتھی تھا۔ وہ مجھے دھوکے میں رکھ کر تمہارے ساتھ آدھا حصہ بانٹنا چاہتا تھا۔ اب تم مجھے بتاؤ گے کہ کوکین تم نے کہاں

چھپا رکھی ہے، ورنہ تم اور یہ لڑکی یہیں ختم ہو جائیں گے۔ لیکن کوکین کے بارے میں جاننے سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا تم میرا انتظار کیوں کر رہے تھے۔ تم یہ جانتے تھے کہ میں مر چکا ہوں۔"

"جی ہاں، مجھے تمہاری بیوی نے یہی بتایا تھا کہ تم مر چکے ہو۔ مگر تمہاری بیوی سے ایک غلطی ہو گئی۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ تمہیں نیئر نے قتل کیا ہے اور یہ کہ تمہاری کھوپڑی میں گولی کا سوراخ تھا۔ اس وقت اسے یہ پتا نہیں تھا کہ میں ایک پرائیویٹ جاسوس ہوں کرنل زاہد کا ساتھی ہوں اور ہر ملک کی انٹرپول پولیس سے میرے تعلقات ہیں۔ میں نے پولیس ریکارڈ سے تمہارے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ منگوا کر دیکھی۔ رپورٹ میں کسی گولی کے سوراخ کا ذکر نہیں تھا۔ دوسرے تمہاری لاش اس طرح جل گئی تھی کہ پہچانی بھی نہیں جاتی تھی۔ تمہاری بیوی نے لاش کو پہچانا تھا۔ جاسوسی کا ایک اصول یہ ہے کہ مسٹر ماجد کہ جب کوئی ایسی لاش ملے جس کا چہرہ ناقابل شناخت بنا دیا گیا ہو تو بھی یقین نہیں کرنا چاہیے کہ مرنے والا وہی شخص ہوگا جو ظاہر کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ میں سمجھ گیا کہ کچھ دال میں کالا ہے۔ پھر مجھے پتا چلا کہ تمہارا بزنس گنگٹوک کے ایک بہت بڑے اسمگلر ظفر سے تھا۔ تمہاری موت کے بعد سے ظفر غائب تھا۔ اس لیے مجھے یقین ہو گیا کہ یا تو ظفر کو تم نے قتل کیا ہے اور وہ لاش ظفر کی تھی یا ظفر نے تمہیں قتل کیا ہے لیکن مجھے پتا چلا کہ ظفر کروڑ پتی اسمگلر تھے۔ تم تیس لاکھ کی کوکین کے لیے ظفر کو قتل کر سکتے تھے۔ اس لیے مجھے یقین تھا کہ تم زندہ ہو کوکین تم اپنے ساتھ نہیں لائے تھے بلکہ نیئر کے پاس چھوڑ آئے تھے۔ اتفاق سے نیئر کو آنے میں ایک دن کی دیر ہو گئی۔ اسے پتا چل گیا کہ تم مر چکے ہو۔ نیئر کو بھی زیب کے لیے پیسے کی ضرورت تھی چنانچہ اس نے وہ کوکین خود رکھنے کا فیصلہ کیا۔

"ادھر تمہاری موت کے راز سے صرف سلمہ واقف تھی۔ سلمہ نے اکبر کو بھی نہیں بتایا تھا اس لیے اکبر اور باری اپنے اپنے طور پر مجھ سے وہ کوکین حاصل کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کے بعد جو کچھ ہوتا رہا وہ تمہیں سب معلوم ہے۔ تم جانتے تھے کہ اکبر اپنے طور پر وہ کوکین خود حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے تم نے سمجھ لیا کہ اکبر نے مجھ سے آدھوں آدھ کا سودا کر لیا ہے۔ تم چالاک تھے تم نے مجھ سے کوکین حاصل کرنے کی یہ اسکیم بنائی۔ اکبر سے اس پر عمل کرایا۔ تم اس طرح اکبر کو بھی پرکھنا چاہتے تھے۔ اگر میں اصل کوکین لے آتا تو تم اکبر کو قتل نہ کرتے بلکہ صرف مجھے قتل کر کے کوکین پر قبضہ کر لیتے لیکن تمہیں معلوم نہیں اصل کوکین اب میرے پاس بھی نہیں ہے۔ وہ نیپال کے انٹرپول محکمہ کو دے دی گئی ہے۔"

"پھر تو تمہاری موت یقینی ہے۔"

"موت کس کی یقینی ہے۔ یہ تو ابھی پتا چل جائے گا۔"

ماجد نے ریوالور والا ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "موت صرف تمہاری یقینی ہے۔"

"احمد کا ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ تک پہنچ چکا تھا۔ دراصل زاہد نے جو انگوٹھی احمد کو دی تھی اس کا نگینہ ایک الیکٹرانک آلہ تھا جس میں لینز شعاعیں قید تھیں۔ احمد نے انگوٹھی کا نگینہ پکڑ کر ایک جھٹکا دیا۔

اچانک دن کی روشنی میں ایسا لگا جیسے سورج پھٹ پڑا ہو، ماجد کی نظریں احمد پر جمی تھیں۔ تیز روشنی کے جھماکے سے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اس کے منہ سے چیخ نکلی، ساتھ ہی ریوالور کا دھماکا ہوا۔ لیکن احمد اس وقت تک ماجد پر چھلانگ لگا چکا تھا اور چونکہ انگوٹھی کا نگینہ توڑتے وقت اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں اس لیے اس کی آنکھیں ٹھیک کام کر رہی تھیں آدھے منٹ بعد ہی ماجد کا ریوالور احمد کے ہاتھ میں تھا اور ماجد بے ہوش نیچے پڑا تھا۔

اسی وقت آسمان پر گڑگڑاہٹ سنائی دی اور ہیلی کاپٹر نیچے اترنے لگا۔ احمد نے مسکرا کر کہا۔

"ڈیڈی! آپ ٹھیک وقت پر پہنچے مگر آپ کے آنے سے پہلے قصہ ختم ہو چکا ہے۔" یہ کہہ کر وہ ہیلی کاپٹر کے نیچے اترنے کا انتظار کرنے لگا۔

☆☆